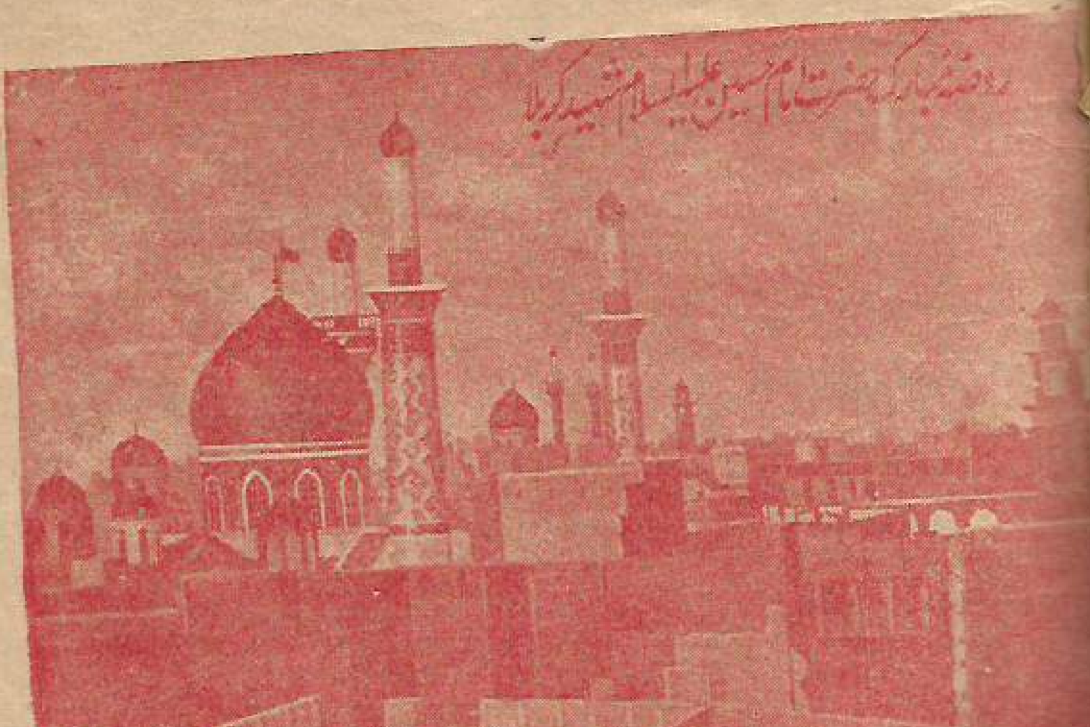
زاہد عباس اعوان

جواہر البیان

اردو ترجمہ

لؤلؤ و مرجان

کتاب :- استاد محترم قبلہ مرحوم
سید قاسم علی شاہ
۱۹۹۸ء



مترجم :- فخر الواعظین عالیجناب مولانا نذر حسین صاحب ظفر

يخرج منهما اللؤلؤ والمرجان فبأي آلاء ربكما تكذبان

جواهر البیان

اردو ترجمہ

لؤلؤ و مرجان

مصنّف

ثقۃ الاسلام الحاج علامہ میرزا حسین النوری، الطبرسی

طیب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ

مقدّمہ از

مورخِ اعظم عالیجناب علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب کامونپوری ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

ترجمہ و حواشی

فخر الافاضل عالیجناب مولانا نذر حسین صاحب ظفر مولوی فاضل

ناشر

ادارہ "المبلغ" سرگودھا پاکستان

فہرست کتاب جواہر البیان

نمبر شمار	تصریح مضامین	صفحہ
۱	مقدمہ۔ امام مظلوم کے مصائب پڑھنے اور رلانے کا ثواب	۱
۲	مجلس خوانی کی درستی کے لئے شرائط	۵
۳	فصل اول اخلاص	۶
۴	عبادت کا معنی	۶
۵	روضہ خوانوں کے اخلاص کے موانع	۷
۶	اول روضہ خوان حضرات کا اپنے آپ کو ثواب موعود سے محروم کرنا	۸
۷	دوم۔ روضہ خوان حضرات اس جماعت میں داخل ہو جائیں گے جنہوں نے اپنی عقل کو سرمایہ تجارت بنایا ہوا ہے	۹
۹	اجرت روضہ خوانی کے جواز کی ممکن صورتیں	۱۲
۱۰	سوم روضہ خوان حضرات اس جماعت میں داخل ہو جائیں گے جنہوں نے اپنی آخرت کو دنیا کے بدلے فروخت کر دیا	۱۴
۱۱	ابو الاسود دؤلی کا ایک واقعہ	۱۵
۱۲	ایک مشہور واعظ کا واقعہ	۱۸
۱۱	چہارم: روضہ خوان حضرات آیات و اخبار کی اس صنف میں داخل ہو جائیں گے جس میں تہدید عظیم ہے	۱۹
۱۴	چند امور پر تنبیہ اور گریہ میں ریا کی حرمت کا ذکر	۲۱
۱۵	دوم۔ روضہ خوان بیان کے تمام مفاسد سے سالم ہو	۲۵
۱۶	بعض ان امور محرمہ و شنیعہ کا ذکر جن کے مرتکب روضہ خوان ہوتے ہیں	۲۶
۱۷	سوم روضہ خوان کی تکلیف کا بیان	۲۷
۱۸	شعراء اور مداحوں کے بارے میں ائمہ کی سیرت	۲۸
۱۹	فصل دوم صدق کا بیان	۳۲
۲۰	مقام اول صدق کی تعریف	//

نمبر شمار	تصریح مضامین	صفحہ
۲۱	مقام دوم جھوٹ کہنے کی مذمت در دنیا و آخرت میں اس کے مفاسد	۳۶
۲۲	جھوٹ کے شراب سے بدترین ہونے کی وجوہ	۳۷
۲۳	مقام سوم خدا اور رسول و ائمہ علیہم السلام پر دروغ باندھنے کی معصیت کا ذکر	۴۹
۲۴	اقسام مدح اور کم دروغ کے متعلق اشارہ اجمالیہ	۵۶
۲۵	صحابہ حسین علیہ السلام کا مدفن	۶۵
۲۶	اقسام دروغ کے احکام	۶۶
۲۷	احادیث کے جعل کرنے کا ایک واقعہ	۷۱
۲۸	مرے ہوئے آدمی زندوں کی باتیں سنتے ہیں	۷۵
۲۹	شعری مبالغہ	۷۹
۳۰	زبان حال	۸۰
۳۱	مقام پنجم: اخبار و قصص کو نقل کرنے کے مقام	۸۲
۳۲	میں صدق سے کیا مراد ہے۔	
۳۳	اہلبیت علیہم السلام رہائی کے بعد اربعین کو شام سے کربلا آئے یا نہیں	۹۸
۳۴	کتاب اسرار الشہادۃ کی روایات مجعول ہیں	۱۱۳
۳۵	ایک روضہ خوان کا خواب	۱۱۳
۳۶	کتاب مسنی بہود کا ذکر	۱۱۵
۳۷	وہ روایات موضوعہ جو ذاکرین میں مشہور ہیں	۱۱۹
۳۸	ایک روضہ خوان کا عجیب و غریب خواب	۱۲۳
۳۹	تنبیہ چہارم: وہ شبہات جو ذاکرین کی جرأت کا سبب ہیں	۱۲۶
۴۰	احادیث کے اقسام	۱۲۹
۴۱	زعفر جن اور شادی حضرت قاسم کے واقعات مجعول	
۴۲	ہیں۔ جھوٹ کی طرف توجہ دینے کی مذمت۔	

مُقدمہ

مورخ اعظم عالیجناب علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب کامونپوری ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

کتاب لولو و مرجان کی تالیف عزاداری کی اصلاح و ترقی کے حق میں خلوص و اخلاقی شجاعت کا شاندار کارنامہ ہے

جھوٹ اور سچ کا انفرادی زندگی پر اثر

لولو و مرجان کے مؤلف علامہ مرزا حسین نوری قدس اللہ سرہٗ نے شعبہ عزاداری پر ایک ناقدانہ نظر ڈالی ہے اس کے مختلف پہلوؤں پر بے لاگ تبصرے کیے ہیں اور سچ بولنے اور جھوٹ سے گریز اور عزاداری میں سچائی کی کامل احتیاطوں پر بڑا مواد فراہم کر دیا ہے۔

سچ اور جھوٹ کا جائزہ کئی طرح لیا جا سکتا ہے یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ فردی زندگی پر اس کے کیا اثرات ظاہر ہوتے ہیں معاشرہ اس سے کس طرح متاثر ہو سکتا ہے یا دین کے تاثرات اس کے بارے میں کیا ہیں؟

اپنے عقیدہ و یقین کے مطابق کسی بات کے اظہار کو سچ کہتے ہیں۔ جھوٹ اس کی مخالف شکل کا نام ہے۔ سچ یا جھوٹ کا اظہار و ارتکاب زبان سے بھی ہوتا ہے۔ ہاتھ کے اشارے سے بھی، آنکھ کی گردش سے بھی، سر کی حرکت سے بھی اور دوسرے ذرائع سے بھی کسی بات کو بڑھا چڑھا کر ظاہر کرنا بھی جھوٹ ہے۔ اس طرح اس میں کمی کرنا بھی جھوٹ ہے کسی معاملہ کا اظہار کرتے ہوئے اس کے ایسے پہلوؤں کو قصداً چھپانا بھی جھوٹ ہے کہ اگر وہ ظاہر کیے جاتے تو معاملہ کی نوعیت بدل جاتی سچائی کی طرف ایک راہ ہے اور وہ حق ہے۔ حق کے مرکز سے جتنے خط ٹیڑھے ہیں سب جھوٹے ہیں۔

سچ کی پابندی سے انسان میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ سچ بولنا نفس کی صحت مندی کی اور جھوٹ بولنا نفس کے بگاڑ کی پہچان ہے جھوٹا اضطراب باطنی کا شکار رہتا ہے۔ اُسے خود بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے فعل کے بڑے اثرات کیا ہیں۔ جھوٹ زندگی کے تمام شعبوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ جھوٹا اخلاقی طور پر اپنی پائیدار شخصیت کی تعمیر کرنے میں ہمیشہ ناکام رہتا ہے ایک جھوٹ سے بے حساب جھوٹ جنم لیتے ہیں کہا گیا ہے کہ جھوٹے کی یادداشت کمزور ہوتی ہے مگر یہ بھی نقطہ نظر ہی حافظہ پر جھوٹ کے اثر کو محسوس کرتا ہو۔ باطنی بے چینی اور ذہنی کشمکش کی قوت سے حافظہ کی صفائی اور روشنی میں کمی ہو جانا بعید نہیں ہے۔ یوں بھی حافظہ کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو وہ بے شمار جھوٹ کے بوجھ کو کہاں تک اٹھا سکتا ہے بے بنیاد اور بے حقیقت باتوں کی کوئی تھاہ نہیں۔

معاشرہ پر سچ اور جھوٹ کا اثر معاشرہ پر اس کے اثرات اور بھی وسیع ہیں معاشرہ کی ترقی کا سارا کاروبار اعتماد، معاہدہ اور تعاون پر ہے

جب سچائی کی جنس گراں ہوگی اور جھوٹ کا معاشرہ میں رواج ہو جائے گا تو اعتماد و وثوق جاتا رہے گا اور تعاون کی قوت مفلوج ہو جائے گی جھوٹ سے پیدا ہونے والی ساری برائیاں سماج کو کھا جائیں گی نفاق، کینہ، مزاج باطل، حسد، تخریب، افترا، خوشامد، لالچ، مبالغہ آرائی وغیرہ سے سماج کی روح کمزور ہو جاتی ہے۔ انسان کو انسان سے نفرت و وحشت ہو جاتی ہے۔ علیحدگی پسندی کا جذبہ ابھرتا ہے اور اجتماعی زندگی ریگ کی ایک دیوار ہو جاتی ہے جس میں ایک ذرے کو دوسرے ذرے سے مربوط کرنے والی کوئی چیز نہیں ہوتی۔

سچ اور جھوٹ کا دین پر اثر

دین کا تو سارا کاروبار اور دار و مدار سچ پر ہی ہے اور جھوٹ سے تو دین کی ساری مشینری بیکار ہو جاتی ہے اس لئے دین کو سچ اور جھوٹ سے جس قدر بحث ہوتی ہے کسی ادارۂ فکر کو یہ کھوج نہیں ہوتی۔ دین ظاہری و باطنی دونوں زندگیوں کا ضابطہ و نظام ہے جہاں قانون و سلطنت کی نگاہ نہیں جاتی اور جن مسائل کو قانون اپنے حدود نگرانی سے باہر سمجھتا ہے وہ بھی دین کے دائرہ میں شامل ہوتے ہیں۔ دین خوف و رجا، زہد و تقویٰ، محبت و تعظیم، توکل و تسلیم، ہر ایک کو جتنے محرکات کی کسوٹی پر پرکھتا ہے اس کی نگرانی عقیدے سے عمل تک پھیلی ہوئی ہے۔ دین نیت، ارادے میں، علوم میں ہر جائے جرم میں سچائی کا نور دیکھنا چاہتا ہے وہ قول و فعل کے تمام اصناف میں سچ کی سلطنت کا خواہش مند ہے اگر ظلم و بے انصافی سے سابقہ نہ ہوتا تو "تقیہ و تعریض" کے دروازے بھی بند کر دیئے جاتے اسلامی سچائی کی آخری حد قول نہیں ہے عمل کی سچائی بھی اسے اسی حد تک عزیز ہے جس حد تک قول کی سچائی۔ وہ ظاہر و باطن میں مطابقت اور قول و فعل میں یک رنگی کا داعی ہے سچی گواہی، سچی قسم، معاہدہ کی سچی تعمیل بغیر ضمیر کی سچائی کے ممکن نہیں ہے اس لئے اس نے ضمیر کی تربیت کے لئے کافی کوششیں کی ہیں۔

قرآن مجید و ارشادات نبی و آئمہ نے سچ کی قیمت۔ سچوں کی پیروی پر بے شمار آیات و احادیث میں توجہ دلائی ہے۔

قرآن مجید نے کہا۔ ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ اگر لوگ اللہ سے سچائی سے پیش آئیں تو انہیں کا بھلا ہو۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ سے معاہدہ کرتے ہیں اور اس پر سچائی سے عمل کرتے ہیں۔ جھوٹ وہی گڑھتے ہیں۔ جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے سرور انبیاء نے فرمایا کہ سچ نجات بخش اور جھوٹ ہلاک ہے۔ جھوٹ سے بچو، جھوٹ فجور کی طرف لے جاتا ہے۔ اور فجور جہنم کی راہ پر لگاتا ہے۔ (جامع الاخبار) باب بارہ فصل سات۔

امیر المومنین علیہ السلام نے حارث ہمدانی کو لکھا تھا جو تم نے سنا ہے۔ سبھی لوگوں سے بیان کر دیا کرو۔ ورنہ یہی جھوٹ ہوگا۔ (نہج البلاغہ) یعنی جو بات کسی سے سن لی اسے دوسرے سے کہہ دیا اس سے نقصان ہوتا ہے کہ ساری جھوٹ کی اشاعت ہو جاتی ہے اور پتہ نہیں لگتا کہ ہماری بے پرواہی سے جھوٹ کا رواج ہو رہا ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں چھوٹے اور بڑے ہر طرح کے جھوٹ سے حقیقت اور مزاح سب ہی باتوں میں بچو۔ چھوٹی باتوں میں جھوٹ بول کر انسان کو بڑی باتوں میں جھوٹ بولنے کی جرأت ہو جاتی ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ خدا نے شر کو مقفل کیا ہے اس کی کنجی شراب اور جھوٹ ہے اور جھوٹ شراب سے بھی بدتر ہے۔ امام حسن عسکری علیہ السلام سے بھی تقریباً ایسی روایت منقول ہے۔ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں جب کسی سے روایت ہو تو راوی کو ٹھوک بجا کر دیکھو کہ معتبر ہے یا نہیں ورنہ جھوٹ کا سبب تم ہو گے اور جھوٹ سے ذلت و رسوائی ہوتی ہے (تحفۃ المہج ابن طاؤس)

اسلام میں جھوٹ کو فسق کہا گیا ہے جھوٹے کا شمار فاسقوں میں ہے اس کی اطلاع پر چھان بین کی ہدایت کی گئی ہے۔ جھوٹا

نظرِ الٰہی میں معتوب ہے۔ جھوٹے کا ذکر قرآن مجید میں بت پرستوں کے ساتھ آیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ جھوٹے کا چہرہ قیامت میں سیاہ ہوگا۔ جھوٹا بے مروت ہے فسادی ہے۔ دل میں کینہ کا بیج بوتا ہے۔ جھوٹے کو ایمان کا مزہ نہیں ملتا۔ جھوٹے سے کوئی مشورہ نہیں لیتا۔ جھوٹ افلاس کا باعث ہے۔ جھوٹ گناہ کبیرہ ہے۔ اسلام نے سچ کی جو قیمت لگائی ہے اگر کوئی توجہ سے اس کا مطالعہ کرے تو اُسے سچ سے محبت ہو جاتی ہے اور جھوٹ کی گندگی کو اس نے جس طرح کرید کر دکھا دیا ہے اس سے گھن آنے لگتی ہے۔ اسلام زندگی سے بڑا کام لینا چاہتا ہے۔ اس لئے وہ زندگی کے گوشے گوشے پر سچائی کی روشنی ڈالنا چاہتا ہے اور وہ تمام ان سوراخوں کو بند کرنا چاہتا ہے جہاں سے جھوٹ کا چشمہ پھوٹتا ہے۔ اسلام کی نظر میں کل اچھے اخلاق سچ ہی کی تفصیل و تشریح ہیں اور کل برائیاں جھوٹ ہی کے پیٹ سے پیدا ہوتی ہیں اور وہ جھوٹ ہی کی مختلف شکلیں ہیں

خدا اور رسول اور آئمہ اور دین کے نام سے جھوٹ

روزمرہ کی زندگی کے تمام کاروبار میں راست بازی ہی میں انسان کی خوش بختی اور سعادت ہے اور جھوٹ میں تباہی و بربادی اور رسوائی ہے۔ لیکن اس جھوٹ کی سنگینی اور برے اثرات کی کوئی حد نہیں ہے جو خدا اور رسول اور آئمہ و دین پر باندھا جائے۔ دین کے ہدایت اور اس کے رہنما کی حیثیت ایک صاف و شفاف چشمے کی سی ہے۔ اس میں جھوٹ کی نجاست و کثافت اس کے رنگ و روپ اور مزاج کو بدل دیتی ہے۔ دین زندگی کے ایک طویل سلسلہ کا قائل ہے اور موت کو زندگی کا ایک وقفہ قرار دیتا ہے اگر زندگی کے ضابطۂ حیات یا اس کے ذرائع میں ذرا بھی جھوٹ کے شبہ کی کوئی گنجائش نکل آتی ہے تو اس سے اس پورے ادارۂ زندگی کا اعتبار اٹھ جاتا ہے کیونکہ زندگی کی ساری عمارت اعتماد و اعتبار ہی پر قائم ہے اسی لئے خدا کی عدالت کا عقیدہ جزو یقین کیا جاتا ہے۔ خدا کی عدالت کیا ہے خدا کی صداقت ایک کلامی تعبیر۔ رسول و امام کی عصمت کا عقیدہ بھی ان میں سچائی کی بے پناہ طاقت کا اظہار ہے اسی طرح علماء اور راویانِ احادیث کی سچی زندگی کو فقہ و حدیث میں عدالت کہتے ہیں روایات کی ساری قیمت اس کے کھرے پن میں ہے

ایک وہ روایت ہے جسے کسی ثقہ نے بیان کیا اور ایک وہ ہے جسے غیر معتبر شخص بیان کرتا ہے۔ ناقد بصیر دونوں میں فرق کر لیتے ہیں اور ان کے درجے کے مطابق ان کو جگہ دے دیتے ہیں۔ جیسے ایک وہ موتی ہے جسے جوہری دس ہزار میں خرید لیتا ہے اور ایک وہ بھی ہے جسے دس پیسے میں بھی نہیں پوچھتا۔ حدیث ہو یا دینی تاریخ اس پر سچے، ایماندار، غیر متعصب اور جھوٹے اور تنگ دل راویوں اور مورخوں کے اعتقاد و مزاج کی چھاپ ہوتی ہے اس بنا پر علماء روایت و نقد روایتوں اور تاریخی واقعات کو مختلف گروپ میں بانٹ دیتے ہیں۔ عہد رسولِ خدا ہی میں یہ جھوٹی روایت کا رواج پیدا ہو چلا تھا جس پر جناب رسولِ خدا نے عین وقت پر گرفت فرمائی تھی اور جھوٹ بولنے والوں کو عذابِ آخرت کی خبر دی تھی۔ جناب رسولِ خدا کی وفات کے بیس پچیس سال کے اندر تو جھوٹ کا سیلاب امنڈ پڑا اور راویوں کی بے اعتباری اس درجہ پر پہونچ گئی کہ مجاشع بن قطبہ کا بیان ہے کہ مسجد کوفہ میں حضرت علی فرماتے تھے۔ انظروا عمن تاخذون هذا العلم فانه هو الدين (الكفاية في علم الدراية حافظ ابوبکر خطیب بغدادی ص ۱۲۳ مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۵۷ھ)

جانچ لیا کرو کہ یہ علم تم کس سے لے رہے ہو یہ دین ہے راویوں کی بے اعتباری کا یہی حال ہو گیا تھا کہ امیر المومنین حضرت علی جب کسی سے روایت سنتے تھے تو اس سے حلف لے لیتے تھے کہ وہ سچ بیان کر رہا ہے۔ ہر ادارہ اور ہر دین و ملت کو ان منافقوں سے نقصان پہونچا ہے جو اس کے وفادار نہیں تھے۔ اور جماعت میں شامل ہو کر رسوخ پیدا کر لیتے تھے اور جب موقع پاتے تھے جھوٹ کی

سرنگیں بنا دیتے تھے۔ دین کو جعلی حدیثوں۔ روایتوں اور تاریخوں سے جتنا نقصان پہونچا ہے اتنا دشمن کی تیغ و فوج سے نہیں پہونچا

دین کے بعض غلط اندیش لوگ بھی جھوٹ گھڑ کر سمجھتے ہیں کہ وہ دین کی خدمت کر رہے ہیں یہ لوگ دین کے نادانستہ دشمن ہیں روایات یا واقعات اصلیت سے بیگانہ ہو کر مُردار سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے جن کی بو سے دماغ کو اذیت ہوتی ہے۔ جھوٹ کسی بھی عمدہ حقیقت سے منسوب ہو کر اسے داغدار بنا دیتا ہے اگر کوئی شخص قصداً دشمنی سے یا اندھی محبت سے نہ بھی جھوٹ بولے جب بھی ناواقفیت اور محدود علم وعقل کی بناء پر غلطیاں ہوتی ہی رہتی ہیں اس لئے روایات اور احادیث کے پرکھنے کے لئے کئی علوم کی بنیاد ڈالی گئی۔ علم حدیث علم درایت۔ علم رجال وغیرہ کی تدوین کا منشاء حقیقت کی کھوج کے سوا اور کیا تھا ان علوم میں سچائی کی حفاظت کے سلسلہ میں بڑی دانشمندانہ باتیں ملحوظ رکھی گئیں۔

راوی کی سچائی۔ شہرت۔ عقائد۔ بلوغ علم۔ فہم وحافظہ استنباط احکام کی قوت۔ حلال وحرام کی معرفت کو سامنے رکھا گیا۔ دیکھا گیا کہ حدیث مسند ہے یا مرسل۔ مقطوع ہے یا متصل۔ اخبار وسماع میں بھی فرق کر لیا۔ اخبار وروایت کو قرآن وسنت متواترہ کی روح سے مطابق کیا گیا۔ ایسی روایتوں کو کھوٹے سکے کی طرح حدیث وروایت کے قلمرو سے نکال دیا۔ مثلاً عالم کی قدامت۔ نفی صانع۔ جبر خدا کی طرف شر کی نسبت۔ انبیاء وائمہ کی شان عصمت کے منافی کوئی بات کسی روایت میں بیان ہوئی تو اسے جھوٹ سمجھا اس لئے کہ یہ سب باتیں قرآن وسنت متواترہ سے معارض ہیں۔ روایت میں یہ بھی دیکھا کہ جس واقعہ کو روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ ہو بھی سکتا تھا یا نہیں مثلاً اگر کسی روایت یا تاریخ میں مذکور ہے کہ کسی ملک کے لاکھوں آدمی اپنا وطن چھوڑ کر دوسرے ملک ہجرت کر گئے تو یہ واقعہ ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ صرف کوئی ایک راوی یا مورخ اس سے واقف ہوتا اور دوسروں کو اس کی اطلاع نہ ہوتی ادب وتاریخ اور دوسرے بہت سے ذرائع بھی ایسے واقعات اپنی یادداشت میں رکھتے ہیں اس لئے ایسی روایت کو قبول کرنے میں تامل کیا گیا جو ایسے وسیع دامن واقعات کی نقل میں منفرد تھی۔

حدیث وتاریخ پر طمع دنیا اور لالچ وخوشامد نے بھی کچھ کم برا اثر نہیں ڈالا۔ قہار اور جبار حکومتوں نے بھی حدیث وتاریخ کو اپنا غلام بنانے کے لئے بے دریغ طاقت ودولت کو استعمال کیا۔ اگر نقاد اور خدا شناس علماء نہ ہوتے تو جھوٹوں نے دین کے صحن میں جھوٹ کا جنگل کھڑا کر دیا ہوتا اور بے وقوف عقل یا متعصب مخالف اس جنگل کو دین کا گلزار کہا کرتے اور اہل بصیرت اس میں کانٹوں اور زہریلے پھلوں کو دیکھ کر دین سے بیزار ہو جاتے اور کہتے کہ دین نے اف جنت کا چمن نہیں کھلایا ہے۔ بلکہ پرخار جنگل سے مسافروں کے تلووں کو زخمی کرنے کا سامان کیا ہے اور ان کے جیب ودامن سے کانٹوں کو الجھنے کی شہ دی ہے۔

سلیمان بن حرب نے اپنے زمانے میں جو بات کہی تھی وہ ایک افسوسناک سانحہ کی خبر ہے انہوں نے حسرت انگیز لہجہ میں کہا تھا کہ حدیث اور قضاء کے سوا اب آسمان کی کوئی بات باقی نہیں رہ گئی اور یہ دونوں بھی بالکل بگڑ گئیں۔ رشوت دے کر لوگ جج بناتے ہیں اور محدث رسول اللہ کی حدیث پر بیان کر کے پیسے وصول کرتے ہیں۔

جھوٹ بولنا اور جھوٹ سُننا

بگڑے ہوئے سماج میں جھوٹ بولنا اگر کسی قدر برا بھی سمجھا جاتا ہے تو جھوٹ سننے کو کچھ زیادہ برا نہیں سمجھتے حالانکہ جھوٹ بولنا اور جھوٹ سننا دونوں ہی کے نقصان دینی وسماجی حیثیت سے بے حد وانتہا ہیں جھوٹ سننا اتنا ہی مخرب اخلاق ہے کہ قرآن مجید نے یہودیوں کی مذمت

کرتے ہوئے کہا ہے۔ یہ لوگ جھوٹی باتیں سنتے ہیں۔

واقعہ کربلا سچ اور جھوٹ کے معرکہ میں سچ کی فتح کا دائمی اعلان

اسلام نے انسان کے سامنے نیکی و بدی کو کرید کرید کر رکھ دیا۔ اس نے فرد و جماعت کے عقیدہ و عمل کی اس طرح تعمیر کی کہ انسان خدا کا وفادار رہے اپنے نفس کا نگہبان ہو، مصلح کا مخلص مددگار ثابت ہو۔ معمولی حالات میں بھی کسی زندہ دین کی زندگی پر اچھے اثرات کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو ہی جاتا ہے۔ لیکن تعلیم و تلقین کی کامیابی کا پورا اندازہ اسی وقت ہوتا ہے جب نیکی و بدی کی جنگ چھڑ جاتی ہے اور نیکی کی تائید میں ہر قسم کی دشواریاں پیش آتی ہیں اس وقت ایک جاندار دین ہی آزمائش میں کامیاب ہوتا ہے۔ دین کے سچے رضاکار سر سے کفن باندھ کر جھوٹ کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں اور وہی دین کی سچائی کے نمائندے ہوتے ہیں۔

جب ۶۱ھ میں نینوا کی زمین نے ایک ایسے ہی آخری معرکہ کا میدان سجایا تو اسلام کے بہت سے سست عقیدہ نام لیوا ڈر کر گوشہ نشین ہو گئے بہت سے نام نہاد مسلمان کافر نفس و دولت کے غلام اور دشمن کے آلۂ کار بن گئے۔ لیکن امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے دین الٰہی کی حفاظت میں کسی نقصان کی پروا نہیں کی سچ کے قیام کے لئے انہوں نے دشمن کے ہر قسم کے تشدد کو بڑے اطمینان و سکون سے برداشت کیا۔ ان کی سچائی نے رضائے الٰہی کو ان کا ہمدم بنا دیا۔ فوج کی کثرت اور دشمن کی وحشت ان کے عزم و ثبات کو مفتوح نہ کر سکی۔ انسان جب اللہ سے سچی محبت کرتا ہے تو اس سے اور اللہ سے تسلیم و رضا کی بنا پر ایک معاملت ہو جاتی ہے۔ اس معاملت کی تاثیر یہ ہے کہ اس کا دل ہر قسم کے اضطراب سے پاک ہو جاتا ہے اور اللہ کی یاد سے اسے تسکین ہوتی ہے۔ حقائق وجود پر مسلسل غور و فکر سے وہ ہر وقت اپنے کو اللہ کے سامنے پاتا ہے اور اس کا دل اطمینان و رحمت و الفت سے بھر جاتا ہے۔ وہ ان مقامات پر قدم بھی نہیں گھبراتا جہاں دوسروں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھی منزل رضا ہی کے مسافر تھے۔ اگر وہ کسی چیز سے پیار کرتے تھے تو وہ سچ تھا۔ ان کی قربانیوں نے ہمیشہ کے لئے سچ کا بول بالا کر دیا اور ایسے نقش قائم کر دیئے کہ جب سچ اور جھوٹ کی جنگ ہو تو سچ کو کامیاب بنانے کے لئے ان کے عمل کی جلائی ہوئی شمع سے روشنی حاصل کی جا سکے۔

عزاداری کا مقصد واقعہ کربلا کی صحیح تشریح اور اس کے تقاضوں کی صحیح تعمیل ہے

دنیا میں بہت سے واقعات رونما ہوئے ان کے اثرات کا ایک محدود حلقہ بنا اور وہ فنا ہو گئے لیکن واقعہ کربلا کی عظمت و افادیت نے اس کے تحفظ کے لئے ضمیر انسانی سے عہد لیا اور بہت بڑا جاندار ادارہ عزاداری کے نام سے اس کے تحفظ کے لئے قائم ہو گیا جو اس وقت سے آج تک کسی نہ کسی شکل میں قائم ہے۔ فضیل امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملنے آتے ہیں تو حضرت فرماتے ہیں تم لوگ امام حسین علیہ السلام کے واقعہ شہادت کا ذکر کرتے ہو؟ فضیل نے کہا بے شک۔ امام نے فرمایا ان مجلسوں کو میں بہت عزیز رکھتا ہوں۔ ہمارے مشن کو زندہ رکھو۔ فضیل! جو ہمارے مشن کو زندہ رکھے اللہ اس پر رحم فرمائے۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا جو ہمارے مصائب کو یاد کرے اور روئے تو قیامت میں ہمارے ساتھ ہمارے درجے میں ہوگا۔ امام موصوف ہی نے فرمایا کہ جو ہماری مصیبت پر روئے یا رلائے جس دن سب کی آنکھیں روئیں گی (قیامت) اس دن اس کی آنکھ نہ روئے گی۔ حضرت ہی کا ارشاد ہے جو اس مجلس میں بیٹھے جس میں ہمارا مشن زندہ کیا جاتا ہے تو اس

دن اس کا دل نہ مریگا (قیامت) جس دن سب کے دل مر جائیں گے۔

ان بیانات میں آئمہ اہلبیت نے ادارۂ عزاداری کے قیام کی ضرورت پر نہایت مستحکم طریقہ پر اظہار خیال فرمایا ہے۔ عزاداری کا دار تحریک کربلا کی تحریک تجدید و احیاء اسلام کا امانت دار ہے اس ادارہ کا مقصد یہ ہے کہ وہ کربلا کی مقدس ہستیوں سے عمل کی قوت حاصل کرے اور اسلام کو اسی طرح پیش کرنے کی کوشش کرے جس طرح اللہ نے اسے اپنے رسول پر نازل کیا تھا۔ ادارۂ عزاداری کے کاموں کو صرف دو لفظوں میں بیان کیا جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ ادارہ کربلا کے جان نثاروں کے طریق عمل کی روشنی میں اسلام کی تجدید و احیاء و بقاء و ترقی کے لئے مخلصانہ کوششوں کا نام ہے۔

واقعہ کربلا کی تاریخ میں نقد و نظر اور درایت کی ضرورت

خدا کا شکر ہے کہ عزاداری کے ادارے نے اسلام کی تجدید و تائید اور واقعہ کربلا کی اشاعت و تفسیر کے سینکڑوں نئے دروازے کھول دیئے۔ لیکن جہاں ہمیں یہ فخر ہے کہ واقعۂ کربلا سے دنیا نے ذہنی تبدیلی میں بڑا فائدہ اٹھایا اور ملت جعفری کو سینکڑوں بار موت کے منہ سے نکال کر حیات تازہ بخشی۔ اس کے ساتھ ہمارا سر ندامت سے جھک جاتا ہے کہ اس تحریک کے مطابق ہم نے اونچا لٹریچر ترتیب نہیں دیا۔ عزاداری کے پورے ادارے پر عوام کا قبضہ ہو گیا اور وہ اپنی ذہنی سطح کے مطابق اسے چلاتے رہے اگر ابتدا ہی میں علمی معیار پر صحیح قیادت میں کام کیا گیا ہوتا تو آج حقائق و معارف کا ایک سرمایہ کھڑا ہوتا۔ ادب و تاریخ و خطابت سب کی تشکیل اونچے معیار پر ہوتی۔ علم درایت کی روشنی میں محنت و کوشش کے حقائق ترتیب نہیں دیئے گئے۔ اس کی وجہ سے بے مواد ذاکروں اور شاعروں کو اپنی خیالی پرواز کی چھوٹ مل گئی۔ اور وہ مجلس و منبر جس کو سچائی کے سب سے بڑے واقعہ سچ کی اشاعت کے لئے بھیجا گیا تھا۔ بے احتیاطی کا شکار ہو گیا۔ روضہ خوانوں نے حدیث و تاریخ کے بجائے اپنی طبع زاد فکر کو رواج دیا۔ وقتی مقبولیت حاصل کرنے کے لئے جو منہ میں آیا کہا۔ اس طرز عمل نے واقعہ کی عظمت کو نقصان پہونچایا۔ عوام نے اسے اپنے رنگ میں رنگا اور اس میں ایسی چیزیں داخل ہو گئیں جسے علماء پسند نہ کرتے تھے لیکن اب کس میں ہمت تھی کہ عوام کے غیظ و غضب کا نشانہ بنتا اور اصلاح کا جھنڈا بلند کرتا اور ذاکروں سے بیان میں صحت و صداقت کا تقاضہ کرتا اور عزاداری سے ان چیزوں کو اکھیڑ پھینکتا۔ جو تحریک عزاداری کی روح کے منافی تھیں۔

لیکن اللہ نے ایک ایسا عالم پیدا کر دیا جس نے روضہ خوانوں کے طبقے اور عوام کے غیظ و غضب کی کچھ پرواہ نہیں کی اور ان کمزوریوں کو نہایت جرأت و ہمت سے پیش کیا۔ جن سے تحریک عزاداری کو نقصان پہنچ رہا تھا۔

یہ بزرگ علامہ مرزا حسین نوری ہیں۔ جو ایران کے قریہ نور میں فتح علی شاہ قاچار کے زمانے میں ۱۲۵۴ھ میں پیدا ہوئے اور جن کی وفات ۱۳۲۰ھ میں ہوئی۔

علامہ موصوف بڑے عزم و حوصلہ کے آدمی تھے۔ تیرھویں صدی ہجری میں ملت جعفری کے ساتھ قدرت کی ایک گرانقدر فیاضی تھی کہ اس نے ایسے خلوص و استعداد کے انسان سے اس کی تائید کی۔ علامہ نوری ایک ادارۂ فکر تھے۔ انہوں نے اپنے عہد کو مسخر کر لیا۔ انہوں نے کئی طرح سے ملت کی خدمت کی۔ اپنے اندازِ فکر میں سوچنے اور کام کرنیوالے ذہن پیدا کئے جو ان کے بعد بھی ان کے راستے پر چلتے رہے۔ جیسے مولانا عباس قمی مرحوم اور آقائے بزرگ دام ظلہٗ وغیرہ۔

انہوں نے ایسی تصنیفیں بھی چھوڑیں جن سے ملتِ جعفری میں حقائق و معارف کے بہت سے چراغ روشن ہو گئے۔

حضرت سلمان فارسی کی زندگی پر موصوف نے ایک کتاب نفس الرحمٰن فی فضائل سلمان لکھی۔ یہ کتاب طہران میں چھپ گئی عصرِ حاضر کے تقاضوں کے ماتحت اگر حضرت سلمان پر کوئی کتاب لکھی جائے گی۔ تو اس کتاب کو نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا۔

بحار الانوار علامہ مجلسی کی سترھویں جلد کا تکملہ "معالم العبر فی تتمہ البحار السابع عشر" کے نام سے مواعظ ائمہ میں لکھا۔ یہ استدراک بھی طہران میں ۱۳۱۵ھ میں چھپ گیا ہے۔ کتاب مزار بحار الانوار کا مستدرک بھی لکھا۔

الجنۃ الماویٰ فی من فاز بلقاء الحجۃ فی زمن الغیبۃ الکبریٰ لکھی جس میں حکایتیں درج ہیں جو بحار الانوار مجلسی ج ۱۳ میں نہیں۔ یہ استدراک بھی چھپ گیا ہے۔ کتاب کشف الاستار عن وجہ الغائب عن الانظار لکھی۔ یہ بھی طہران میں ۱۳۰۵ھ میں شائع ہو گئی ہے۔

فارسی میں ایک کتاب نجم ثاقب در احوال امام غائب لکھی۔ یہ بھی طہران ۱۳۰۶ھ میں شائع ہو گئی ہے۔

ایک کتاب فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب لکھی۔ یہ بھی طہران ۱۲۹۸ھ میں چھپ گئی۔

کتاب دار السلام فی ما یتعلق بالرؤیا والمنام ۲ جلدوں میں لکھی۔ یہ بھی طہران میں ۱۳۰۵ھ میں چھپ گئی اور کافی مشہور ہوئی۔

فاضل سماہیجی نے امیر المومنین علیہ السلام کی دعاؤں کو مرتب کر کے ایک کتاب صحیفۂ علویہ کے نام سے تیار کی تھی۔

یہ کتاب عرصہ ہوا چھپ چکی ہے۔ علامہ نوری نے اس کا استدراک کیا اور امیر المومنینؑ کی دعاؤں پر ایک کتاب صحیفۂ ثانیہ علویہ مرتب کر لی۔ جس میں امیر المومنینؑ کی ۱۶۰ دعائیں ہیں۔

افسوس یہ ہے کہ ابھی تک امیر المومنینؑ کی دعاؤں پر کوئی علمی کتاب بامضمون شائع نہیں ہوئی ہے۔ جس میں اس کتاب سے فائدہ اٹھایا گیا ہو۔ علامہ نوری کا صحیفۂ ثانیہ علویہ چھپ گیا ہے۔

صحیفۂ کاملہ کے علاوہ مختلف دور میں علماء علوم حضرت امام زین العابدین کی دعاؤں کی جمع و ترتیب میں مشغول رہے

ہیں۔

علامہ نوری نے اس سلسلے کو آگے بڑھایا۔ امام زین العابدینؑ کی دعاؤں کا جو ذخیرہ انہیں ملا ہے اسے انہوں نے صحیفۂ رابعہ کے نام سے تالیف کیا ۱۳۱۲ھ میں یہ صحیفہ بھی چھپ گیا۔

علامہ حر عاملی نے ایک کتاب وسائل الشیعہ لکھی۔ جسے کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ علامہ نوری نے اس کتاب کی اس کمی کو پورا کیا جو اس میں رہ گئی تھی۔ اور اس کا نام مستدرک الوسائل رکھا۔ یہ کتاب ۱۳۱۸-۱۹ھ میں چھپ گئی۔ یہ کتاب علامہ نوری کا کارنامہ ہے۔

ایک کتاب کلمہ طیبہ لکھی۔ یہ بمبئی میں ۱۳۰۳ھ میں چھپ گئی ہے۔ موٹے مرتبے کے حالات میں بدرِ مشعشع ایک کتاب آپ نے لکھی جسے بمبئی میں ۱۳۰۳ھ میں شائع کیا گیا۔

اسی طرح آپ نے عربی و فارسی میں گرانقدر کتابیں لکھیں جن سے دین و ادب کو بڑا نفع ہوا۔ آپ کی ایک مشہور ترین کتاب لؤلؤ و مرجان بھی ہے۔ اس کتاب کو شائع کرنے کا شرف بھی ہندوستان کو حاصل ہوا۔ اور بمبئی میں ۱۳۲۴ھ میں یہ کتاب چھپ گئی۔ یہ متوسط تقطیع پر ۱۸۴ صفحے میں فارسی زبان میں لکھی گئی۔ بے مواد ذاکروں اور روضہ خوانوں کی دروغ بیانی سے عرب و ایران و ہندوستان کے اہلِ نظر و صلاح عاجز آ گئے تھے۔ لیکن اس کے مقابلہ اور اس کی اصلاح کا شرف حضرت علامہ حسین بن محمد تقی نوری طبرسی نور اللہ مرقدہ کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ ہمارے ملک کے شہر جونپور کے صاحب مؤلفاتِ فاضل مولوی سید محمد مرتضےٰ صاحب مرحوم نے علامہ نوری سے اپنا دردِ دل بیان کیا اور ان سے خواہش کی کہ موصوف ایک ایسی کتاب لکھ دیں جس سے دروغ بیانی کا سدِ باب ہو اور امام حسینؑ کی مجلس اور حضرت اہلبیتِ اطہارؑ کو اس جسارت سے پاک کیا جائے۔ یہ نہایت ہی پُر خطر اقدام تھا۔ لیکن سے

"اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی"

علامہ نوری نے مخالف کی کوئی پرواہ نہ کی۔ انہوں نے مطلق جھوٹ۔ خصوصاً خدا و انبیاء و آئمہ پر جھوٹ کی مذمت میں اپنی پوری قابلیت و صلاحیت صرف کر دی اور مجلس و جلوس کی دوسری کمزوریوں پر بھی تنقید کی۔

اور سوز خوانوں کے غنائی پہلو پر تبصرہ کیا۔ جس زمانے میں یہ کتاب تالیف ہوئی تھی چند ہی صاحبانِ بصیرت نے ان کی اس عظیم الشان خدمت و جرأت کی داد دی ہوگی۔ بے مواد ذاکرین کا طبقہ ان سے خفا ہو گیا ہوگا۔ اور عوام نے بھی اسے پسند نہ کیا ہوگا اور سست عزم علماء نے بھی جو تسامح فی ادلۃ السنن کی حدود کو ضرورت سے زیادہ وسیع کر چکے تھے۔ ان سے تعاون نہ کیا ہوگا۔

لیکن اب زمانہ کافی بدل چکا ہے آج یہ کتاب لاکھوں عزاداروں کی مانگ کو پورا کرے گی۔

اس عرصہ میں ملک میں تعلیم نے کافی ترقی کی ہے اب بے مواد ذاکروں کی غلط بیانیوں پر کالج کے طلبہ انگشت نمائی کرتے ہیں۔ اور اب مجلسیں و منبر کو اونچے قسم کے مفکر و نقاد و بصیر و صاحب نظر و فکر علماء کی تلاش ہے جو اسلام کی روح سے واقف ہوں۔ جو عصرِ حاضر کے تقاضوں سے واقف ہوں۔ جن کا استدلال آج کی پیاس بجھا سکتا ہو۔ جو تاریخ و تفسیر و حدیث

وادب سے خوب واقف ہوں جو نفسیات کے بھی ماہر ہوں اور دین کو اس طرح دنیا کے سامنے پیش کریں کہ اس سے دلچسپی پیدا ہو۔

مجلس و منبر کو نفرت انگیز بیانات کی بجائے اسلام کے عالمگیر و ہمہ گیر ثقافتی مسائل اور واقعۂ شہادت کے انسانی و روحانی و دینی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی خدمت انجام دیں۔ واقعۂ کربلا کا سوز۔ اس کی دینی خدمت اس کے جوش و خلوص کو بہتر و صحیح انداز میں پیش کر سکیں۔

کتاب لؤلؤ و مرجان کو چھپے ہوئے عرصہ گزر چکا تھا۔ یہ نایاب ہو گئی تھی۔ یہ کتاب فارسی میں تھی۔ ہر شخص اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اور آج ایسی کتاب کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ جو منبر و مجلس کو تبلیغ کے لئے وقف کرنے پر شدت سے زور دے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ عمدۃ الافاضل زبدۃ الاماثل مولوی نذر حسین صاحب ظفرؔ مدیر اعلےٰ مجلّہ "المبلغ" سرگودھا نے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کر کے ٹھیک وقت پر ایک قابلِ عزت خدمت انجام دی۔ ضرورت ہے کہ اس کتاب کو نصابِ تعلیم میں داخل کر دیا جائے۔ تاکہ دینی مدارس سے جو فاضل تحصیل کے بعد نکلیں۔ وہ ذاکری و خطابت میں اس کتاب سے احتیاط و صداقت کا درس حاصل کریں اور انتہائی سنجیدگی و متانت و صحت سے فنِ ذاکری کی خدمت انجام دیں۔

اس موقع پر ذاکرین و واعظین کی دشواریوں کو میں نظر انداز نہیں کر سکتا۔ وہ یہ کہ اس کتاب کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ذاکرین کے پاس منظم علمی سرمایہ نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ادنےٰ درجہ کی بے اعتبار کتابوں سے مدد لینے پر مجبور ہوتے رہے ہیں۔ اس کا صحیح علاج یہ ہے کہ ذاکری کا ایک نیا نصاب تیار کیا جائے اور دینی مدارس میں ذاکری و خطابت کا ایک درجہ کھولا جائے اور افاضل کو ذاکری کی سند دی جائے۔ طلبہ کو خطابت کی تاریخ۔ خطابت کے اصول کی تعلیم دی جائے۔ عصرِ حاضر کے مسائل سے روشناس کرایا جائے اور تقریر و خطابت کی مشق کرائی جائے۔ اردو عربی اور فارسی کی ان کتابوں سے انہیں واقف کیا جائے۔ جس کے مطالعے سے وہ زندگی کے اونچے مقاصد پر اسلام اور واقعہ کربلا کی روشنی میں قوم و ملت اور اولادِ آدمؑ سے خطاب کر سکیں۔

اگر ذاکروں کو کسی ضابطہ کا پابند نہیں بنایا جائے گا۔ تو اس کتاب سے خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھایا جا سکے گا۔ اور نئی نسل کی صحیح ذہنی تعمیر نہ ہو سکے گی۔ ذاکروں کے اچھے مسودوں کا ایک مجموعہ شائع کرنا۔ بے حد ضروری ہے۔ تاکہ نئے ذاکر ان انداز اور فکر کو اپنانے کی کوشش کریں۔

امید ہے کہ ترجمہ ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔ اور عوام و ذاکر اور اہلِ علم بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور اس کے دوسرے ایڈیشن کا جلد موقع آئے گا۔

جس کی کتابت طباعت و کاغذ وغیرہ میں اور حسن پیدا کیا جائیگا اور ترجمے میں نظرِ ثانی سے اور خوبیاں پیدا ہو جائیں گی۔

خادمِ دین و ملت:- مجتبیٰ حسن کامونپوری:- ۲۰ نذیر احمد روڈ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مترجم

بحول اللہ وقوتہ تعالےٰ

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اشرف الاولین والآخرین ۔ سید الانبیاء والمرسلین وآلہ الطیبین الطاہرین وسیما وصیہٖ ووزیرہ وخلیفتہٖ علی بن ابی طالب امیر المومنین واولادہ المعصومین ۔

امابعد! تقریباً سات سال سے میں مرکزی دینی درسگاہ دار العلوم المحمدیہ سرگودھا میں امور تدریسیہ کی انجام دہی میں مشغول ہوں۔ مدت سے خیال تھا کہ کوئی ایسی کتاب لکھوں یا کسی ایسی کتاب کا ترجمہ کروں جو موجودہ دور کی مجلس خوانی کے لئے نہایت مصلح ثابت ہو مگر اپنی کم مائگی اور بے بضاعتی اور امور تدریسیہ میں انتہائی مصروفیت کی وجہ سے اس اہم کام کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا تھا لیکن ہفت روزہ جریدہ رضاکار میں مجاہد ملت عالی جناب خواجہ محمد لطیف صاحب انصاری زیدت مکارمہ کے مسلسل مضامین نے مجھے اس بات پر آمادہ کر دیا کہ میں ثقۃ الاسلام الحاج علامہ میرزا حسین النوری الطبرسی کی مؤلفہ کتاب مستطاب لؤلؤ و مرجان کا اردو میں ترجمہ کروں جو کہ مومنین، ذاکرین، واعظین کے لئے ایک بہترین نادر و نایاب تحفہ اور مصلح کتاب ہے۔

بہرکیف میں نے اس اہم امر کے لئے کمر ہمت باندھی اور اس کتاب کا ترجمہ "ادارہ المبلغ" نے اس مجلہ میں طبع کرانا شروع کیا۔ اس کام میں جو دشواریاں مجھے پیش آئی ہیں وہ یا میں جانتا ہوں یا منعم حقیقی اللہ عزوجل۔ اگر اس کام میں میرے محسن و مہربان نصیر الملۃ عالیجناب مولانا نصیر حسین صاحب قبلہ فاضلِ عراق مدظلہ العالی میری دستگیری نہ فرماتے تو اس عظیم تر کام کی انجام دہی مشکل تر ہو جاتی۔

مولانا نے امورِ تدریسیہ میں انتہائی مصروفیت کے باوجود میرے ساتھ بہت زیادہ تعاون فرمایا۔ میں تادمِ زیست ان کا ممنونِ احسان اور مرہونِ منت ہوں اور ان کا ہر وقت شکریہ ادا کرتا ہوں اور دربارِ ایزدی میں دست بدعا ہوں کہ خداوندِ عالم بطفیل محمد وآلِ محمد ان کو ہمیشہ صحت یاب اور تندرست رکھے اور انہیں ان کے جمیع مقاصد میں کامیاب فرمائے اور انہیں عمرِ نوح عطا فرمائے تاکہ قوم ان کے فیوضاتِ عالیہ سے ہمیشہ مستفید رہے۔

اس کے بعد میں برادرم مولانا غلام حیدر صاحب مولوی فاضل و مولانا غلام قنبر صاحب مدرس مدرسہ محمدیہ دیدوال و مولانا ذاکر حسین صاحب ثاقب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے میرے ساتھ کافی تعاون فرمایا۔

والسلام

نذر حسین ظفر مولوی فاضل

مدرس دار العلوم المحمدیہ سرگودھا و مدیر اعلیٰ مجلہ "المبلغ" سرگودھا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدّمہ

یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ جو مصائب جناب ابی عبداللہ الحسین علیہ السلام اور باقی اہل بیت علیہم السّلام پر وارد ہوئے ہیں۔ اُن پر مومنین کو رُلانا اور رُلانے کی کوشش کرنا۔ آہ و بکا کرنا۔ مرثیے پڑھنا۔ ندبہ کرنا۔ ان کے مصائب کی کیفیت بیان کرنا۔ اور ان کے علاوہ دیگر ایسے امور بجالانا جن کے متعلق شریعت مطہرہ میں نہی وارد نہ ہوئی ہو اور نہ ہی شرعاً کوئی رکاوٹ ہو یہ سب کچھ ممدوح و مستحسن عبادات سے ہیں۔ اور معصومین علیہم السّلام نے ان کے متعلق ثواب جزیل اور اجر جمیل بیان فرمایا ہے۔

جیسے کتاب کامل الزیارۃ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے عبداللہ بن حماد بصری سے فرمایا۔

بلغنی انّ قوماً یا تونہ یعنی الحسین علیہ السّلام من نواحی الکوفۃ وناسا من غیرھم ونساءً ینہ بنہٗ وذالک فی النصف من شعبان فمن قارئٍ یقرء وقاصٍ یقصّ ونادبٍ یندب وقائلٍ یقول المراثی فقلت لہ نعم جُعلت فداک قد شھدت بعض ما تصف فقال الحمد للّٰہ الّذی جعل فی النّاس من یفد الینا و یمد حنا ویرثی علینا وجعل عدوّنا من یطعن علیھم من قرابتنا او من غیرھم یھددونھم ویقبحون ما یصنعون۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ پندرہ شعبان کو اطراف کوفہ سے ایک گروہ اور ان کے علاوہ کچھ مرد اور عورتیں جناب امام حسین علیہ السّلام کی قبر مطہر پر آکر آہ و بکا کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو قرآن کریم پڑھتے ہیں اور بعض مصائب پڑھتے ہیں۔ بعض ندبہ کرتے ہیں۔ بعض نوحہ خوانی کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ میں آپ پر قربان! ہاں جو آپ فرماتے ہیں میں نے بھی کچھ دیکھا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا۔ حمد ہے اس خدا تعالیٰ کی جس نے لوگوں میں ایسے آدمی بھی بنائے ہیں جو ہمارے پاس آتے ہیں ہماری مدح کرتے ہیں۔ ہمارے مرثیے پڑھتے ہیں۔ اور ہمارے دشمنوں کے لئے ہمارے قریبیوں میں سے اور دوسرے لوگوں میں سے ایسے بنائے ہیں جو ان پر طعن کرتے ہیں اور انہیں تہدید کرتے ہیں۔ اور ان کے افعال کو بُرا سمجھتے ہیں۔

اور شیخ صدوق علیہ الرحمۃ کی کتاب عیون الاخبار میں مروی ہے۔ جناب امام رضا علیہ السّلام نے حسن بن علی بن فضال سے فرمایا۔

من ذکر مصابنا فبکیٰ وابکیٰ لم تبکِ عینہ

جس نے ہماری مصیبت یاد کی پس خود رویا اور کسی کو رُلایا

یوم تبکی العیون۔ تو اس کی آنکھ اُس دن (قیامت) نہ روئے گی جس دن کہ اور آنکھیں روئیں گی۔

کتاب کامل و ثواب الاعمال اور امالی میں جناب امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے کہ آپ نے ابی عمارہ شاعر سے فرمایا۔

من انشد فی الحسین بن علی صلوٰۃ اللہ علیہما فابکی خمسین فلہ الجنۃ ومن انشد فی الحسین شعراً فابکی ثلاثین فلہ الجنۃ ومن انشد فی الحسین علیہ السلام فابکی عشرین فلہ الجنۃ ومن انشد فی الحسین علیہ السلام فابکی عشرۃ فلہ الجنۃ ومن انشد فی الحسین علیہ السلام فابکی واحداً فلہ الجنۃ ومن انشد فی الحسین علیہ السلام فبکی فلہ الجنۃ ومن انشد فی الحسین علیہ السلام فتباکی فلہ الجنۃ

جس نے حسین بن علی صلوات اللہ علیہما کے مصائب میں شعر پڑھ کر پچاس آدمیوں کو رُلایا۔ پس اُس کیلئے جنت (واجب) ہے۔ اور جس نے تیس آدمیوں کو رلایا اس کیلئے جنت ہے اور جس نے بیس آدمیوں کو اور جس نے دس اشخاص کو رلایا اس کے لئے جنت ہے۔ اور جس نے ایک کو رلایا اور خود رویا اور جس نے مصائب حسین علیہ السلام میں شعر پڑھا اور محض رونے کی شکل بنائی۔ اُس کے لئے بھی جنت واجب ہے۔

اور کتاب کامل الزیارۃ میں جناب صادق آل محمد علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے ابی ہارون نابینا سے فرمایا۔

یا ابا ھارون من انشد فی الحسین علیہ السلام فابکی عشرۃ ثم جعل ینقص واحداً واحداً حتی بلغ الواحد فقال من انشد فی الحسین علیہ السلام فابکی واحداً فلہ الجنۃ

اے ابا ہارون جس نے مصائب حسین علیہ السلام میں شعر پڑھا اور دس آدمیوں کو رُلایا۔ پھر حضور علیہ السلام ایک ایک کم کرتے رہے یہاں تک کہ نوبت ایک تک پہنچی۔ پس فرمایا جس نے مصائب حسین علیہ السلام میں شعر پڑھا پس ایک آدمی کو رلایا اُس کیلئے جنت (واجب) ہے۔

اور نیز اسی کتاب اور کتاب ثواب الاعمال میں آپ سے مروی ہے کہ ابی ہارون سے فرمایا۔

من انشد فی الحسین علیہ السلام فبکی وابکی عشرۃ کتبت لھم الجنۃ ومن انشد فی الحسین علیہ السلام فبکی وابکی خمسۃ کتبت لھم الجنۃ ومن انشد فی الحسین علیہ السلام فبکی وابکی

جس نے مصائب حسین علیہ السلام میں شعر پڑھا پس خود رویا اور دس آدمیوں کو رلایا پس سب کے لئے جنت (واجب) ہے۔ اور جس نے حضور کی مصیبت میں شعر پڑھا پس خود رویا اور پانچ آدمیوں کو رلایا ان سب کے لئے

واحداً فلهما الجنة۔ جنت (واجب) ہے۔ اور جس نے شعر پڑھا پس خود رویا اور ایک آدمی کو رلایا۔ پس ان دونوں (باکی و مبکی) کے لئے جنت واجب ہے۔

اور نیز چند سند کے ساتھ اسی کتاب میں اور کتاب ثواب الاعمال لشیخ صدوق میں مروی ہے کہ صالح بن عقبہ کو حضرت نے فرمایا۔

من انشد فی الحسین علیه السلام بیتاً من شعر فبکی وابکی عشرة فله ولهم الجنة ومن انشد فی الحسین علیه السلام بیتاً من شعر فبکی وابکی تسعة فله ولهم الجنة فلم یزل حتیٰ قال ومن انشد فی الحسین علیه السلام بیتاً فبکی واظنه قال اوتباکی فله الجنة۔

جس شخص نے مصائب حسین علیہ السلام میں شعر سے ایک بیت پڑھا پس خود رویا اور دس کو رلایا پس اس کے لئے اور ان کے لئے جنت ہے۔ اور جس نے شعر میں سے ایک بیت پڑھا۔ پس خود رویا اور نو آدمیوں کو رلایا سب کے لئے جنت ہے۔ پس حضور برابر کم کرتے رہے یہاں تک فرمایا کہ جس شخص نے مصائب حسین علیہ السلام میں ایک بیت پڑھا پس وہ خود رویا (راوی کہتا ہے میرا گمان ہے کہ حضور نے فرمایا) یا اس نے رونے کی شکل بنائی پس اس کیلئے جنت ہے۔

اور سید جلیل علی بن طاؤس طاب ثراہ نے کتاب ملہوف میں فرمایا ہے۔

روی عن آل الرسول علیه السلام انهم قالوا من بکیٰ وابکیٰ فینا مائةً فله الجنة ومن بکیٰ وابکیٰ خمسین فله الجنة ومن بکیٰ وابکیٰ ثلثین فله الجنة ومن بکیٰ وابکیٰ عشرة فله الجنة ومن بکیٰ وابکیٰ واحداً فله الجنة۔

آل رسول علیہ السلام سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا جو ہمارے مصائب میں رویا اور سو آدمیوں کو رلایا۔ اس کے لئے جنت ہے۔ اور جو رویا اور پچاس ۵۰ کو رلایا اس کے لئے جنت ہے۔ جو خود رویا اور تیس ۳۰ کو رلایا۔ یا خود رویا اور دس کو رلایا یا خود رویا اور ایک آدمی کو رلایا۔ ان سب کے لئے جنت واجب ہے۔

اور کتاب رجال کشی میں مروی ہے کہ صادق آل محمد علیہ السلام نے جعفر بن عفان سے فرمایا جبکہ اس نے حضور کی خدمت عالیہ میں چند اشعار مصیبت پڑھے اور حضور کو رلایا۔

ولقد اوجب الله تعالیٰ لك یا جعفر فی الساعة الجنة باسرها وغفر الله لك فقال یا جعفر الا ازیدك قال نعم یا سیدی قال ما من احدٍ قال فی الحسین علیه السلام شعراً فبکیٰ وابکیٰ به الا

تحقیق اے جعفر اللہ تعالےٰ نے اسی وقت تیرے لئے جنت کو اس کی تمام نعمتوں سمیت واجب کر دیا ہے اور تیرے گناہوں کو بخش دیا ہے۔ فرمایا اے جعفر! تجھے اس سے زیادہ بتاؤں! عرض کی جی ہاں میرے مولا۔ حضور نے فرمایا جس کسی نے

اوجب اللہ لہ الجنۃ وغفر لہ۔ حسین علیہ السلام کی مصیبت میں ایک شعر کہا۔ پس خود رویا اور اس کے ساتھ کسی کو رُلایا۔ تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کیلئے جنت واجب کرے گا۔ اور اس کے گناہوں کو بخش دے گا۔

دعویٰ مذکور کی صداقت کیلئے اس قدر احادیث کافی ہیں۔ اور ان تمام احادیث سے مستفاد ہوتا ہے۔ کہ مصائب اہلبیت علیہم السلام میں اشعار وغیرہ پڑھ کے کسی کو رلانا تقرب خداوندی، مغفرت الٰہی، قیامت میں سلامتی، جنت الفردوس میں عیش جاودانی کے اسباب میں سے ہے۔ اور یہ چیز ائمہ معصومین علیہم السلام کے زمانے سے عبادات قدیمہ میں سے شمار ہوتی چلی آرہی ہے۔ اور مصائب اہلبیت علیہم السلام کتب احادیث ومقاتل میں موجود ہیں۔ اور مومنین میں سے جو لوگ ان مصائب کو بیان کرنے والے تھے۔ ان کا کوئی مخصوص نام نہ تھا۔ یہ تو جب ملا حسین کاشفی نے نوسو ہجری میں کتاب رَوضۃ الشہدا لکھی، لوگوں نے اس میں رغبت کی۔ اس کتاب کو مجالس مصیبت میں پڑھتے تھے۔ لیکن چونکہ وہ کتاب پیچیدہ اور مغلق تھی ہر شخص اس کے پڑھنے پر قادر نہ تھا۔ کچھ مخصوص لوگ اس کتاب کو مجالس عزا میں پڑھتے تھے۔ اس وجہ سے ان لوگوں کا نام روضہ خواں مشہور ہوگیا۔ یعنی کتاب روضۃ الشہداء کے پڑھنے والے۔

پھر اس سے کچھ تھوڑے تھوڑے مضامین دوسری کتابوں میں منتقل کرتے رہے اور یاد کر کے پڑھتے رہے۔ لیکن وہ پہلا نام (روضہ خواں) بدستور رہا۔ اور ان لوگوں کا یہ کام دن بدن ترقی پر رہا۔ اور اصل مقصد رلانے کے لئے کئی مقدمات، قصص وحکایات واشعار وفضائل وزواجر اور مسائل فرعیہ وغیرہ میں سے بنائے گئے۔ اور یہ ایک مخصوص اور ممتاز فن بن گیا۔ اور یہ کام اس قدر منازل ترقی پر پہنچا کہ علمائے اعلام میں سے ایک صاحب نے مزاحاً فرمایا کہ آجکل روضہ خوانی علوم میں داخل ہوگئی ہے۔ اور ایک مستقل علم بن گیا ہے۔ جس کی تعریف میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ علم یبحث فیہ عن عوارض اجساد الشھداء وما یتعلق بھا۔ یہ ایک علم ہے کہ جس میں شہداء کے اجسام کے عوارض اور ان کے متعلقات سے بحث کی جاتی ہے۔ اور اس فن میں علمائے اعلام کے علاوہ علم سے ناواقف لوگوں نے عربی، فارسی، ترکی اور ہندی زبان میں نظماً، نثراً بہت سے رسائل اور کتب لکھی ہیں۔

اور اکثر شیعہ حضرات مجالس مصیبت برپا کرنے، جناب امام حسین علیہ السّلام کے ماتم کدہ کو ترتیب دینے، اپنے اموال کو خرچ کرنے اور ابدان وجاہ سے خدمت کرنے میں بے اختیار ہیں۔ جس کا مقصود اصلی صاحب شان روضہ خوان پر منحصر ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے ثواب آخرت کے علاوہ اس دنیا میں اپنی اولاد اور جان ومال میں بہت سی برکات اور خیرات دیکھی ہیں۔ اسی واسطے اکثر لوگ صدقات اور انفاق کے باقی مقامات سے گریز کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ واجبات کے ادا کرنے میں اموال دینے سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ اگر دیتے بھی ہیں تو شوق ورغبت سے نہیں۔ مگر یہی لوگ اس مقام میں نہایت رغبت ومحبت اور میلان وشوق کے ساتھ مال وجان سے خدمت کرتے ہیں۔

لیکن جو لوگ ان مجالس مصیبت کو نہایت اہتمام سے برپا کرتے ہیں ان تمام کی خدمات سے روضہ خوان وذاکر کی خدمت

جو ان مجالس کا رکنِ اعظم ہے کہیں اعلےٰ و اشرف ہے۔ کیونکہ روضہ خوان ان لوگوں کے زمرہ سے بھی ہے جن سے ائمہ معصومین علیہم السلام نے گزشتہ احادیث و اقوال میں مغفرت و جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور ان لوگوں سے بھی ہے جو نیکی و پرہیزگاری اور اعمالِ خیر کرنے پر مؤمنین کی اعانت کرتے ہیں جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ان الفاظ کے ساتھ فرمایا ہے۔ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی اعانت کرو۔ نیز سابقہ اقوال ائمہ کے مطابق روضہ خوان اور ذاکرِ مصائبِ سید الشہداء سننے والوں۔ گریہ کرنے والوں اور مجالس کے انعقاد میں خدمت کرنے والوں کے ساتھ ثواب میں بھی برابر کا شریک اور حصہ دار ہوتا ہے۔ بلکہ اس کا شمار حضور کے مخصوص خادموں اور سرفراز غلاموں میں سے ہوگا۔

پس اس منصبِ عظیم پر فائز ہونے اور اس مقامِ جلیل کے ساتھ معزز و مکرم ہونے کی وجہ سے اس کیلئے تمام شیعوں پر فخر کرنا بجا ہے۔ لیکن اس رتبۂ جلیلہ تک پہنچنا اور حضور کے خادمانِ خاص کی لڑی میں منسلک ہونا چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ جن میں سے دو شرطیں نہایت اہم اور ضروری ہیں۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں ہی نہ پائی گئیں تو اس کی تمام تکلیفیں اور محنتیں بے فائدہ اور بے ثمر ہو کے رہ جائیں گی۔ اور اس کا نام اس مخصوص گروہ کے دفتر سے ہٹ جائے گا۔ یا بالکل لکھا ہی نہ جائے گا۔ اور ان دو شرطوں کے مفقود ہونے سے اس کا نام تاجروں۔ پیشہ وروں۔ جھوٹوں۔ دھوکا بازوں۔ خسارہ والوں اور مشرکوں کے دفتر میں لکھا جائے گا۔ اور اس بہترین عبادت کے ادا کرنے کے باوجود اُس کو عبادتِ خدا و خدمتگاریٔ رسولِ خدا و ائمۂ ہدیٰ سے کوئی حصہ نہ ملے گا۔ پس جو روضہ خوان اُن مخصوص خادموں کی صنف میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ اور مقاماتِ عالیہ و درجاتِ سامیہ تک پہنچنا چاہتا ہے۔ بے انتہا ثواب و اکرام حاصل کرنے کا خواہشمند ہے۔ جن کا ائمہ معصومین نے وعدہ فرمایا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس فن کو شروع کرنے سے پہلے اپنے آپ کو ان دو صفات سے متصف کرے۔ اور جو میزانِ عدل علماء راسخین اور اُمناءِ شرعِ مبین کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کے ساتھ اپنا پورا اندازہ کرے کہ آیا اس میں یہ شرطیں موجود ہیں یا نہیں۔ یعنی اپنے آپ کو دیکھ لے کہ کیا مجھ میں علماءِ راسخین جیسا صدق اور خلوص ہے یا نہیں۔ تاکہ شیطان کے مکر اور نفس کے فریب سے جس کی وجہ سے باطل حق نظر آتا ہے۔ اور خطاء صواب معلوم ہوتی ہے۔ محفوظ و مامون رہے۔ اور اپنے آپ کو مہالکِ عظیمہ میں نہ ڈالے۔ اور وہ دو شرطیں یہ ہیں۔ (۱) صدق (۲) اخلاص۔ یہ دونوں شرطیں منبر کے دو پایوں کے قائم مقام ہیں۔ جن پر روضہ خوان بلند ہوتا ہے۔ اگر ان میں سے دونوں یا ایک بے عیب اور صحیح نہ ہوئی تو وہ منہ کے بل گر جائے گا۔ اور منبر کے بلند فیوضات سے بالکل محروم ہو جائے گا۔ اِن دونوں شرطوں کی شرح انشاء اللہ دو فصلوں کے ضمن میں ہوگی۔

فصل اوّل۔ اخلاص

یہ بات مخفی نہیں کہ پیغمبروں کے بھیجنے اور آسمانی صحیفوں کے نازل کرنے کا اصلی مقصد مخلوقاتِ خداوندی کو خداوندِ عالم کی معرفت کرانا ہے۔ اور لوگوں کو پیغمبروں کے ذریعہ آیاتِ باہرہ اور معجزاتِ قاہرہ کے ساتھ بتانا کہ پروردگارِ عالم احد۔ حکیمِ مطلق۔ قادر۔ بے نیاز۔ خالق۔ رازق۔

حفیظ۔ ہر ایک کا مارنے والا اور زندہ کرنے والا ہے۔ ان تمام صفات میں اس کی ذات مقدس کا کوئی شریک نہیں۔ چنانچہ انبیائے عظام اور اوصیائے کرام صلوات اللہ علیہم اپنے براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ کے ساتھ خداوند عالم کی ان صفات اور مراتب کو ظاہر اور واضح کرتے رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انبیاء و اوصیاء نے لوگوں کو اپنا مطیع کرنا تھا۔ انہیں اپنی باتوں پر یقین دلانا تھا۔ ان سے اپنی تصدیق کرانی تھی۔ اپنے احکام منوانے تھے۔ چنانچہ یہ سلسلہ جاری رکھا۔ اور جو احکام لوگوں سے منوانے تھے اُن پر خود بھی عامل رہے۔ تکلیفیں اُٹھائیں۔ منکر لوگوں سے اپنے بارے میں ناشائستہ الفاظ سُنے۔ مصیبتیں دیکھیں اور جان و مال کی قربانیاں صرف اس لئے دیں تاکہ لوگ اپنے پروردگار کی معرفت حاصل کریں۔ اور اپنے آپ کو عاجز۔ ذلیل اور محتاج بندہ سمجھیں۔ خداوند عالم کے سوا کسی کو خالق و رازق اور محافظ نہ جانیں۔ اپنی حاجت اس سے مانگیں۔ مصیبت کے ٹلنے کا سوال اسی سے کریں۔ اگر گناہ کریں تو معافی اور درگزر کے لئے اسی کے آگے زاری کریں۔

جن لوگوں نے انبیاء و اوصیاء کی باتوں پر یقین کیا ہے اور جن کی پیروی کرتے ہیں۔ ان معصومین نے پیروی کرنے والوں کے لئے کچھ اعمال اور آداب مقرر کئے ہیں۔ جن میں سے بعض اعمال دل سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض اعضاء و جوارح سے تعلق ہیں۔ تاکہ لوگ ان اعمال و آداب کے ساتھ خدا سے اپنی حاجتیں مانگیں۔ اظہار بندگی کریں۔ عجز و اضطرار اور اپنی احتیاج کا اعتراف کریں۔ اپنے پروردگار کا حق ربوبیت ادا کریں۔ اور اس عمل کو لسانِ شرع میں **عبادت** کہتے ہیں۔ اس کا حقیقی معنی ہے پرستش اور بندگی کرنا اور یہ عبادت اس وقت تک درست اور تمام نہیں ہوتی جب تک کہ عابد اپنے آپ کو بندہ نہ سمجھے اور اس عبادت میں اپنی عبودیت کو مدِّ نظر نہ رکھے۔ کیونکہ اکثر اوقات انسان عبادت کرتا ہے اور اللہ کے حکم پر راضی رہتا ہے۔ مگر معنی عبودیت اس کے دل میں جاگزیں نہیں ہوتا۔ اور صحیح طور پر اپنے آپ کو بندۂ خدا نہیں سمجھتا۔ اسی وجہ سے اکثر سرکشی کرتا ہے۔ اور گناہوں سے اجتناب نہیں کرتا۔ اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ سمجھتا ہے لیکن عبادت میں غفلت کرتا ہے۔ اور اس مفہوم کو ہم نے **عابد و عبد اور عبادت و عبودیت** کے فرق کے مقام پر بالتشریح لکھا ہے۔ پس عابد کیلئے ضروری ہے کہ ان دونوں چیزوں "عبادت و عبودیت" میں خداوند عالم کا کسی کو شریک نہ بنائے یعنی خدا کے سوا کسی کی پرستش نہ کرے۔ اور اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کا بندہ نہ بنائے۔ اس کے سوا کسی کو اپنا معبود نہ سمجھے اور نہ ہی اس کے سوا کسی کو مالک جانے۔ اور آیۂ مبارکہ ایاک نعبد کی تلاوت کے وقت ہر دو مقام (عبادت اور عبودیت) کی طرف ملتفت رہے۔ اور اس دعوے میں اپنے آپ کو کاذب نہ ٹھہرائے۔ جو اپنی زبان سے کہے وہی اس کے سویدائے قلب میں ثابت اور راسخ ہو۔ جو بات دل میں رکھتا ہے اور زبان سے کہتا ہے اس کا کردار اس بات کے مطابق ہو۔ پس اگر کوئی آدمی کسی مخلوق (آدمی) کی پرستش کرے بایں طور کہ اس پرستش کے کرنے میں اُس کا داعی اور محرک وہی مخلوق (آدمی) ہو یہاں تک کہ یہ چیز اس کے دل میں جگہ پکڑ جائے (یعنی اسے پوری طرح اس چیز کے قابل سمجھنے لگے) اور وہ مخلوق بھی اس آدمی سے خوش ہو جائے یا اس آدمی کو اس کے عمل کے بدلہ میں مال دیدے تو اس مخلوق نے اپنے آپ کو عبادتِ پروردگار میں شریک بنا دیا ہے۔ تو وہ

اس عمل کی وجہ سے مشرکین کی اقسام میں سے کسی ایک قسم میں داخل ہوجائے گا[لہ]۔ اور اس مفہوم کی کتاب وسنّت میں انتہائی وضاحت کے ساتھ ساتھ عقل سلیم بھی گواہی دیتی ہے۔ بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے عمل کو جائز سمجھنا کوئی معقول بات نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیز پیغمبروں کے بھیجنے، کتب مقدسہ کے نازل کرنے اور انبیاء علیہم السلام کے مقاصد کی اصلی غرض کے سراسر منافی ہے۔ اور دانا آدمی سے تو مطلقاً ایسا کام صادر ہو نہیں سکتا۔ اگر ایسے عمل کو جائز بھی سمجھا جائے تو اس عمل کے لئے کوئی ثواب نہیں۔ اور نہ ہی اس کے کرنے والا کسی اجر کا مستحق ہوسکتا ہے۔ بلکہ ایسا عمل بالکل ہی بیکار اور فضول محض ہے۔

پس اس مقدمہ کی تمہید کے بعد ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کسی دانا اور عقلمند آدمی پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ مصائب آل محمد علیہم السلام پر شیعوں کو رُلانا اور مومنین سے گریہ کرانا بھی خود رونے کی طرح عباداتِ مؤکدہ اور پسندیدہ مستحبات میں سے ہے۔ اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے اس کا حکم بھی فرمایا ہے۔ اور مومنین کے رلانے پر تحریص وترغیب دلائی ہے۔ اور اس عمل کے لئے بہترین اجر اور ثواب بیان فرمایا ہے۔ لہذا تمام مکلّفین اس حکم میں شامل ہیں۔ اور ہر ایک کے لئے اپنی استعداد اور قوّت کے مطابق اس پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ جس کے ماننے کے بعد ثواب کے مستحق ہونگے جیسا کہ ان مصائب پر رونا اعظم عبادات اور اجل مثوبات ہے اور تمام لوگ اس کے مکلّف ہیں۔ اسی طرح مومنین کو رلانا بھی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں (مصائب اہلبیت پر رونا اور رُلانا) عبادت کی ایک صنف میں سے ہیں۔ اور ایک منبع سے نکلتی ہیں۔ مگر محض رونا ہر ہر شخص کو میسّر ہوسکتا ہے۔ لیکن دوسروں کو رُلانا ہر ایک کیلئے میسّر نہیں۔ اور یہ عمل محنت ومشقت سے خالی نہیں۔ لہٰذا یہ مخصوص گروہ جو روضہ خواں کے نام سے موسوم ہے۔ یہ لوگ دامن ہمّت کمر پر باندھتے ہیں۔ اور اس بہترین سنّت کے علَم کو بلند کرتے ہیں۔ اور اس بہترین عبادت میں اپنے نفوس کو صرف کرتے ہیں اُنھیں ضرور جاننا چاہئے اور اس بات کا خیال کرنا چاہئے کہ یہ عبادت بھی دوسری عبادات کی طرح ہے۔ اور یہ عمل اس وقت عبادت ہوگا کہ اس کے بجالانے کے وقت رضائے خدا اور جناب رسالتمآب وائمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم کی خوشنودی کے سوا کوئی اپنی غرض اور مقصد نہ رکھتے ہوں۔ اگر کوئی شخص اس طرح اس عمل کو بجالائے گا تو اس کے سبب سے موعودہ ثواب پائے گا۔ بلکہ گناہوں سے پاک ہوجائے گا۔ کیونکہ ایسی صورت میں اس کے خلوص اور عمل میں کوئی منافات نہیں ہے۔ پورا عمل اطاعتِ باری تعالےٰ کے واسطے ہے۔ پس اس کے ذریعہ ثواب پائے گا۔ اور گناہوں کے شر سے محفوظ رہے گا۔ اور یہی اعتقاد اور نظریہ منبر کے زینۂ اول کی طرح ہے جب منبر پر کھڑا ہو تو اس کو چاہئے کہ ذاتِ پروردگار اور انبیاء کرام وائمہ معصومین علیہم السلام کے ماسوا کو فراموش کرے۔ اس کا خیال ذاتِ پروردگار کی طرف ہو اور اسی کی جستجو کرے۔ کسی کے دل کو فریفتہ بنانے، کسی کا مال حاصل کرنے سے اپنے آپ کو بالاتر رکھے مصائب اہلبیت علیہم السلام بیان کرے اور ان کے ذریعہ مخلوقِ خدا کو رُلائے۔ پس نعوذ باللہ اگر شیطان نے اس کو اس زینہ سے گرادیا اور خواہش نفس نے اسے دنیا کے ملوّث دامن کی طرف کھینچ لیا۔ اور منبر پر اس لئے آیا کہ مال حاصل کرے۔ لوگوں کے دلوں کو فریفتہ بنائے۔ اطرف عالم

لہ کسی آدمی کے گھٹنوں پر ہاتھ لگانا اور پاؤں پر جھکنا بھی شاید اسی قبیل سے ہو۔ ظفر

میں اس کے فضل وکمال کی شہرت ہو جائے۔ لوگوں کے سامنے اس کی گفتار و کلام کی خوبیاں ظاہر ہوں۔ روضہ خوان و ذاکر کہلائے اگر ان مقاصد کو لیکر اُٹھے گا۔ تو اپنے آپ کو ایسے مہالک عظیمہ میں ڈالیگا جن سے کبھی نجات کی امید نہیں ہو سکتی۔

اوّل یہ کہ اس غرض فاسد کی وجہ سے اس نے اپنے آپ کو ان فیوضات اور ثواب سے محروم کر دیا جو ائمہ معصومین علیہم السلام نے اس گروہ (واعظین وذاکرین) کے لئے بیان فرمائے ہیں۔ اور اس نے دنیا کے گندیدہ جیفہ کی تحصیل اور سُمعہ وریا جیسی غرض فاسد کی وجہ سے آخرت کی ہمیشہ رہنے والی بے نقص و بے عیب نعمتوں سے اپنے ہاتھ کو کھینچ لیا۔ کیونکہ یہ بات واضحات دین مبین سے ہے اور اجمالاً بھی گزر چکا کہ ثواب اور آخرت کی نعمتیں خداوند عالم کی عبادت اور بندگی کے بدلہ میں ہیں اور عبادت بغیر خلوص عبادت ہی نہیں۔ بلکہ ایسی عبادت شرک خفی سے شمار ہوتی ہے۔

ثقۃ الاسلام کلینی قدس روحہٗ نے جامع کافی کے باب المستاکل بعلمہ والمباھی بہٖ میں لکھا ہے کہ امام ابو عبداللہ جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

من اراد الحدیث لمنفعۃ الدنیا لم یکن لہ فی الاٰخرۃ نصیبٌ ومن اراد بہ الاٰخرۃ اعطاہ اللہ خیر الدنیا والاٰخرۃ۔

جو شخص منفعت دنیا کیلئے حدیث کو یاد کرے اور دوسروں کو سنائے کہ اس کے ذریعہ اس کے ہاتھوں میں مال آئے گا تو اس کیلئے کوئی حصہ (نعماتِ پروردگار سے) نہ ہو گا۔ اور جس نے حدیث کی تعلیم وتعلم سے خیر آخرت کا قصد کیا تو خداوند عالم اسے خیر دنیا و آخرت عطا فرمائے گا۔

اور جناب (ثقۃ الاسلام) نے اسی جگہ پر بسندِ دیگر بھی اس حدیث کے پہلے فقرہ کو روایت کیا ہے۔

اور شیخ فقیہ محمد بن ادریس حلّیؒ نے کتاب السرائر میں ابی القاسم جعفر بن محمد بن قولویہ کی کتاب سے نقل کیا ہے۔ اور انہوں نے جناب ابی ذر رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

من تعلّم علماً من علم الاٰخرۃ یرید بہٖ عرضاً من عرض الدنیا لم یجد ریح الجنۃ۔

جو شخص علومِ آخرت میں سے کسی علم کو اس لئے حاصل کرے کہ اس کے ذریعہ متاعِ دنیا حاصل کرے گا۔ تو وہ جنت کی بُو بھی نہ پائے گا۔

اور شیخ ابن جمہور احسائی نے کتاب غوالی اللئالی میں جناب امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا۔

من اخذ العلم من اھلہ وعمل بہٖ نجیٰ ومن اراد بہ الدنیا فھو حظّہٗ۔

جس شخص نے اہل علم سے علم حاصل کیا اور اس علم کے مطابق عمل کیا۔ اُس نے نجات پائی۔ اور جس نے تحصیل دنیا کا قصد کیا تو اس علم سے اس کا وہی حصّہ ہوگا جس کا اُس نے قصد کیا اور جسے حاصل کر لیا۔ یعنی آخرت سے اُس کا کوئی حصّہ اور نصیب نہ ہوگا۔

اور سلیم بن قیس ہلالی نے جو کہ اصحاب امیر المومنین علیہ السلام میں سے ہیں۔ اس مضمون کو اپنی کتاب میں اس زیادتی کے ساتھ جناب امیر المومنین علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔ ومن اراد به الدنیا هلك وهو حظّهٗ۔ اس زیادتی کا ماحصل یہ ہے کہ آخرت میں کوئی حصہ نہ پانے کے علاوہ اس معاملہ کی وجہ سے ہلاک بھی ہوگا۔ کیونکہ اس نے علمِ دین دیا اور اس کے بدلہ میں مالِ دنیا لیا۔ چنانچہ اس کی شرح آگے آئے گی اور اس مضمون پر بہت سی اخبار و احادیث وارد ہیں۔

دوم وہ اُس جماعت میں داخل ہو جائے گا جنہوں نے آلِ محمد علیہم السلام کو اپنی تجارت کا سرمایہ بنایا ہوا ہے۔ اور ان کے ذریعہ (مالِ دنیا) کماتے ہیں اور اپنی معاش بسر کرتے ہیں۔

شیخ معظم کلینیؒ نے کافی میں حضرت امام محمدؑ باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے جو وصیتیں ابی النعمان کی ہیں۔ ان کے ضمن میں اُسے فرمایا ولا تستاکل الناس بنا فتفتقر یعنی ہمارے ذریعہ لوگوں کے مال نہ کھا۔ پس تو محتاج ہو جائے گا۔ ظاہراً اس سے مراد دنیا و آخرت دونوں مقاموں میں محتاجی ہے۔ چنانچہ مفضل کی روایت سے آگے معلوم ہو جائے گا۔ اور شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے کتاب امالی میں اسی حدیث کو اس عبارت میں روایت کیا ہے یا ابا النعمان لا تستاکل بنا الناس فلا یزیدك الله بذالك الّا فقراً۔ یعنی اے ابو نعمان تو ہمارے ذریعہ لوگوں کے مالوں کو نہ کھا۔ اگر ایسا کرے گا تو اللہ اس کسب کے ذریعہ تیرے فقر اور پریشانی کو زیادہ کر دے گا۔ اور شیخ کشی نے اپنے رجال میں قاسم بن عوف سے روایت کی ہے کہ اُسے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا وایاك ان تستاکل بنا فیزیدك الله فقراً۔ اس روایت کا مضمون بھی پہلی روایت کی طرح ہے۔ اور شیخ جلیل حسن بن علی بن شعبہ نے کتاب تحف العقول میں روایت کی ہے کہ مفضل بن عمر نے اپنے اصحاب سے وصیت کی اور کہا۔

لا تاکلوا الناس بآل محمدٍ علیهم السلام فانی سمعت ابا عبد الله علیه السلام یقول افترق الناس فینا علیٰ ثلٰث فرقٍ فرقة احبونا انتظار قائمنا لیصیبوا من دنیانا فقالوا وحفظوا کلامنا وقصروا عن فعلنا فسیحشرهم الله الی النّار وفرقة احبونا وسمعوا کلامنا ولم یقصروا عن فعلنا یستاکلوا الناس بنا فیملاء الله بطونهم نارًا یسلّط علیهم الجوع والعطش وفرقة احبونا وحفظوا قولنا واطاعوا امرنا ولم یخالفوا فعلنا فاولٰئك منّا ونحن منهم۔

لوگوں کے مال آلِ محمد علیہم السلام کے ذریعہ نہ کھاؤ کیونکہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سُنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ ہمارے بارے میں لوگ تین گروہوں میں متفرق ہوں گے۔ ایک فرقہ ہمیں ہمارے قائم (قائم آلِ محمدؑ) کی انتظار کی وجہ سے دوست رکھے گا تاکہ وہ ہماری دنیا کو پائیں یعنی ہماری محبت سے ان لوگوں کی غرض یہ ہے کہ وہ ہماری سلطنت کے زمانہ میں عیش پرستی اور خوشگوار زندگی بسر کریں گے۔ پس وہ اپنے آپ کو شیعہ کہلائیں گے اور ہم سے محبت رکھیں گے۔ ہمارے اقوال کو حفظ کریں گے۔ لیکن ہمارے افعال میں کوتاہی کریں گے۔ یعنی ہمارے کردار کی پیروی نہ کریں گے۔ پس جلدی

سے خدا ان کو دوزخ کی طرف محشور کرے گا۔ اور ایک فرقہ ہمیں دوست رکھے گا اور ہمارے اقوال کو سُنے گا اور ہمارے کردار سے اس لئے کوتاہی نہ کرے گا۔ کہ ہمارے ذریعہ لوگوں کے اموال کھائے۔ پس اللہ تعالےٰ ان کے شکموں کو نارِ جہنم سے پُر کرے گا۔ اور ان پر بھوک اور پیاس کو مسلط کرے گا۔ اور ایک فرقہ ہمیں دوست رکھے گا اور ہمارے اقوال کو یاد کرے گا۔ اور ہمارے حکم کو مانے گا۔ اور ہمارے افعال کی مخالفت نہ کرے گا۔ یعنی ان کی رفتار و گفتار ہمارے جیسی ہوگی۔ پس یہ لوگ ہم سے ہونگے اور ہم ان سے (یعنی یہ لوگ ہمارے حقیقی پیروکار اور محب ہوں گے۔ اور ہم ان کے پیشوا اور امام ہوں گے۔)

اور جو کلام شیخ کلینی نے باب المستاکل بعلمہ میں فرمایا ہے۔ اور جو ان لوگوں (آلِ محمدؐ کے ذریعہ مالِ دنیا حاصل کرنے والے) کی مذمت میں روایتیں نقل کی ہیں۔ اس کی شرح میں مرحوم اخوند مُلّا محمدؒ صالح مازندرانی وغیرہ نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کے اموال کو کھانے کے واسطے علم کو آلہ و ذریعہ اور دنیا کمانے۔ اپنی معاشں میں وسعت دینے کے لئے اس علم کو سرمایہ بناتا ہے۔ خصوصاً فرقہ دوم (جو مفضّل کی گزشتہ روایت میں جو یدان محبانِ اہلبیتؑ کے تین فرقے اور گروہ بنائے گئے ہیں) کی آتش کا شرارہ بہت سے اہلِ علم کے دامن کو لگا ہوا ہے۔ اور ایسے لوگ اہلِ علم میں سے واضح افراد اور معلوم مصداق ہیں۔

روضہ خوانوں کے جلیل گروہ میں سے ایک ایسی جماعت ہے جن کی اصلی غرض اس فن کو پڑھنے اور روضہ خوانی کے متعلق فضائل و مصائب اور خطب و مواعظ بلکہ بعض مسائل دینیہ کو جو ان کی اصطلاح میں نکات ہوتے ہیں بیان کرنے کا اصل مقصد محض کمانا اور بغیر کسی ستر اور تقیہ و توریہ کے مالِ دنیا حاصل کرنا ہے۔ بلکہ وہ لوگ باقی اہلِ کسب اور تاجروں کی طرح معاملہ کرتے ہیں۔ فیس کی زیادتی اور کمی میں جھگڑا کرتے ہیں۔ مجالس میں جاتے اور اپنے متاع (روضہ خوانی) کو مشتریوں (مؤمنین) پر پیش کرنے کیلئے لوگوں کو درمیان میں واسطہ بناتے ہیں۔ اور دستاویزیں لکھتے ہیں۔ اگر باجازت یا بے اجازت مقدار عوض (فیس) معین کئے بغیر مجلس پڑھتے ہیں اور جو انہوں نے اس پڑھنے کے بدلہ اور عوض کا قصد کیا ہوا ہے اگر اس میں کچھ کمی ہوجائے تو ناراض ہوتے ہیں۔ بدگوئی کرتے ہیں۔ اور صاحبِ مجلس کو رُسوا اور مفتضح کرتے ہیں بلکہ ان میں سے بعض پست فطرت بالائے منبر مطالبہ کر لیتے ہیں۔ اور جو کچھ پڑھتے ہیں اُس کا سودا کرتے ہیں۔ اور عجائب مضحکہ میں سے یہ بات ہے کہ اس کسب و تجارت اور آخرت کے بدلے دنیا حاصل کرنے کے پیشہ کے ذریعہ مجالس و محافل میں اور منبروں پر فخر کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو حضرت سیّد الشہداء علیہ السلام کے خادمانِ خاص سے شمار کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو تمام لوگوں پر حقوق عظیمہ کا حقدار سمجھتے ہیں۔ اور ہر لحاظ سے اپنے آپ کو توقیر و اکرام اور تعظیم و احترام کا مستحق جانتے ہیں۔ اسی وجہ سے کبھی منبر پر یہ کہتے ہیں ہمارے آقا امام حسین علیہ السلام نے اس طرح کیا۔ اس طرح فرمایا۔ اور تم سے یہ فرماتے ہیں۔ حالانکہ اس طرح کہنے والے بیچارے جاہل و غافل اور حضورِ سرکارِ شہادت کے درمیان کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ اس طرح کہنے والوں اور حضور سیّد الشہداء علیہ السلام کے درمیان زمین و آسمان کے فاصلہ

سے بھی زیادہ فاصلہ ہے۔ اس کی قدر و مرتبہ تو حمال اور سبزی فروش جیسے پست ترین کسبہ جن کا نام کاسبین کے دفتر میں ثبت ہے، سے بھی پست تر ہے۔ ایسے کاسبین (روضہ خوانوں) کو چاہیئے کہ ہر سال اپنی تجارت کے منافع کا حساب کریں اور شرع کے مقرر طریقہ پر خُمس نکالیں اور اس خمس کو اس کے محل تک پہنچائیں تو بھی ان روضہ خوانوں کا یہ کام دیگر تمام کاسبین (جیسے حمال و سبزی فروش) کے کام اور کسب سے خراب تر ہے۔ کیونکہ ایسے کاسبین (حمال و سبزی فروش وغیرہ) کا کسب حلال ہے۔ اور کسبِ حلال صنفِ عبادت میں سے نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کی صحت اخلاص اور قصد قربت کے ساتھ مشروط ہے۔ پس جس وقت ان کاسبین (حمال و سبزی فروش وغیرہ) کا سرمایہ تمام محرمات شرعیہ سے پاک ہوگا اور اس کسب میں کوئی شرعی ممانعت بھی نہ ہوئی تو ایسے کاسب کا یہ کسب مباح ہوگا اور نہ ہی اس پر کوئی گناہ ہوگا بلکہ اگر یہ قصد ہو کہ اس کسب کے ذریعہ مال حاصل کر کے بیت اللہ الحرام اور ائمہ انام کی زیارت کروں گا۔ سادات و علماء اور فقراء کی اعانت کروں گا۔ عیال پر وسعت دوں گا یا اس قسم کے دیگر مستحباتِ مالیہ اور اعمالِ خیریہ کا قصد رکھتا ہو تو ماجور ہوگا، ثواب پائے گا۔

مگر روضہ خوان کا شغل علوم دینیہ کے طالبین کی طرح عبادات سے شمار اور قرباتِ خداوندی میں مندرج ہے۔ اور یہ شغل دو چیزوں پر منحصر ہے۔ یا تو یہ کام خیرِ عظیم ہوگا۔ اگر اس میں قربت اور اخلاص پایا گیا۔ یا خسرانِ عظیم ہوگا اگر اس میں دنیاوی مال و جاہ حاصل کرنے کے علاوہ اور کوئی مقصد نہ ہؤا۔ کیونکہ اسے یہ گرانقدر سرمایہ علماء نے تجارتِ آخرت و رضائے خداوندی اور نعیم جنت پانے کیلئے مرحمت فرمایا ہے۔ نہ اس لئے کہ اس کے ذریعہ دنیا کا مال کمائے۔ اور کھوٹا دنیاوی سامان حاصل کرے۔ پس اس بیان سے یہ ظاہر ہؤا کہ حضرت سیدالشہداء علیہ السلام کے محض فضائل و مناقب اور حالات و مصائب ذکر کرنے سے کوئی شخص حضور کی نوکری کا منصب اور خادمِ خاص ہونے کا رتبہ حاصل نہیں کر سکتا۔ ورنہ ہر وہ شخص جو تجارت کیلئے کتب فضائل و مقاتل طبع اور شائع کرتا ہے۔ بلکہ کرایہ لینے والے جو کرایہ حاصل کرنے کیلئے ان کتب کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرتے ہیں اور وہ قلی جو روپیہ لینے کیلئے کتابوں کو دکان سے مکان تک اُٹھائے جاتے ہیں۔ یہ سب کے سب حضور سیدالشہداء کے خاص خادموں اور ان کے خدمت گزاروں سے ہو جائیں گے۔ لیکن وہ روضہ خوان جو حضور سیدالشہداء کے خادمانِ خاص کی قطار میں داخل ہوتا ہے۔ اسے چاہیئے کہ اس کا بیان قربتِ خداوندی حاصل کرنے کیلئے اور اللہ تعالےٰ کے اولیاء (انبیاء و ائمہ معصومین علیہم السلام) کے حقِ تبلیغ کو ادا کرنے کے واسطے ہو۔ ورنہ وہ ایسا کاسب ہو جائے گا جو فضائل و مصائب کو سرمایہ بنا کے مشغولِ تجارت ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں خدا و رسولؐ اور ائمہ معصومین علیہم السلام پر اس کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اور نہ اس کی یہ خدمت ان ذوات مقدسہ میں سے کسی کے لئے ہوگی اور نہ اس کا یہ عمل ان بزرگوں کی تابعداری میں ہوگا۔ پس اس لحاظ سے اس کو خادمِ خاص ہونے کا رتبہ کیسے مل سکتا ہے! اور یہ افتخار کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے! بلکہ جس روضہ خوان میں تقویٰ و دیانت ہے۔ اسے

چاہیے کہ اس قسم کی تجارت کے جواز اور اپنے پڑھنے کے بدلے مشقت سے عوض (فیس) حاصل کرنے کی حلیّت کے متعلق اپنے ان مجتہدین سے دریافت کرے جن کی تقلید کا ربقہ اُس نے اپنی گردن پر رکھا ہُوا ہے۔ تاکہ اُسے مندرجہ صورتوں میں سے جن کو اس زمانہ میں اس کے امثال دیگر روضہ خوان جائز اور مستحبات سے گردانتے ہیں۔ کوئی جائز صورت مل جائے کہ آیا اس عمل میں یہ معاملہ بھی ان امور کی طرح ہے جن میں "موجر" (اُجرت دے کر نائب سے عبادت کرانے والا) کی نیابت کے بدلے اُجرت ہوتی ہے۔ جیسے کہ دوسرے آدمی کی طرف سے زیارت یا حج اجارہ پر کی جاتی ہیں۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ زیارت یا حج میں اجرت نیابت کے بدلہ میں ہوتی ہے۔ یا نفس عمل زیارت یا حج کے بدلے پہلی صورت میں اجیر کو چاہیے کہ ابتداء عمل میں ہی یہ قصد کرلے کہ میں اپنے موجر کا نائب ہوں جس نے اس لئے اجرت دی ہے کہ میں اس کی طرف سے بقصد نیابت زیارت یا حج کروں یا مجلس پڑھوں۔ پس اس لحاظ سے حقیقت میں جو کچھ لے رہا ہے یہ اسی نیابت در عمل کے بدلہ میں ہے۔ جس کی ادائیگی کے لئے اپنے آپ کو دوسرے آدمی کا نائب بنا رہا ہے۔ تو قصد نیابت سے اس طرح ہو جائے گا کہ گویا اُجرت دینے والا اپنے نائب کے توسط سے خود زیارت و حج بجا لا رہا ہے۔ یا مجلس پڑھ رہا ہے۔ بنا بریں عمل زیارت و حج یا ابکاء مومنین (مومنین کا رُلانا) جو کہ روضہ خوان کا عمل ہے۔ میں اجیر اور نائب کی طرف سے قصد قربت ثابت ہو سکتا ہے۔ تاکہ وہ عمل جسے غیر کی طرف سے کر رہا ہے۔ اس سے بطور عبادت واقع ہو اور اُجرت کا بھی مستحق ہو سکے۔ کیونکہ جب وہ عمل اجیر سے بطور عبادت اور بقصد قربت واقع نہ ہوگا تو وہ کسی وجہ سے اُجرت کا مستحق نہ ہو سکے گا۔

دُوسری صورت میں روضہ خوان کی اُجرت اس نفس عمل کے مقابلہ میں ہوگی جس میں شارع مقدس کے حکم ابکاء کو بجا لا رہا ہے۔ چاہے اس میں کسی موجر کی طرف سے قصد نیابت ہو یا نہ۔ یا اس عمل پر اُجرت کا لینا مطلقاً اور پہلی صورتوں سے عام ہو بایں طور کہ قصد قربت کے بغیر پڑھے اور اس میں شارع علیہ السلام کے حکم ابکاء کی تابعداری مقصود نہ ہو۔ پس یہی چند فقرات مخصوصہ کا پڑھنا اس کی اجرت کے لیے کافی ہے۔ اور یہ اجرت اس کے نفس عمل کے مقابلہ میں نہیں ہے۔ جیسے کہ کبھی پڑھے اور اس کا پڑھنا گریۂ غیر کا سبب بن جائے۔ حالانکہ اس کا یہ قصد ہی نہ ہو کہ یہ میرا پڑھنا عبادت سے شمار ہو۔ خلاصہ یہ کہ ان تمام صورتوں میں بہت اختلاف اور طویل بحث ہے۔ اور اس قسم کی چیزیں فقہائے اعلام کی گفتگو کا مقام ہیں[1]

چنانچہ آذان کہنے پر اُجرت لینے کے مسئلہ میں جو قرائین معصومین ہیں لکھے جاتے ہیں۔ کیونکہ تمام مستحبات میں سے آذان ہی روضہ خوانی کی مثیل و نظیر ہے۔ اور علماء نے بھی آذان کے متعلق مشروحاً ذکر فرمایا ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے بعض صورتوں میں آذان پر اُجرت لینے کے جواز کی تصریح بھی فرمائی ہے۔ لیکن علمائے اعلام کے درمیان مشہور قول یہ ہے کہ آذان پر اُجرت لینا حرام ہے۔ اور اس بارے میں بہت سی اخبار و احادیث بھی وارد ہیں۔ ثقۃ الاسلام کلینی علیہ الرحمہ نے کافی میں اور شیخ طوسی طاب ثراہ نے تہذیب میں بہت سی معتبر اسناد کے ساتھ حضرت ابو جعفر یعنی امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آذان کہنے پر اجرت لینے والے اور مزدوری پر نماز پڑھنے والے کی اقتدا

[1] خوشیکہ اپنے مجتہد مقلد کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ ظفر

میں نماز نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی اس قسم کی اُجرت لینے والوں کی شہادت مقبول ہے۔ اور شیخ صدوق نور اللہ مرقدہٗ نے اسی روایت کو بسند صحیح کتاب فقیہہ میں نقل کیا ہے۔ لیکن اس جگہ مذکور ہے کہ "ایسوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے مراد ان لوگوں کا پیش نمازی کرانا ہے"۔ اور نیز شیخ صدوق قدس اللہ سرہٗ نے کتاب فقیہہ میں جناب امیرالمؤمنین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ اے امیرالمؤمنین خدا کی قسم میں آپ کو خداوند عالم کی خوشنودی کے لئے دوست رکھتا ہوں۔ پس حضرت نے اس سے فرمایا میں تجھے خدا کی خوشنودی کیلئے دشمن رکھتا ہوں۔ عرض کی کیوں؟ فرمایا کہ تو آذان میں اپنے لئے کسب طلب کرتا ہے۔ یعنی تو طلب مال کیلئے آذان کہتا ہے۔ اور شیخ طوسی عطر اللہ مرقدہٗ نے اسی روایت کو کتاب تہذیب میں اس زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے۔ کہ فرمایا کہ تو تعلیم قرآن پر اُجرت لیتا ہے۔ اور میں نے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ سے فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے تعلیم قرآن پر اُجرت لی تو قیامت میں اس کا وہی حصہ ہو گا جو لے چکا ہے۔ اور نیز شیخ علیہ الرحمہ نے اسی کتاب میں جناب امیر المؤمنین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ آخری چیز جس پر میں نے اپنے دل کے حبیب یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ سے مفارقت کی یہ تھی کہ فرمایا کہ اے علیؑ جب تو نماز پڑھائے تو اپنے پیچھے کھڑا ہونے والے یعنی ماموموں میں سے کمزور ترین شخص کی طرح نماز پڑھ۔ اور اُس آدمی کو مؤذن نہ بنا جو اذان کہنے پر اُجرت لیتا ہو۔ اور کتاب جعفریات میں شیخ علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ علماء نے مؤذن کی اُجرت کو اقسام باطل میں سے شمار کیا ہے۔ جیسے میتہ وغیرہ کی قیمت۔ اور ان کے علاوہ بہت سی اخبار و احادیث اپنے مقام پر لکھی ہوئی ہیں۔ روضہ خوان کی مؤذن کے ساتھ مشابہت بہت واضح ہے۔ کیونکہ مؤذن مومنین کو اس وقت کے حاضر ہونے کی خبر دیتا ہے۔ کہ جس میں مومنین کیلئے چاہیئے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں۔ اور مؤذن ہی اس بہترین اعمال یعنی نماز کے وقت کے پہنچنے کی اطلاع دیتا ہے جو رستگاری اور اُس آتش جہنم کے خاموش کرنے کا سبب ہے جو لوگوں نے اپنے گناہوں کے ذریعہ روشن کی ہے۔ اور اس کے علاوہ نماز کے اور بھی دینی اور اُخروی فضائل و مناقب اور خواص ہیں یہاں تک کہ نماز مومن کی معراج ہے۔ اور اسی طرح روضہ خوان مومنین کو ائمہ معصومینؑ کے فضائل و مناقب اور مصائب کی خبر دیتا ہے اور اس وقت (محرم الحرام و اربعین وغیرہ) کے آنے کی اطلاع دیتا ہے جس میں عمل کرنا خداوند عالم کے تقرب اور رسولِ خدا و ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی خوشنودی۔ دنیا و آخرت کے شدائد سے نجات اور آتش جہنم کے دریاؤں کے خاموش ہونے کا ذریعہ اور سبب ہے یعنی آلِ محمد علیہم السلام کے مصائب پر رونا چنانچہ آذان تمام لوگوں پر مستحب ہے۔ لیکن اکثر آدمیوں پر شاق ہے۔ چنانچہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہٖ نے اس کی خبر دی ہے کہ اما انہ لن یعدو ضعفاء کم بیچارا کہ ذاتم میں سے کمزور لوگوں (غرباء) سے تجاوز نہ کرے گی۔ پس اس مستحب کو ادا کرنے کے لئے مومنین میں سے ایک جماعت آمادہ ہو گئی ہے۔ جنہوں نے اس سے دوسروں کو راحت پہنچا دی۔ اور اسی طرح مومنین کو رُلانا بھی ہے جیسا کہ ہم نے اس کی پہلے بھی توضیح کی ہے۔ بہر حال متدین کا سب روضہ خوان کی تکلیف یہ ہے کہ اپنے اس عمل پر اُجرت لینے کے بارے میں اس عالم اور مجتہد کی طرف رجوع کرے کہ جس کی تقلید پر اُس نے اپنے عمل کی بنا رکھی ہوئی ہے۔ اور اس قسم کے کسب کی قسم حلال کو اپنے مجتہد

سے حاصل کرے۔ اور جس قسم کے متعلق وہ فرمائیں۔ اُس پر عمل کرے۔ تاکہ کسب حرام اور مالِ حرام کے انجام سے محفوظ رہے۔ اور اپنے آپ کو اس کسب کے ذریعہ بہت سی فیوضات اُخرویہ سے محروم کر کے عذاب آخرت میں مبتلا نہ کرے۔

ان مہالک میں سے سوم یہ ہے کہ ایسے روضہ خوان اس جماعت میں داخل ہو جائیں گے۔ جنہوں نے اپنی آخرت کو دنیا کے بدلے فروخت کر دیا ہے۔

شیخ جلیل جعفر بن احمد قُمی علیہ الرحمہ نے کتاب غایات میں روایت کی ہے کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

شر الناس من باع آخرته بدنیاه وشر من ذالک من باع آخرته بدنیا غیرہٖ۔

لوگوں میں سے بدترین وہ شخص ہے جس نے اپنی دنیا کے بدلے اپنی آخرت کو فروخت کر دیا۔ اور اس سے بھی بدترین وہ شخص ہے کہ جس نے دوسرے آدمی کی دنیا کے بدلے اپنی آخرت کو فروخت کر دیا۔

کیونکہ اس سے اپنا دین گیا اور دنیا دوسرے کے ہاتھ میں آئی۔ اور یہی مضمون متعدد اخبار و احادیث میں موجود ہے۔

اور اس سے قریب وہ روایت ہے جو شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ سے کتاب عقاب الاعمال میں لکھی ہے کہ آنحضورؐ نے اپنے آخری خطبہ میں فرمایا۔

ومن عرضت له دنیا واٰخرة فاختار الدنیا وترک الاٰخرة لقی الله ولیست له حسنة یتقی بها النار۔

اور ہر وہ شخص جس پر دنیا و آخرت پیش کی گئی۔ پس اس نے دنیا کو پسند کر لیا اور آخرت کو چھوڑ دیا۔ دربارِ خداوندی میں ایسی حالت میں پیش ہوگا کہ اس کیلئے کوئی ایسی نیکی نہ ہوگی جس کے ذریعہ آتشِ جہنم سے بچ سکے۔

اور نہج البلاغہ و ارشاد شیخ مفید اور امالی وغیرہ میں مروی ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اس حدیث شریف میں کہ جس میں طالبانِ علم کی اقسام ذکر فرمائیں تکمیل سے فرمایا۔

بلیٰ اصبت لقنا غیر مامون علیه مستعملاً اٰلة الدین للدنیا۔

ہاں ملا کوئی تو ایسا جو ذہین تو ہے مگر خائن ہے۔ جو آلۂ دین کو طلبِ دنیا کیلئے استعمال کرنے والا ہے۔

ان اخبار شریفہ اور ان جیسی دیگر روایات و احادیث کا مطلب ایک ہی ہے۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ کبھی تو آدمی مال حاصل کرنے کے لئے اپنی آخرت کو دنیا کے بدلے فروخت کر دیتا ہے۔ اور کبھی منصب حاصل کرنے کیلئے اپنی آخرت کو فروخت کر کے اپنے آئین اور اعتقاد سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ جیسے پست اور کمزور لوگ بڑے آدمیوں کا تقرب حاصل کرنے کیلئے یا ان سے مال لینے کے واسطے اپنے مذہب سے خارج ہو کر مذہب کفر اختیار کر لیتے ہیں۔ جس طرح اکثر لوگوں نے کسی دنیاوی منصب و ولایت کی طمع میں آ کر خاصانِ خدا کی اطاعت و نصرت سے اپنا ہاتھ اٹھا لیا اور خاصانِ خدا نے ان کو اس عمل کی وجہ سے مکرر توبیخ و سرزنش بھی فرمائی۔ تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بادشاہ نے

ایسے لوگوں کو مال و منصب کا لالچ دے کر ان کو اس مرض میں مبتلا کر رکھا تھا۔

شیخ ابو الفتوح رازی نے اپنی تفسیر میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کے زہد کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اُن (مولا) سے اس قسم کی باتوں کا صادر ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں (ایسی چیزیں تو ان کے غلاموں سے بھی صادر ہوتی رہی ہیں) حضرت کے غلاموں میں سے ایک غلام تھا۔ جسے ابوالاسود دئلی کہتے تھے۔ پس جبکہ جناب امیر المومنین علیہ السلام جوارِ رحمتِ ایزدی سے پیوست ہو گئے۔ تو معاویہ نے ابوالاسود کو حضرت علی علیہ السلام کی محبت سے منحرف کر کے اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ معاویہ ہر وقت اس کی طرف تحائف بھیجتا اور اُس کے ساتھ نیکی اور مہربانی کرتا تھا۔ ایک دفعہ اُس نے ایک ہدیہ بھیجا جس پر انواع و اقسام کے حلوے تھے۔ جب اُس کے ملازموں نے اس ہدیہ کو لیجا کر ابوالاسود کے گھر میں رکھا۔ اس ہدیہ میں شہد مخلوط بزعفران بھی تھا۔ ابوالاسود کی ایک چھوٹی سی بچی تھی جس کی عمر پانچ چھ سال ہو گی، دوڑی اور اس زعفرانی شہد سے ایک ٹکڑا اُٹھایا اور اپنے منہ میں رکھا۔ ابوالاسود نے کہا۔ اے بچی! اسے پھینک دے۔ یہ زہر ہے۔ وہ بولی کیوں؟ ابوالاسود نے کہا۔ تو نہیں جانتی کہ یہ پسر ہند نے ہماری طرف اس لئے بھیجا ہے تاکہ ہمیں اہلبیت کی محبت سے منحرف کر دے۔ بچی نے جو کچھ اس کے منہ میں تھا پھینک دیا۔ اور کہا اتخدعنا بالشھد المزعفر عن السید المطھر کیا تو زعفرانی شہد کے ساتھ ہمیں سید مطہر (حضرت علی علیہ السلام) سے دھوکا دیتا ہے۔ اور اس وقت یہ اشعار پڑھے۔

ابالشھد المزعفر یابن ھند	نبیع علیک (نبیع) اسلاماً ودینا

کیا اے ہند کے بیٹے تیرے زعفرانی شہد کی وجہ سے ہم اسلام اور دین بیچ دیں؟

معاذ اللہ لیس یکون ھذا	ومولانا امیر المومنینا

خدا کی پناہ یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ ہمارے مولا امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔

لیکن جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے دنیا کے بدلے اپنے دین کو فروخت کر دیا۔ اس عبارت میں کچھ مسامحہ ہے۔ کیونکہ اصل مطلب یہ ہے کہ ایسا معاملہ کرنے والے نے دین سے ہاتھ اُٹھا لیا اور دنیا حاصل کر لی۔ بہر حال اس نے دین تو کسی کو نہیں دیا (کیونکہ اس کے پاس دین تو تھا ہی نہیں) اور نہ اُس کی آخرت میں سے اس بادشاہ کو جس نے مال دیا تھا اس کے بدلہ میں کوئی چیز پہنچی۔ بلکہ بادشاہ کو جو کچھ ایسے آدمی سے ملا وہ سراسر بے دینی تھی۔ پس ایسے مقام میں بیع و شراء کا معاملہ اور باہمی معاوضہ ثابت نہیں ہوا۔

اور کبھی اپنے دین کو فروخت کر کے دنیا کا حاصل کرنا آخرت کی کوئی چیز دینے کے ساتھ ہوتا ہے یعنی کسی آدمی کا نجات آخرت اور حصول نعیم جنت کے اسباب و وسائل کو بیچ دینا اور ان کے بدلہ میں مال حاصل کر لینا۔ حالانکہ ایسے آدمی کیلئے ضروری تھا کہ ان وسائل اور اسباب کے ذریعہ خود اپنی آخرت حاصل کرتا۔ لیکن اس نے ایسا نہ کیا اور ان کے ذریعہ دنیا کو حاصل کر لیا۔ جیسے کہ ایک آدمی نے دوسرے شخص کو قرآن کی تعلیم دی یا مسائل دینیہ جو کہ عظیمہ اور مرغوبہ عبادات

میں سے ہیں کسی کو بتائے بایں طور - ان کے ذریعہ خود بے انتہا ثواب حاصل کر سکتا تھا - جس کے ذریعہ اس کی آخرت سنور سکتی تھی - لیکن اس نے تحصیل آخرت سے اعراض کر کے اس تعلیم کے بدلہ میں مال دنیا حاصل کر لیا - اب اس مقام پر بیع و شراء کا معاملہ اور معاوضہ ثابت ہے - اور ایسے آدمی کا گزشتہ اخبار و احادیث کے مصداق میں داخل ہونا واضح ہے -

تفسیر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام میں مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ نے قرآن مجید کے ایک آیت کے قاری اور ایک آیت کو توجہ سے سننے والے کیلئے بڑا ثواب ذکر فرمایا - امام حسن عسکری علیہ السلام یہ حدیث بیان فرما رہے تھے - تو حاضرین سے فرمایا - کیا تم جانتے ہو کہ یہ ثواب قاری اور مستمع کو کب ملے گا - پھر خود ہی فرمایا اذا لم یغل فی القرآن انہ کلام مجید ولم یستاکل بہ ولم یراء بہ - جبکہ وہ قرآن میں غلو نہ کرے بایں طور کہ کہتا ہو کہ قرآن مخلوق نہیں ہے (اس طرح نہ کہنا چاہئے) کیونکہ وہ رب مجید کا کلام ہے جس میں خیر و برکت اور نفع بہت ہے - اور وہ آدمی قرآن کے وسیلہ سے لوگوں کے اموال نہ کھائے - یعنی اس کے پڑھنے کو تجارت بنا کے مال دنیا حاصل نہ کرے - اور پڑھنے سننے میں ریا نہ کرے - خلاصہ یہ کہ قرآن کے پڑھنے سننے کو تجارت نہ بنائے - اور ہر دانا بے غرض آدمی پر پوشیدہ نہیں کہ یہ مطلب صرف قرآن مجید کے ساتھ ہی مختص نہیں - بلکہ ہر وہ چیز جو تحصیل آخرت کا وسیلہ اور آلۂ دین ہو اس حکم میں داخل اور اس معاملہ میں قرآن کی شریک ہے - اور ایسے عمل سے احتراز کرنا ضروری اور لازمی ہے - ائمہ معصومین علیہم السلام نے محض اس مصیبت سے بچنے کے لئے پورا پورا اہتمام کیا ہوا تھا - اتنے تک کہ جو لوگ ان کی امامت اور بزرگی کو جانتے ہوتے - ان سے بیع و شراء کا معاملہ صرف اس خوف کی وجہ سے نہ کرتے کہ کوئی بائع (بیچنے والا) ان کی بزرگی کو مدِ نظر رکھ کر کچھ قیمت کم نہ کر دے - پس گویا جس قیمت کے ذریعہ کچھ خریدتے ہیں وہ قیمت آخرت کے وسائل و اسباب سے ہوتی ہے (لہذا اگر قیمت میں کچھ کمی ہوئی تو اسباب آخرت میں کمی واقع ہوگی) یہاں تک کہ ائمہ معصومین علیہم السلام کے نفوس شریفہ اس قسم کی چیزوں کا قصد کرنے سے بھی منزہ تھے اور یہ مطلب حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ کی سیرت میں مکرر ذکر کیا ہوا ہے -

ابن شہر آشوبؒ وغیرہ نے جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے - کہ ایک دن امیر المومنین علیہ السلام بزازوں کی دکان پر تشریف لے گئے - ایک مرد دکاندار سے فرمایا مجھے جامہ ثمین دے - اس مرد نے کہا اے امیر المومنین جس چیز کی آپ کو ضرورت ہو میرے پاس ہے - جب اس دکاندار نے حضرت کو پہچانا تو آپ اسے چھوڑ کر ایک جوان کی دکان پر تشریف لے گئے - اور اس سے دو کپڑے خرید کئے - ایک کپڑا دو درہم سے اور دوسرا تین درہم سے - اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دو دکانیں چھوڑیں - کیونکہ دونوں کے مالک آپ کو پہچانتے تھے - اور تیسری دکان پر جس پر بچہ بیٹھا تھا تشریف لے گئے - اس بچے نے حضرت سے کہا - اے شیخ - پس اس سے کپڑے خریدے اور واپس تشریف لائے - جب اس لڑکے کا باپ یا آقا دکان پر آیا تو اُسے پتہ چلا کہ مشتری آنجناب تھے - اور اس لڑکے نے نفع زیادہ لیا ہے - پس اس نے اتنے

پیسے لئے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عذر پیش کیا حضرت نے وہ رقم نہ لی اور فرمایا بیع و شراء کا معاملہ ہر دو کی رضامندی پر تھا اور گذر گیا۔ اور شیخ شہید ثانی قدس سرہٗ نے کتاب شرح لمعہ میں مشتریوں کے درمیان تفاوت اور فرق کرنے کی کراہت کے ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ ہاں البتہ جب مشتریوں کے درمیان فضیلت یا دین کے لحاظ سے واقعی فرق ہو تو ان میں تفاوت اور فرق کرنا کوئی عیب نہیں رکھتا۔ لیکن اس صاحب فضل و دیانت مشتری کیلئے اس کا قبول کرنا مکروہ ہے۔ اور علماء و اتقیاء گذشتہ ممانعت میں مبتلا ہونے سے بچنے کیلئے اس طرح احتیاط کرتے تھے۔ کہ دوسرے لوگوں کو اپنا وکیل بنا لیتے تاکہ وہ اوروں سے ان کے لئے چیزیں خرید کریں اور دکانداروں کو موکل کا پتہ ہی نہ چلے۔ تاکہ کوئی بائع ان کے فضل و دین کی وجہ سے قیمت میں کچھ کمی نہ کر دے اس بیان سے ظاہر ہوا کہ یہ چیزیں بھی جو عام شائع اور متعارف ہیں۔ قبائح اعمال سے شمار ہونی چاہئیں۔ جیسے کہ کوئی سید یا طالب علم یا کوئی حاجی یا زائر کسی چیز کے خریدنے کے وقت اور اس چیز کی قیمت میں کمی کرانے کے لئے گفتگو کرنے میں اپنی سیادت اور علم یا حج اور زیارت کو وسیلہ بنا کے کہتا ہے کہ آخر میں سید ہوں یا طالب علم ہوں۔ یا زیارت بیت اللہ یا زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ یا ائمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم کی زیارت کا ارادہ رکھتا ہوں کچھ کم کرو۔ اور عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ بیچنے والا اس لحاظ کی وجہ سے کچھ قیمت کم کر دیتا ہے۔ وہ تو اس کمی قیمت کے سبب فیوضات عظیمہ کو پا لیتا ہے۔ لیکن وہ خریدار جو آداب دینیہ سے جاہل ہے۔ اپنے اس جزئی نفع کی وجہ سے ان لوگوں کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے جو اپنے دین کو دنیا کے بدلہ میں بیچ دیتے ہیں۔ اور اس معاملہ میں حصول دنیا کے لئے دین کو آلہ کار بنا کے کلی خسارہ اٹھاتے ہیں۔ یہ بات مخفی نہیں کہ جو علم قرآن یا قرآن سے کم کے اندازہ جتنی قیمت کے کم کرنے کا وسیلہ بنے وہ علم ان علوم سے شمار ہوگا کہ جن علوم کے شر سے ائمہ معصومینؑ نے بہت سی دعاؤں میں خداوند تبارک و تعالیٰ کی پناہ مانگی اور فرمایا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ۔ اے اللہ میں غیر نافع علم سے تیری پناہ لیتا ہوں۔

پس جو کچھ ہم نے کہا ہے۔ اس سے یہ بات واضح اور روشن ہو گئی کہ روضہ خوانوں کی یہ جماعت بھی طالبین علم کے گروہ کی طرح ان گذشتہ اخبار و احادیث کی صنف میں داخل ہے۔ کیونکہ روضہ خوان جو کچھ فضائل و مناقب اور مصائب میں سے پڑھتا ہے وہ دین کے اسباب اور دار آخرت کے حصول کے وسائل عظیمہ میں سے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی موذن اور قرآن و مسائل دینیہ کے معلم کی طرح نجات دائمہ اور غیر متناہی ثواب خرید کرے اور اس کے ذریعہ حقیقی مقصد کو پالے۔
اور فطرت کی پستی۔ ہمت کی کوتاہی اور باطن میں مال دنیا کی حرص و رغبت کی آتش کے شعلہ زن ہونے اور فقر و فاقہ کے خوف کی وجہ سے اس آخرت میں نفع دینے والے مبارک معاملہ سے اعراض کر کے اور اس گرانقدر سرمایہ کا چند دراہم کے ساتھ معاوضہ کر لیتا ہے۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ جب اپنے اس خسران مآل کسب کو مشتریوں کی کثرت اور اس کے چاہنے والوں کی زیادتی کی وجہ سے بارونق اور حد درجہ پر رائج دیکھتا ہے تو زر و سیم اور قیمتی خلعتوں کی تحصیل کی ہوا و ہوس میں آ کر نہایت ہی وجد و نشاط اور فرح و سرور کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے برعکس جب اپنے متاع (روضہ خوانی) کی

کسادبازاری اور اس کے مشتریوں (مومنین) کی قلت اپنے چاہنے والوں کی کمی کو دیکھتا ہے تو نہایت ہی حزن واندوہ میں ہو جاتا ہے اور شکایت کرنے لگتا ہے۔

اور جلب مال وتحصیل مشتریاں کی وجہ سے اپنے آپ کو ایسے مفاسد اور ممنوعات شرعیہ میں گرفتار کردیتا ہے کہ ایک ایک مفسدہ اس کے دین کی تباہی اور اس کی جان کی ہلاکت کیلئے مستقل سبب ہے۔ جیسے خود مشتری یا اس کے ساتھیوں بلکہ اس کے نوکروں سے مختلف قسم کی قبیح چاپلوسیوں کے ساتھ سوال کی ذلت اٹھانا (مجھے اپنے ہاں مجلس پڑھنے کیلئے بلاؤ) اور دیگر روضہ خوانوں کے معاملہ میں دخل دینا۔ ان کے معائب کو شہرت دینا۔ ان کے عیوب کی جستجو اور تفحص کرنا اور اگر دیگر روضہ خوان کہیں روضہ خوانی میں اس سے بڑھ جائیں تو ان کا بغض وحسد دل میں رکھنا۔ اگر روضہ خوانی میں ان کو کہیں شکست دیدے تو اس کا فخرومباہات کرنا اور اگر کہیں دیگر روضہ خوانوں کو میدان روضہ خوانی سے بھگادے تو اس کا یہ سمجھنا گویا اس نے دین میں فتح کی گیند حاصل کر لی ہے۔ اور اگر کہیں معاملہ فیس مجہول اور مجلس پڑھنے کی مقدار عوض معین نہ ہو تو مقدار مقصود کے نہ ملنے کی وجہ سے صاحب مجلس کو مختلف قسم کی اذیتیں دے کر اس کو آزردہ خاطر کرنا۔

اور طرائف حکایات میں سے یہ بات ہے کہ علماء اعلام میں سے حقیر (صاحب کتاب) سے ایک عالم طاب ثراہ نے بیان کیا ہے کہ ماہ مبارک رمضان سے پہلے ایک شہر میں ایک مشہور واعظ وارد ہوا۔ وہاں کے بڑے آقاؤں میں سے ایک آقا نے اپنے ہاں کی مشہور مسجد میں دعوت دی۔ واقعہ بیان کرنے والے نے تینوں چیزوں (واعظ۔ آقا۔ مسجد) کے نام بتائے ہیں لیکن میں ان ناموں کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتا اور اس آقا نے واعظ سے طے کیا کہ وہ اسے فیس کی معین مقدار اواسط ماہ رمضان میں دے گا۔ چنانچہ واعظ نے یہ بات قبول کر لی اور اس مسجد میں وعظ وروضہ خوانی میں مشغول ہو گیا۔ جب معین فیس کے ادا کرنے کا وقت آیا تو آقا نے اس معین مقدار سے کچھ کم رقم واعظ کو دی۔ واعظ نے رقم تو لے لی اور اس پر کچھ نہ کہا۔ مگر جب اکیسں ماہ رمضان کا دن جسے بعض ظریف الطبع لوگوں کی اصطلاح میں "مساجد کی انتہائی جمعیت کا دن کہتے ہیں" آیا تو واعظ بالائے منبر ذکر مصائب میں مشغول ہوا۔ جب منہ پر طمانچہ مارنے۔ کپڑا چاک کرنے۔ گریبان پھاڑنے۔ سر برہنہ کرنے۔ آہ وبکار کے شور وغوغا کے مقام پر پہنچا تو واعظ نے اپنے سر سے عمامہ اتارا اور منبر سے اتر کر محراب میں جہاں صاحب مجلس بیٹھا تھا آیا اور اس کے سر سے عمامہ اٹھایا اور کہا کہ جناب آپ صاحب عزا ہیں۔ پس تمام اہل مسجد شور وجزع کے ساتھ گر پڑے اور سر برہنہ ہو کر رونے۔ سر پر طمانچہ مارنے اور سینہ کوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ ہر ایک اپنی ہی حالت میں مشغول تھا۔ واعظ نے فرصت کو غنیمت سمجھا اور مقررہ فیس کے باقی ماندہ کو لینے کیلئے اس کے ہاتھ میں خوب وسیلہ آیا۔ پس تو تمام کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے جناب آقا کے برہنہ سر کو کوٹنا اور پیٹنا شروع کر دیا اور اس کو آہستہ کہا کہ باقی مبلغ تو مجھے دیگا یا جو کچھ میں کر سکتا ہوں کرتا جاؤں؟ بیچارے آقا نے دیکھا کہ اپنا سر متورم ہونے کے قریب ہو چکا ہے۔ اور اس محرابی منظر کی طرف کوئی ملتفت بھی نہیں۔ مجبوراً قبول کیا اور اس واعظ کو اطمینان دلایا۔ تب اس واعظ نے آقا کے سر سے ہاتھ کھینچا۔ اور خوش وخرم دل کے ساتھ دعا کرنے کیلئے عرشہ منبر پر آیا۔ تا یہ وہ اس

قلب خراب اور عمل خراب کے ساتھ لوگوں کو وعظ کرنے کے لائق ہو سکتا ہے؟ اور ایسی حالت میں اُسے جناب امام حسین علیہ السلام کے خادمِ خاص ہونے پر فخر کرنے کا کوئی حق ہے؟ اور جو کچھ کلمات مذکورہ ہم نے بیان کئے ہیں ان کی تہ میں **مفسدہ چہارم** ہے۔ وہ یہ کہ ان (روضہ خوانوں) میں سے اکثر ایسی آیات واخبار کی صنف میں داخل ہو جاتے ہیں جن میں ایسے لوگوں کے لئے تہدیدِ عظیم ہے۔ جو دوسروں کو مطالبِ حقہ جیسے اخلاقِ حسنہ اور قبیحہ۔ اعمالِ ممدوحہ اور مذمومہ اور ثواب وعقاب اور ہر وہ چیز جو جناب ابو عبداللہ علیہ السلام سے مربوط ہے بتاتے ہیں اور وہ لوگ سیکھ جاتے ہیں اور عمل کرتے ہیں اپنی مزدوری یعنی اجرِ آخرت پا لیتے ہیں۔ اور کہنے والا واعظ اپنے قول کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ پس ابدی حسرت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ خداوندِ عالم اپنے کلام مجید میں توبیخ وسرزنش کے مقام میں فرماتا ہے اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم۔ کیا تم اور لوگوں کو نیک کاموں کے کرنے کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ تفسیر شیخ ابو الفتوح رازیؒ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جب میں شبِ معراج ملائکہ کے ہمراہ آسمان پر گیا تو میں نے ایک ایسی جماعت کو دیکھا کہ ملائکہ جن کے لب کاٹ رہے تھے اور پھر وہ لب درست اور مکمل ہو جاتے تھے۔ میں نے کہا۔ اے جبرئیل۔ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا۔

ھٰؤلاء خطباء امتک یقولون مالا یفعلون ویامرون الناس بالبر وینسون انفسھم۔ یہ لوگ آپ کی امت کے خطیب (مقرر) ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں۔ اس پر خود عمل نہیں کرتے۔ اور لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔ یعنی خود اس نیکی کے پابند نہیں ہوتے۔

اور نیز آپ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن سخت تر عذاب میں وہ عالم ہوگا کہ جس کو اس کے علم نے (آخرت کا) کوئی فائدہ نہیں دیا۔ اور نیز آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ان لوگوں کی مثال جو دوسروں کو کارِ خیر بتاتے اور سکھاتے ہیں۔ اور اس کارِ خیر کے خود پابند نہیں ہوتے۔ اس چراغ کی طرح ہے جو خود جلتا ہے اور دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے اور نیز ان بزرگوار (رسولِ خدا) سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کل روزِ قیامت کو ملائکہ کسی مرد کو رہا نہ کریں گے جو دنیا میں رہ کر قدم اُٹھاتا ہے جتنے تک چند چیزوں سے عہدہ برآنہ ہوگا۔ اوّل کہ اس نے جوانی کن چیزوں میں گزاری۔ دوم کہ اس نے عمر کس چیز میں صرف کی۔ سوم اس نے مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ چہارم اس کے علم کے بارے میں کہ اس نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا یا نہ۔

اور امالی شیخ صدوق ومحاسن برقی میں مروی ہے کہ مفضل نے حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کہ ناجی آدمی (نجات یافتہ) کس طرح پہچانا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہر وہ شخص جس کی گفتار اس کے کردار کے موافق ہو۔ بس وہ نجات یافتہ ہے۔ اور جس کا کردار اس کی گفتار کے موافق نہ ہو وہ شخص مستودع ہے۔ یعنی اس کا ایمان اس کے دل میں ثابت اور راسخ نہیں۔ بلکہ ایمان اس کے پاس بمنزلہ ودیعت ہے۔ جس کے ساتھ اس کا روزگار چل رہا ہے (یعنی لوگ اس کو ایماندار سمجھتے ہیں) اور اگر اس کا امتحان ہو تو ایمان اس سے رخصت ہو جائے۔

اور عیاشی نے اپنی تفسیر میں یعقوب بن شعیب سے روایت کی ہے کہ اس نے حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام سے اس آیۂ شریفہ اتامرون الناس کے متعلق سوال کیا۔ پس حضرت نے اپنا دستِ مبارک اس کے حلق پر رکھا اور فرمایا جیسے کوئی اپنے آپ کو ذبح کرتا ہے یعنی وہ لوگ جو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ وہ لوگ اپنے آپ کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہیں اور ہلاک ہوتے ہیں۔ اور اس آیہ فکبکبوا فیھا ھم والغاوون۔ مشرکین اور غاوین جہنم میں منہ کے بل گریں گے کی تفسیر میں بہت سی اخبار میں آیا ہے کہ غاوین سے مراد وہ لوگ ہیں جو دوسروں کے لئے امورِ حقہ جیسے طاعات و اخلاق حسنہ اور عقائدِ حقہ یعنی جو چیز بں عدل و حکمت کے موافق ہی بیان کرتے ہیں۔ اور جو کچھ کہتے ہیں خود اس کے خلاف عمل کرتے اور اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور نیز یہی مضمون بہت سی احادیث میں اس طریقہ سے آیا ہے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام لوگوں سے سخت ترین حسرت و ندامت میں وہ لوگ ہوں گے جو دوسروں کیلئے امورِ حسنہ بیان کرتے ہیں اور خود ان کے خلاف عمل کرتے ہیں اور نیز ائمہ معصومین علیہم السلام نے اس آیہ شریفہ ان تقول نفس یا حسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ۔ یہ کہ شخص کہے گا۔ اے میری حسرت جو میں نے اللہ کے حقوق میں کوتاہی کی۔ کہ اس سے مراد وہی لوگ (دوسروں کو نیکی کا حکم کرنے والے اور خود اس پر عمل پیرا نہ ہونے والے) ہیں جو حسرت کھائیں گے اور یہ سخن کہیں گے اور اس صنف کی بہت سی اخبار و احادیث ہیں اور ان میں بہت سی آدابِ اہلِ علم کے باب میں مذکور ہیں۔

اور یہ بات مخفی نہیں کہ ان لوگوں کی جماعت سے روضہ خوانوں کا ایک ایسا مخصوص گروہ ہے جو اس کسب و تجارت (روضہ خوانی) میں کبھی تو مقدمات وعظ کو پیش کرتے ہیں، اور کبھی امیر المؤمنین علیہ السلام کے خطب و مواعظ شافیہ اور آپ کی رفتار و کردار کو ذکر کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو دنیا کی محبت اور اس کی آفات و بلیات اور مہلکات سے ڈراتے ہیں اور دنیا کے نقص اور اس سے پرہیز کی ترغیب و تحریص دلاتے ہیں۔ نیز بزرگانِ دین و خواص اصحاب اور علماء دین کے حالات سے استشہاد کرتے ہیں۔ کبھی رذائل خبیثہ اور صفاتِ قبیحہ سے اجتناب کے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ غزالی شافعی اور اس کے تابعین کی کتب سے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ بغیر کسی توقف و لکنت کے حوالے بیان کرتے ہیں۔ اور اس مجلس کے مناسب آیات و احادیث کو مرتب و منظم کرکے ذکر کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے ہر ایک خود جیفۂ دنیا پر اس قدر فریفتہ اور دنیا کے نجاست و رذائل سے اس قدر آلودہ ہے کہ اگر صاحبِ مجلس اس کی آمد یا رفت کے وقت کچھ غفلت برتے یا اس کی حسبِ توقع توقیر و تکریم کے لوازم نہ بجا لائے یا اس کو اس مجلس کا خاتم (سب سے آخر میں پڑھنے والا) نہ قرار دے جو اس گروہ (روضہ خوانوں) کی قبیح بدعتوں سے ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جس شخص (روضہ خوان) کا رتبہ بالاتر ہے مجلس کا اختتام اس پر ہونا چاہئے۔ اور اگر صاحب مجلس اُس کو اس کے دیگر ہم صنفوں (روضہ خوانوں) سے مثلاً دو درہم کی فیس کم دے تو غمگین ہوتا ہے۔ بانی مجلس کا گلہ کرتا ہے۔ اعتراض کرتا ہے۔ فیس واپس دیتا ہے۔ دوبارہ اس جگہ نہیں جاتا۔ اپنے متاع (روضہ خوانی) کو بڑا اور صاحب مجلس کی فیس کو بہت تھوڑا شمار کرتا ہے۔ اپنے ہم صنفوں کے نسب و حسب اور ان کی رفتار و کردار میں عیب جوئی کرتا ہے۔ اور ان کو اپنی گنتی میں شمار نہیں کرتا۔ اپنے اس قدر قابلِ مذمت حالات اور قبیح افعال کے

باوجود اہلِ دنیا کی بدگوئی کرتا ہے اور اپنے آپ کو اہل اللہ اور اہلِ آخرت سے گنتا ہے۔ گویا منبر پر بیان کرنے والے چند کتب کے حوالوں اور خطابی بیانات کی معمولی مقدار نے اس کے دل کی جملہ خرابیوں اور تمام بُرائیوں سے مملا ہوا ہے۔ اور کسی دانا عقلمند آدمی پر مخفی نہیں کہ ایسا روضہ خواں اس قسم کی بُری سیرت اور باطنی خباثت کی وجہ سے گزشتہ احادیث کا مصداق ہو جائے گا۔ اور آخرت میں سخت ذلت و حسرت کے ساتھ معذب ہو گا۔

اور کتاب عیون صدوق علیہ الرحمہ میں مروی ہے کہ جس وقت امام رضا علیہ السلام کے برادر زید نے خروج کیا۔ اور مامون نے اس کو گرفتار کر کے امام علیہ السلام کی طرف بھیجا۔ حضرت نے اس کو توبیخ و سرزنش کی اور اُسے فرمایا کہ اگر تو نے اس طرح خیال کیا تھا کہ تو خداوند عالم کی معصیت کرے گا اور بہشت میں داخل ہو جائے گا۔ اور (تو آگاہ ہو) موسیٰ بن جعفر سلام اللہ علیہ نے خداوند عالم کی اطاعت کی اور بہشت میں داخل ہوئے۔ کیا تو خداوند عالم کے نزدیک موسیٰ بن جعفر علیہ السلام سے زیادہ مکرم و معزز ہے۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کے تقرب کو اس کی فرمانبرداری کے بغیر کوئی بھی نہیں پا سکتا۔ اور تیرا گمان ہے کہ تو تقرب خداوندی کو معصیت کے ساتھ پالے گا۔ یہ تیرا گمان بد ہے۔ پس زید نے عرض کی کہ میں آپ کا برادر اور آپ کے پدر کا پسر ہوں۔ حضرت نے فرمایا تو اس وقت تک میرا بھائی ہے جتنے تک تو خداوند عالم کی اطاعت کرتا رہے۔ پھر اس وقت جناب نے حضرت نوحؑ اور پسر نوح کا قصہ ذکر فرمایا اور کہا کہ خداوند عالم نے حضرت نوحؑ کے بیٹے کو محض عصیان کی وجہ سے ان کے اہل سے خارج کر دیا۔ غرضیکہ تو بھی معصیت کی وجہ سے میری برادری سے خارج ہو گیا ہے۔ پس اگر معصیت خداوندی ایسے امام (امام رضا علیہ السلام) کی اخوت اور ان جیسے امام (امام موسیٰ کاظم علیہ السلام) کی بنوت کے اتصال کو قطع کر دیتی ہے تو خداوند عالم کی معصیت بیگانے لوگوں کو ائمہ معصومین علیہم السلام کے ساتھ متصل ہونے کی ہرگز اجازت نہیں دیتی۔ اور نہ کبھی ایسی صورت میں ائمہ معصومین کی نوکری اور ان کے خادم خاص ہونے کا رتبہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ العیاذ باللہ اگر اہل علم میں سے کچھ لوگ اور علماء کرام اس گروہ (وہ روضہ خواں جن کی صفات مندرجہ بالا عبارت میں بیان کی گئی ہیں) کی مرض میں مبتلا ہو جائیں اور اس ورطۂ ہلاکت میں گر پڑیں۔ اور مختلف قسم کے مکر و فریب اور حیلہ سازی کے ساتھ علم دین کو تحصیلِ مال کا ذریعہ بنالیں تو عذاب میں اس کا سبب روضہ خواں کے شریک اور اپنے اپنے علم کے اندازہ و قدر کے مطابق مستحق عذاب ہوں گے اور جس قدر کسی نے اپنی تعلیم میں زیادہ اہتمام کیا ہو گا۔ یا اس لئے تعلیم حاصل کی ہو گی کہ اس علمی شرافت کے ساتھ علم دین کو سرمایہ کسب بنائے گا تو اسی قدر اس کا عذاب سخت تر اور اس کی حسرت بہت زیادہ ہو گی۔ اور اس کی شرح اخبار متواترہ میں کی گئی ہے۔ چونکہ یہ رسالہ اس جماعت کے حالات کے واسطے وضع نہیں کیا گیا۔ اس لئے ہم نے ذکر نہیں کئے۔ اور اس مقام میں چند امور پر تنبیہ لازم ہے:۔

اوّل۔ یہ کہ یہ بات مسموع ہے کہ اس گروہ (روضہ خوانوں) سے بعض حضرات نے اپنے بازار روضہ خوانی کے رائج ہونے کی وجہ سے اس عبادت میں شرط اخلاص کو ضروری نہیں سمجھا۔ اور اس میں ریاء کو جائز جانا ہے۔ بلکہ اس چیز کو حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے مخصوص فضائل سے شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ ریاء ہر طاعت و عبادت میں اس عبادت کی خرابی کا موجب ہوتا ہے۔ مگر ذاکرین اس طاعت میں

جو کہ خصوصی حیثیت سے سید الشہداءؑ کے تقرب کی وجہ سے درگاہِ احدیت میں قبول ہوتی ہے شرط اخلاص کو لازمی نہیں سمجھتے۔ اور اس طاعتِ مخصوصہ کو ریاء کے باوجود مقبول جانتے ہیں۔ اور اپنی توہم بیجا اور خیالِ خام کی سند اس چیز کو بناتے ہیں کہ بہت سی اخبار واحادیث منقولہ میں تباکی (رونے کی شکل بنانا) کی اجازت ہے۔ جس طرح کہ اس قسم کی احادیث مقدمہ میں گزری ہیں۔ کہ جو شخص خود روئے یا دوسروں کو رلائے یا تباکی کرے۔ یعنی اپنی حالت کو رونے والوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی طرح بنائے۔ اور اپنے آپ کو دوسروں کے لئے اس طرح ظاہر کرے کہ وہ بھی مصیبت زدہ ہے، رونے میں مشغول ہے۔ اور اپنی اس حالت سے ناظرین پر مشتبہ ہو جائے۔ کہ وہ سمجھیں یہ بھی مصائب سید الشہداء پر واقعاً غم زدہ اور رو رہا ہے تو فلاں قسم کا ثواب پائے گا۔ خدا و رسول صلے اللہ علیہ وآلہ پر افتراء کرنے والا احمق ہے اور اک یہ نہیں جانتا کہ اگر صحیح وصریح اور مشہور اخبار واحادیث کسی طاعت اور عبادت میں ریاء کے جواز کے متعلق وارد ہوں بھی تو چونکہ وہ صریح کتاب وسنت اور عقل قطعی واجماع علماء کے مخالف ہیں۔ لہذا ان کی تاویل کرنی چاہئے۔ اور اس کلمۂ مجملہ (تباکی) سے کیا بن سکتا ہے۔ جو مطلقاً ان لوگوں کے مقصود اور ان کی غرض فاسد (جواز ریاء) پر نہ ہی دلالت کرتا ہے اور نہ اس کلمہ کا اس کے ساتھ کوئی ربط ہے۔ کیونکہ اس کلمہ سے تو ایک بہت ہی اہم مطلب وابستہ ہے۔ اور اخلاص تو تمام مکلفین کے لئے ازحد ضروری اور شریعتِ الٰہیہ کے قانون میں داخل ہے۔ اور یہ اخلاص اہلبیت علیہم السلام کے آثار سے مستفاد ہوتا ہے۔ جس کو معصومین علیہم السلام نے صفاتِ نفسانیہ کی تکمیل کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ اور اس کی توضیح اس طرح ہے کہ جو صفاتِ حمیدہ نفسانیہ جیسے رضا و توکل اور زہد وحلم اور ان جیسی دیگر اور صفات ہیں جن پر آدمی کی انسانیت موقوف اور معلق ہے ان میں سے کسی ایک کے حاصل کرنے اور اس صفت کے دل میں مستقر اور ثابت ہونے کے بعد اس آدمی سے ایسے ایسے افعال صادر اور آثار ظاہر ہوتے ہیں جن سے اہلِ دانش اور صاحبانِ بصیرت نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ واقعی یہ صفت اس قسم کے افعال والے آدمی میں پائی جاتی ہے۔ اور یہ آدمی اس صفت کے ساتھ متصف ہے۔ جیسے زہد کا حقیقی معنی یہ ہے کہ آدمی دنیا سے سچا اعراض کرے۔ دنیا سے کوئی علاقہ وتعلق نہ رکھے۔ اور دنیا کو اس قابل ہی نہ سمجھے کہ اس سے دل میں وابستگی یا اس سے محبت رکھے۔ اور نہ ہی اس کے آنے سے خوش اور اس کے جانے سے غمگین ہو۔ اور جو شخص اس مقام پر فائز ہو جائے گا تو یقیناً وہ دنیا کے حاصل کرنے اور اس کو جمع کرنے میں کسی قسم کی حرص ورغبت نہ کرے گا۔ اور دنیا کے آنے سے اظہارِ مسرت نہ کرے گا اور نہ ہی اس کے جانے سے مضطرب وپریشان اور غمگین ہوگا۔ اور جس مال کا دینا اس پر واجب ہے جیسے زکوٰۃ وخمس اور اس جیسے دیگر واجبات مالیہ یا جس مال کا دینا اس پر مستحب ہے جیسے باقی صدقات اور مستحبات مالیہ۔ اس قسم کے اموال کا خداوندِ عالم کے حکم کی بجا آوری میں دینا اس پر سہل اور آسان ہو جائے گا۔ خداوندِ عالم کی طاعت کے مقام میں اس قسم کے اعمال کو نہایت خوشی سے بجالائے گا۔ کیونکہ زہد کی صورت میں اس کے نزدیک سونا چاندی اور سنگ وخاک یکساں اور برابر ہیں۔ لہذا اس سے اس قسم کی علامات اور آثار کے صادر ہونے سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ وہ صاحبِ زہدِ حقیقی ہے۔ کیونکہ حقیقی زہد کو لازم ہے کہ اس سے ایسے آثار وافعال ظاہر ہوں۔ لیکن کبھی ایک شخص سے ایسے آثار وعلامات ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر اس میں زہد قلبی ہوتا ہی نہیں اور نہ ہی دل میں دنیا سے اعراض کئے ہوتا ہے۔ بلکہ اس کو دنیا سے نہایت

وابستگی اور محبت ہوتی ہے۔ اس قسم کے لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل یہ کہ ایسے آدمی کے ان افعال کے کرنے سے غرض محض خودنمائی اور ریاء ہوتی ہے اور ایسے کام اس لئے کرتا ہے۔ تاکہ لوگوں کے دلوں میں مقام حاصل کرے اور ان کاموں کے کرنے سے یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنے بہترین مرتبہ پر فائز اور محبوب خدا ہوں۔ اور اس ظاہری ریائی زہد کو متاع دنیا حاصل کرنے کے لئے ذریعہ بناتا ہے۔ اور یہ فعل بھی شرک خفی ہے۔ اس سے اجتناب واحتراز کرنا چاہیے۔ شریعت میں اس قسم کے فعل کی کوئی اجازت و رخصت نہیں ہے۔ دوئم یہ کہ اگرچہ وہ آدمی مذکورہ حیثیت سے اس مقام و خصلت کے حاصل کرنے کو اچھا نہیں سمجھتا۔ لیکن اس نیک صفت کی تحصیل کے درپے اور اس کو علم وعمل کی اس راہ سے اپنے اندر پیدا کرنے کا اشتیاق رکھتا ہے جو راہ علماء علم اخلاق نے مقرر کی اور بیان فرمائی ہے۔ بلکہ جو محبت اور دلبستگی اس کو دنیا سے ہے۔ اس سے متنفر ہے۔ اور جو میلان و علاقہ دنیا سے رکھتا ہے اُسے بُرا معلوم ہوتا ہے۔ اور جو دستور ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے عمل کے مطابق ہے۔ اس کی مطابقت کے ساتھ اس نیک صفت کے حاصل کرنے کی راہوں میں سے اس شخص کا کسی ایک راہ کو بجالانا بھی اس صفت کے آثار و علامات میں سے ہے۔ اور ایسے کام پر اس لئے مواظبت کرتا ہے تاکہ اس میں وہ خصلت پیدا ہو جائے اور مقصود پہ پہنچ جائے اور اسے اصلی مقام حاصل ہو جائے۔ ابتداء میں تو ایسے کام اس پر سخت اور دشوار گزرتے ہیں۔ مگر جب یہ پسندیدہ صفت اس کے دل میں ثابت اور راسخ ہو جائے تو پھر ایسے افعال کا کرنا اس پر سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ صفت اس کے دل میں راسخ نہ ہو تو اس پر اس صفت کا بجالانا سخت گزرتا ہے۔ اور ایسے کام اس سے بمشقت صادر ہوتے ہیں۔ اور جب قصد مذکور کے ساتھ ایسے افعال میں مشتغل ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس صفت حمیدہ کے افعال کو تھوڑا تھوڑا جذب کرنے لگتا ہے۔ اور وہ صفت اس کے دل میں گھر کر جاتی ہے اور ثابت و راسخ ہو جاتی ہے اور وہ آثار اس سے بسہولت ظاہر ہوتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جو افعال اس نیک خصلت کے آثار و علائم ہیں کبھی تو وہ آثار و علائم اس صفت کے قلب میں پائے جانے کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں اور وہ نیک خصلت اس آدمی کے لئے اس قسم کے افعال کے واسطے راستہ کھول دیتی ہے اور کبھی ایسے ظاہری آثار و علائم اس خصلت کے قلب میں لانے کا سبب بن جاتے ہیں۔ جس سے پہلے دل خالی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ افعال ان دونوں حالتوں میں ممدوح و مستحسن اور عبادات و قربات خداوندی سے محسوب و شمار ہوں گے۔ اور ان کے کرنے والا ریاء و سُمعہ سے کوسوں دُور ہے۔ اور یہ مطلب شریف وجدانی ہونے کے علاوہ صفات مذکورہ کے اہل سے۔ دیکھا اور سُنا گیا اور تجربہ تواتر تک پہنچا ہوا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اخبار اہلبیت علیہم السلام میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ کتاب غرر و درر میں حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا:۔

ان لم تکن حلیما فتحلم فانہ قل من تشبہ بقوم الا اوشک ان یصیر منہم۔

اگر تو حلیم نہیں ہے تو بہ تکلف حلم کو اختیار کر یعنی حلم کے آثار و علامات کے مطابق عمل کر کیونکہ قلیل ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو کسی قوم کے مشابہ بنائے۔ مگر قریب ہے کہ وہ اس قوم سے ہو جائے۔ اور اس کا شمار ان سے ہونے لگے۔

نیز اس کتاب میں جناب امیرالمؤمنین علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا من لم یتحلم لم یحلم جو شخص کہ

اپنے آپ کو اس طریق سے حلم کا پابند نہ کرے، حلیم نہ ہو سکے گا۔ اور یہی مضمون زہد میں بھی وارد ہوا ہے کہ حضور نے تزہّد (بتکلف زہد اختیار کرنا) کا حکم اس لئے فرمایا ہے تاکہ حقیقی زہد حاصل ہو جائے۔ اور جبکہ یہ مقدمہ معلوم ہو گیا۔ پس ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابو عبداللہ الحسین علیہ السلام کے مصائب پر رونا اگرچہ اعضاء وجوارح کے افعال سے ہے اور کارِ چشم ہے۔ لیکن اس رونے کا سبب قلبی محبت ہے۔ کیونکہ جو مصائبِ عظیمہ خداوند تبارک وتعالےٰ کے ان محبوب (امام حسین علیہ السلام) پر وارد ہوئے ہیں۔ جب ان کا تصور کیا جائے تو جو سوزش دل میں آتی ہے اُس کی وجہ سے قلب محترق ہوتا ہے اور وہ سوزش آنکھوں سے آنسوؤں کے بہہ نکلنے کا باعث ہوتی ہے۔ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا ہے :-

ان لقتل الحسین علیہ السّلام حرارۃ فی قلوب المؤمنین لا تبرد ابداً۔

تحقیق ابو عبداللہ الحسین علیہ السلام کی شہادت کے لئے مؤمنین کے دلوں میں ایک سوزش اور حرارت ہے جو کبھی ٹھنڈی نہ ہو گی۔

اور نیز فرمایا کہ مومنین کے دلوں میں حسین علیہ السلام کی محبت پوشیدہ ہے اور جب ان مصائب کا علم ہوتا ہے تو یہ محبت اس حرارت کا سبب بن جاتی ہے جو حرارت رونے کی موجب اور باعث ہوتی ہے۔ اور عام طور پر مومن اسی حالت کو چاہتا ہے۔ لیکن اصل محبت کی کمی کی وجہ سے یا اس لئے کہ پردۂ شہوات اس محبت کو ڈھانپے ہوئے ہوتا ہے۔ یا ان مصائب کے صحیح طور پر تصوّر کرنے سے کوئی مانع ہوتا ہے۔ یا ان کے علاوہ اس احتراق قلب اور دل کی سوزش کے کچھ اور موانع ہوتے ہیں جس احتراق وسوزش کے بغیر وہ رو نہیں سکتا۔ اس لئے وہ اِس خیرِ عظیم سے محروم رہتا ہے۔ یا اس لئے کہ اس کو یہ حالت (آہ و بُکار کرنا) ظاہری طور پر پسند نہیں آتی لیکن وہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگوں (رونے والوں) کی طرح ہو جائے۔ مگر ابھی تک نہیں ہے۔ پس ائمہ معصومین علیہم السّلام نے ایسے آدمی کو تباکی (رونے کی شکل بنانا) کا حکم دستور العمل کے طور پر دیا ہے۔ کہ اس دستور العمل کے ذریعہ اپنے ویران دل کے ساتھ جس کی آبادی چاہتا ہے اپنے آپ کو گریہ کرنے والوں کی ہیئت وشکل میں ظاہر کرے۔ اور اس کا اس طرح کرنا اس سوزشِ قلب کے آثار وعلائم سے ہو گا جو سوزشِ قلب مصائب سننے کے بعد محبت اہلبیتؑ کا نتیجہ ہے۔ اگر اس عمل (تباکی) کو مقصود اصلی تک پہنچنے کے قصد سے کرے گا تو مثاب وماجُور ہو گا۔ اور اس کے علاوہ اسے دل کی آبادی اور ائمہ معصومینؑ کی محبت و ولایت کے نور سے دل کے روشن ہونے کا ایک راستہ بھی مل جائے گا۔ اور اس مقال وگفتگو کی مؤید یہ بات ہے کہ رسولِ خداؐ وائمہ ہدیٰؑ نے یہی دستور العمل خوفِ خدا سے گریہ کرنے میں بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ کتاب امالی شیخ طوسی اور مکارم الاخلاق طبرسی میں جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے مواعظ میں مذکور ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ اے ابوذر جس شخص کو ایسا علم دیا گیا ہے کہ وہ علم خوفِ خدا سے گریہ کا سبب نہ بنے تو وہ ایسا علم ہو گا جس سے کوئی نفع نہ ہو گا۔ کیونکہ خداوندِ عالم نے علماء کی تعریف کی ہے۔ اور فرمایا ہے۔ اِنّ الّذین اوتوا العلم من قبلہ تا آخر آیات۔

یا اباذر من استطاع ان یبکی فلیبکِ ومن لم

اے ابوذر جو شخص طاقت رکھتا ہے کہ خوفِ خدا سے روئے۔ پس

یستطع فلیشعر قلبه الحزن ولیتباك ان القلب القاسی بعید من الله ولکن لا یشعرون۔ چاہیے کہ وہ روئے۔ اور جو طاقت نہیں رکھتا پس چاہیے کہ وہ حزن واندوہ کو اپنے دل کا شعار بنائے اور اپنی حالت گریہ کرنے والوں کی حالت کی طرح بنائے۔ کیونکہ اس کا دل اس قساوت کی وجہ سے خدا سے دور ہے۔ لیکن سنگدل لوگ نہیں جانتے۔

اور یہ بات مخفی نہ رہے کہ اس کلمہ شریف تباکی کا نظیر وہم وزن اور معاون ایک اور لطیف معنی بھی ہے۔ جو شاید یہاں وہی مراد ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ مومنین اپنے کردار و گفتار اور رفتار سے ایک دوسرے کو اس طرح رلائیں کہ جس طرح بھائی اور بہنیں اپنے عزیز مہربان ماں باپ کی وفات پر کرتے ہیں۔ اور اپنی حالت کو خراب بناتے ہیں۔ اپنے مرنے والے عزیز کو یاد کرتے ہیں۔ اور اس کے محاسن وپسندیدہ خصائل اور اس کے احسان و نیک کردار۔ سخت مصائب اور اس کی تکلیف میں سے جو کچھ کسی کے دل میں آئے دوسروں کے لئے بیان کرتے اور روتے ہیں۔ آہ وزاری کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو طمانچے مارتے ہیں۔ حاصل یہ کہ اسی طرح سب کے سب مومنین مصیبت زدہ اور مصائب پڑھنے والے۔ گریہ کرنے والے بنے ہوئے ہوں اور دوسروں سے گریہ کرانے میں کوشاں ہوں۔ اور اس احتمال مذکور کی موئیدہ روایت شریف ہے جو آداب روز عاشوراء میں عاشوراء کی زیارت معروفہ میں مذکور ہے۔ کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ بانی مجلس ندبہ اور نوحہ میں مشغول ہو اور امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرے۔ اور جو لوگ اس کے گھر میں ہوں ان کو ندبہ و نوحہ اور گریہ کا حکم کرے۔ اور امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنے میں لوگوں سے تقیہ نہ کرے اپنے گھر میں مصیبت برپا کرے اور حضرت سید الشہداء پر اظہار جزع کرے۔ اور مومنین میں سے بعض بعض کو اپنے اپنے گھروں میں گریہ کرتے ہوئے ملیں۔ اور مومنین میں سے بعض بعض کو حضرت سید الشہداء کی مصیبت کے متعلق کلمات تعزیت کہیں۔ یعنی سب مومنین ان مصائب کو بیان کریں۔ اور یہی کام (گریہ وغیرہ) کریں۔ بس تباکی کے معنی مذکورہ کی یہی شرح ہے۔ بہر حال تباکی فعل ممدوح اور محبوب ہے جو کہ طاعات وعبادات سے محسوب ہے جس میں ریاء جو شرک خفی کے اقسام میں سے ہے، کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔

سبحان اللہ! حضرت سید الشہداء نے تو ان تمام مصائب کو باری تعالیٰ کی ذات مقدس کی اساس توحید کے احکام واعلاء کلمہ حق اور دین مبین کی بنیادوں کو مضبوط کرنے اور ملحدین کی بدعتوں کے جاری ہونے سے دین کی حفاظت کرنے کی وجہ سے برداشت کیا تھا۔ کوئی ذی شعور اور عقلمند آدمی یہ کس طرح خیال کر سکتا ہے۔ کہ سید الشہداء علیہ السلام اس اعظم معاصی اور اکبر مہلکات (ریاء) جو کہ شرک ہے، کے جواز کے سبب اور موجب ہوئے ہوں۔ گویا ان لوگوں میں اس توہم فاسد اور شیطانی خیال کے پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ لوگوں نے ریاء اور اس کی قباحت و برائی میں غور و تامل نہیں کیا یا زر و سیم کی کثرت حرص و رغبت نے ان کی عقلوں سے اس ریا کی قبائح کو پوشیدہ کیا ہوا ہے۔ واللہ العاصم۔

دوم جو کچھ روضہ خوان کے حال کی شرح میں کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ روضہ خوان گفتگو کرنے اور آواز بلند کرنے کے تمام مفاسد سے سالم ہو۔ اور اس قسم کی تمام خرابیاں محض شرط اخلاص کو ضروری نہ سمجھنے اور اس عبادت کو بجا لانے میں تحصیل مال وجاہ کی غرض کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ پس اگر العیاذ باللہ اس مذکورہ خرابی کے علاوہ جھوٹ کہنا۔ خدا اور رسولؐ و ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین۔ و

علماء اعلام پر افتراء باندھنا۔ اپنے پہلے بے ریش اطفال کو الحانِ فسوق کے ساتھ پڑھا کے اپنے لئے مجمع کو تیار کرنے کا راستہ بنانا۔ بانی مجلس کی اجازت کے بغیر۔ بلکہ اس کے صریح منع کے باوجود اس کے گھر جاکر منبر پر کھڑے ہوکر پڑھنا۔ حاضرین کے گریہ نہ کرنے پر ان کو ایسے کلمات بلیغہ سے کوسنا کہ جن میں سے بعض کلمات ان کے غیر طاہر الولادت ہونے پر دال ہوں۔ بوقت دعا یا قبل از دعا باطل کو ترویج دینا۔ ان لوگوں کی مدح کرنا جو مدح کے مستحق نہیں ہیں۔ بزرگانِ دین کی اہانت کرنا۔ آلِ محمد علیہم السلام کے اسرار کو افشاء کرنا۔ فتنہ و فساد اُٹھانا۔ اپنی گفتگو سے ظالمین کی اعانت کرنا۔ مجرمین کو غرا بنانا۔ فاسقین کو جرأت دلانا۔ لوگوں کی نظروں میں گناہوں کو معمولی اور حقیر دکھانا۔ ایک حدیث کو دوسری حدیث سے خلط ملط کرنا۔ آیات شریفہ کی تفسیر اپنی کھوٹی رائے سے کرنا۔ اخبار و احادیث کو باطل اور فاسد معانی کے ساتھ نقل کرنا۔ فتوے دینے کی اہلیت نہ ہونے کے باوجود فتوے دینا۔ اگرچہ وہ فتویٰ درست ہو یا غلط ثابت ہو۔ ائمہ علیہم السلام کے مقامات کو بلند و بالا دکھانے کے واسطے انبیاء عظام اور اوصیائے کرام علیہم السلام کی تنقیص شان کرنا۔ حدیث شریف کے جو بعض فقرات اس کی غرض فاسد کے منافی ہوں ان کو حذف کرنا۔ متناقض باتیں بیان کرنا۔ مجلس کے خاتمہ پر ناجائز اور حرام دعائیں مانگنا۔ ایک قصہ کو دوسرے قصہ میں داخل کرنا۔ اپنے کلام کو زینت دینے اور مجلس کو بارونق بنانے کے لئے حکایات مضحکہ اور کافرین کے اقوال کو بطور استشہاد بیان کرنا۔ مطالب منکرہ کے اثبات میں فاسقین و فاجرین کے اشعار پیش کرنا۔ اصول دین میں شبہات و اعتراضات ذکر کرکے ان کے جوابات نہ دینا یا ان کے دفع اور جواب کی طاقت نہ رکھنا۔ کمزور اعتقاد مسلمان کے سامنے اصول دین کے مرتبہ کو پست اور خراب کرنا۔ اہل بیت نبوت علیہم السلام کی عصمت و طہارت کے منافی چیزوں کو بیان کرنا۔ بہت سی فاسد اغراض کی وجہ سے اپنے بیان کو طول دینا۔ حاضرین کو نماز کے اوقاتِ فضیلت سے محروم کرنا اور ان جیسے اور مفاسد جن کا احصاء اور شمار حقیر (صاحب کتاب) کے امثال کی طاقت اور قوت سے باہر ہے اگر اس قسم کی خرابیوں میں مبتلا ہو گیا تو اس کا سب (روضہ خوانی) کا اصل سرمایہ (فیس) چند وجوہ کی بنا پر حرام اور اس کے ساتھ کسب کرنا ایسے ہو جائے گا جیسے کوئی لحم خنزیر اور میتہ و مسکر یا غنا کے ساتھ کسب و تجارت کرتا ہے۔ اور جب اس روضہ خوانی سے اس کا قصد حرام ہوگا یعنی مال وجاہ حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہوگا اور بیان بھی حرام ہوگا۔ یعنی مفاسد مذکورہ کو بیان کرتا ہوگا۔ اگر اس اعتبار سے مال و دولت جمع کرے گا تو وہ سب کچھ خراب در خراب اور حرام در حرام ہوگا۔ اور فیس دینے والے بانی مجلس کی طرف سے بھی مشغول الذمہ (مقروض) رہے گا۔ بلکہ اگر کوئی روضہ خواں اس فن روضہ خوانی میں اتنی بھی وجاہت و ریاست رکھنے لگے کہ دوسرے روضہ خوان اس کی اقتداء کرنے لگیں اور اس سے غلط مضامین کو یاد کرکے ان کو اسی کے طریقہ پر بیان کرنے لگیں تو ان تمام روضہ خوانوں کے مفاسد اور خرابیوں میں اور جن لوگوں نے ان سے مضامین کو یاد کیا ہے۔ یوم محشر تک ان تمام کی خرابیوں میں بھی ان کا شریک و سہیم اور حصہ دار ہوتا رہے گا۔ اور جو کچھ ان لوگوں نے اس سے سیکھ کر کیا ہے یا کرتے رہیں گے وہ سب کچھ ملائکہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھتے رہیں گے اور اخبار عدیدہ کے مطابق اس

روضہ خوان سے سیکھ کر بیان کرنے والے لوگوں کے گناہوں سے بھی کچھ کمی نہ کی جائے گی۔ جیسے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے۔

من سن سُنّۃً سیئۃً فعلیہ وزرھا ووزر من عمل بھا من غیر ان ینقص من اوزارھم شیئ۔

جو شخص کسی بُرے طریقہ کو مقرر کرے۔ پس اس طریقہ کا گناہ اور جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان تمام کا گناہ اس پر ہوگا۔ بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے گناہوں میں کچھ کمی کی جائے۔

پس بیچارہ جاہل روضہ خوان اگر اپنی حالت میں تھوڑا سا تامل کرے اور آثار اہلبیت علیہم السلام سے فائدہ حاصل کرنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ اپنے اختیار و شعور کے ساتھ اپنے لئے ایسی چند مجالس مرتب کرلے جو مختلف قسم کے مصائب پر مشتمل ہوں۔ جن کو محض اپنے لئے پڑھے اور گریہ کرے۔ آہ کھینچے اور افسوس کرے کہ اس نے کیسی نعمات جلیلہ اپنے ہاتھ سے دوسروں کو دیدیں اور خود محروم رہا۔ کیونکہ پہلے وہ مال و دولت کی تحصیل کے لئے پڑھتا تھا۔ اسے تو کوئی ثواب اور اجر نہیں ملتا تھا۔ اور دوسرے سامعین حاضرین ثواب حاصل کر لیتے تھے۔ اور ایسا روضہ خوان اس بات پر متاسف ہو کہ اس نے کس قدر برے دفاتر میں اپنا نام درج کرایا۔ کیونکہ اگر خود تھوڑی سی ہمت کرتا۔ اپنی نیت کو خالص اور اپنے باطن کو پاک رکھتا تو اپنا نام اہلبیتؑ کے ناصرین و مادحین اور ان کے آثار کے ناشرین اور ان کے علاوہ علیین کے دفتر میں لکھوا سکتا تھا۔ اِنّ ھٰذا الاّ خسران مبین۔

سوم یہ کہ اس بیان سے شخص روضہ خوان کی تکلیف مقصود ہے۔ کہ اسے اس فن میں کس طرح مشتغل ہونا چاہیئے اور اس صنعت کو کیسے اختیار کرنا چاہیئے۔ اور اس عمل کو کیسے بجالانا چاہیئے۔ جس کی روح اور اصل اخلاص ہے۔ ضروری ہے کہ اس عمل کے بجالانے کے وقت اس کا قصد اور محرک خداوند عالم کے امر کی اطاعت اور رسول خدا وائمہؑ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم کی خوشنودی اور صدیقہ کبریٰ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی نصرت ہو۔ کیونکہ وہ خود معتقد ہے اور دوسروں کو مقام ترغیب میں کہتا ہے کہ اس ماتم کدہ میں ارواح مقدسہ حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔ اور گریہ کرنے والوں کے ساتھ عزاداری میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس طرح نہ ہونا چاہیئے کہ پڑھے، مومنین کو رلائے اور سمعہ و ریا و جلبِ مالِ دنیا اس کا داعی و محرک ہو۔ مگر دوسرے لوگ جو اس سے نفع اٹھا رہے ہیں اور بے شمار فیوضات حاصل کر رہے ہیں بانی مجلس ہو۔ یا اس کے علاوہ دیگر حاضرین ہوں ان کی تکلیف یہ ہے کہ وہ لوگ اس روضہ خوان کی انتہائی درجہ کی اعانت و توقیر کریں اور اپنی طاقت و قوت کے مطابق بمال و زبان و باقی جوارح کے ساتھ اس کی امداد و اعانت کریں۔ اس قسم کی جس قدر بھی اس کی اعانت کریں اس کے اس حق کو پورا نہیں کرسکتے جو حق اس نے اپنے اس عمل کی وجہ سے ان پر پیدا کیا ہے۔ جس قدر بھی اسے متاعِ دنیا میں سے دیں گے یا اس کی تعظیم و توقیر بجالائیں گے۔ یہ ان کی تمام چیزیں ان ہزارہا جامہ بہشت کی ایک تار اور تاگے کے برابر نہیں ہوسکتیں جو انہوں نے اس روضہ خوان کی بدولت حاصل

کئے ہیں۔ پس جو کچھ انہوں نے دیا ہے قلیل اور جو کچھ اس کی توقیر و تعظیم بجا لائے ہیں کم ہے اور یہ مطلب گزشتہ بدیہی مقدمات کے موافق اور ائمہ طاہرینؑ کی اس پسندیدہ سیرت کے مطابق ہے۔ جو معصومین نے ان روضہ خوانوں کے گروہ اور ان جیسے معلمین قرآن اور مدح کرنے والوں سے برتی۔

شیخ جلیل ابن شہر آشوبؒ نے اپنی مناقب میں روایت کی ہے۔ جس کا ملخص یہ ہے کہ منصور نے حضرت موسیٰ بن جعفر علیہما السلام کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ نوروز کے دن ایک مخصوص مقام پر تشریف رکھیں اور لوگ آپ کو تہنیت و مبارکباد کہیں۔ ظاہراً اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ آپ اس جابر کی نیابت میں بیٹھیں اور جو کچھ لوگ تحائف و ہدایا میں سے آپ کی خدمت میں پیش کریں۔ منصور انہیں ضبط کرے۔ پس حضرت نے انکار فرمایا۔ پھر اس کے اصرار اور قسم دینے پر حضرت نے اس بات کو قبول فرما لیا۔ پس حضرت ایک جگہ پر بیٹھ گئے۔ اور ملوک و امراء اور عساکر آپ کی زیارت سے شرف یاب ہوتے رہے تہنیت کہتے تھے اور اپنے اپنے تحائف و ہدایا حضرت کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ اور منصور کا ایک خادم حضرت کے پیچھے کھڑا ان اموال کو لکھ رہا تھا۔ پھر ان تمام لوگوں کے بعد ایک بوڑھا مرد داخل ہوا۔ اور اس نے عرض کی۔ اے پیغمبر خدا کی دختر کے بیٹے۔ میں ایک فقیر آدمی ہوں۔ میرے پاس کوئی ایسا مال نہیں جسے آپ کی خدمت میں تحفہ کروں۔ لیکن آپ کی خدمت میں میرا ہدیہ یہ تین اشعار ہیں۔ جو میرے دادا نے آپ کے جدّ بزرگوار حسین بن علی علیہما السلام کی شان میں کہے ہیں۔

عجبا لمصقول علاک فرندہ - یوم الھیاج وقد علاک غبار

اس صیقل شدہ تلوار پر تعجب ہے جس کا جوہر آپ پر چھا گیا - جنگ (کربلا) کے دن حالانکہ آپ پر غبار بھی چھایا ہوا تھا۔

ولاسھم نفذ تک دون حرائر - یدعون جدک والدموع غزار

اور ان تیروں پر جو آپ تک پہنچ گئے جبکہ آپ مخدرات عصمت کی حفاظت کر رہے تھے۔ وہ مخدرات عصمت آپکے نانا کو پکارتی تھیں جبکہ ان کے آنسو بکثرت بہہ رہے تھے۔

الاّ تضعضعت السھام وعاقھا - عن جسمک الاجلال والاکبار

(ہائے) تیر کیوں نہ درماندہ ہو گئے۔ اور آپ کے اجلال و اکبار نے ان تیروں کو آپ کے جسم سے کیوں نہ روک لیا۔

حضرت نے فرمایا۔ میں نے تیرا یہ ہدیہ قبول کر لیا ہے۔ خدا تجھے برکت دے۔ پس آپ نے اپنا سر مبارک اس خادم کی طرف بلند کیا اور اس سے فرمایا۔ بادشاہ کے پاس جا اور اُسے اس مال کی تفصیل بیان کر اور پوچھ کہ اس مال کو کیا کرنا چاہئے۔ پس خادم گیا اور واپس آیا اور اس نے کہا کہ منصور کہتا ہے میں نے یہ سارا مال حضرت کو ہبہ کر دیا ہے۔ وہ اس مال میں جو کچھ چاہیں کریں۔ پس حضرت نے اس بوڑھے مرد سے فرمایا یہ تمام مال اُٹھا لے کیونکہ میں نے یہ سارا مال تجھے بخش دیا ہے۔

نیز اس مناقب میں یہ روایت کی گئی ہے کہ ابو عبد الرحمٰن السّلمی نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ایک فرزند کو سورہ حمد کی تعلیم دی۔ جب اس بچّے نے یہ سورۃ اپنے پدر بزرگوار جناب (امام حسین علیہ السلام) کے سامنے پڑھا تو جناب امام حسین علیہ السلام نے اس معلم کو ایک ہزار اشرفی اور ایک ہزار جامہ عطا فرمایا۔ اور اس کے منہ کو مروارید سے پُر کیا (عطا فرمائے)۔

پس کسی نے جرأت کر کے یہ کہا کہ حضرت نے اس معلم کو جو عطیہ دیا ہے۔ وہ اس کے کام سے بہت زیادہ ہے۔ پس حضرت نے فرمایا میرا یہ عطیہ اس معلم کے عطیہ یعنی تعلیم قرآن کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جو کچھ بھی اسے دیا جائے اس کام کے مقابلہ میں کم ہے۔

اور ابو علی پسر شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہما نے اپنی امالی میں حضرت موسٰی بن جعفر علیہما السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے آقا حضرت صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھا تھا کہ آپ کی خدمت میں اشجع اسلمی آپ کی مدح کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ پس اس نے حضرت کو بیمار پایا اور چپ ہو کے بیٹھ گیا۔ پس حضرت صادق علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ میری بیماری کی پرواہ نہ کر اور تو جس مطلب کے لئے آیا ہے اُسے ذکر کر۔ اس نے کہا البسك الله منه عافیه تا آخر اللہ آپ کو اس بیماری سے عافیت دے۔ اس نے چند اشعار پڑھے۔ پس حضرت نے غلام سے فرمایا۔ اے غلام تیرے پاس کیا ہے۔ اس نے عرض کی چار سو درہم ہیں۔ فرمایا وہ دراہم اشجع کو دیدے۔ پس اشجع نے وہ لے لئے۔ اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوا چلا گیا۔ پھر آپ نے فرمایا اسے واپس بلالاؤ۔ جس وقت وہ واپس آیا۔ عرض کی۔ میرے سردار! میں نے سوال کیا۔ آپ نے عطا کیا اور مجھے بے نیاز کر دیا۔ پھر مجھے کس چیز کے لئے واپس بلایا گیا ہے؟ فرمایا۔ مجھ سے میرے پدر بزرگوار نے بیان کیا۔ اُنہوں نے اپنے آبا و اجداد سے اور انہوں نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ و آلہ سے۔ کہ آپ نے فرمایا بہترین عطیہ وہ ہے جو نعمت کو باقی رکھے۔ یعنی لینے والے کیلئے دائمی ہو۔ اور جو کچھ میں نے تجھے دیا ہے اس کی نعمت دائمی نہیں ہے۔ یہ میری انگشتری ہے۔ اگر لوگ تجھے دس ہزار درہم دیں تو اسے بیچ دینا ورنہ اس کو فلاں وقت میں میرے پاس لے آنا۔ کہ میں تجھے اس وقت دس ہزار درہم دوں گا۔

اور قطب راوندی نے اپنی کتاب خرائج میں روایت کی ہے کہ جس وقت فرزدق شاعر نے ہشام کے سامنے حضرت سجاد علیہ السلام کی مدح میں اپنا مشہور قصیدہ پڑھا تو حضرت نے اس کے واسطے اشرفیوں کی ایک معین مقدار بھیجی۔ فرزدق نے ان اشرفیوں کو واپس کر دیا اور عرض کی۔ کہ میں نے وہ قصیدہ محض اپنے دین کے لئے پڑھا ہے۔ پس حضرت نے وہ اشرفیاں اس کو دوبارہ بھیجیں اور فرمایا کہ خداوند عالم تیرے اس کام پر راضی ہے۔ اور اس نے تجھے اس کے بدلے اجر آخرت عطا فرمایا ہے۔ اور جب ہشام نے اسے قید کیا تو حضرت نے اسے چھڑایا۔ اور جب حکام نے اس کا نام سلطنت کے وظیفہ خواروں کے رجسٹر سے محو کر دیا۔ تو اس نے حضرت کے پاس شکایت کی۔ آپ نے فرمایا اس وظیفہ کی مقدار کیا تھی؟ اُس نے وہ مقدار بتائی تو حضرت نے اسے آنے والے چالیس سال کا مال دیا۔ اس کے بعد فرزدق چالیسویں سال وفات پا گیا۔

اور شیخ کشی نے بھی اس واقعہ کو روایت کیا ہے۔ اور اس نے اس طرح لکھا ہے۔ کہ حضرت نے اس کو بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) درہم بھیجے۔ اور فرمایا۔ اے ابو فراس! ہمیں معذور سمجھ۔ اگر ہمارے پاس اس سے زیادہ ہوتے تو ہم تجھے ہر صورت عطا کرتے۔ پس فرزدق نے وہ دراہم واپس کر دیئے اور عرض کی۔ اے فرزند رسولؐ! میں نے وہ قصیدہ محض اس غصہ کی

وجہ سے پڑھا ہے جو مجھے خدا و رسولؐ کی خوشنودی کے لئے (ہشام) پر آیا تھا۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس (خوشنودی) سے کمی کروں۔ پس حضرت نے اس کو وہ دراہم واپس بھیجے۔ اور فرمایا کہ میں تجھے اپنے اس حق کا واسطہ دیتا ہوں جو میرا تجھ پر ہے۔ ان دراہم کو قبول کرلے۔ پس تحقیق خداوندِ عالم نے تیرا مرتبہ (خلوص) دیکھ لیا اور تیری نیت کو جان لیا ہے۔ پس فرزدق نے وہ دراہم قبول کرلئے۔

اور شیخ مفید طیب اللہ رمسہ نے کتاب اختصاص میں روایت کی ہے کہ کمیت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کیلئے ایک مدحیہ قصیدہ پڑھوں؟ حضرت نے اس کو اجازت دی پس اس نے ایک قصیدہ پڑھا۔ پھر حضرت نے فرمایا۔ اے غلام! اس کمرہ سے زری تھیلی لے آ۔ اور وہ کمیت کو دے۔ غلام وہ تھیلی لے آیا اور کمیت کو دیدی۔ پس کمیت نے عرض کی۔ میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں۔ کہ آپ کیلئے دوسرا قصیدہ بھی پڑھوں؟ فرمایا پڑھ۔ پس کمیت نے دوسرا قصیدہ بھی پڑھا۔ پھر آپ نے فرمایا اے غلام! اس کمرہ سے زری تھیلی لے آ اور وہ اس کو دے۔ پس غلام وہ تھیلی اس کمرہ سے لے آیا اور اس کو دیدی۔ پھر کمیت نے عرض کی۔ میں آپ پر قربان۔ مجھے اجازت ہے کہ میں تیسرا قصیدہ بھی جناب کیلئے پڑھوں؟ فرمایا اسے بھی پڑھ۔ پس اس نے اسے بھی جناب کیلئے پڑھا۔ اور آپ نے فرمایا اے غلام اس کمرہ سے زری تھیلی لے آ اور اسے دے۔ پس وہ لے آیا۔ اور اس کو دیدی۔ کمیت نے عرض کی۔ قسم بخدا! میں نے آپ کی مدح اس لئے نہیں کی کہ میں آپ سے مالِ دُنیا حاصل کروں گا۔ میں نے تو یہ تعریف محض رسولِ خدا کی خوشنودی کیلئے کی ہے۔ اور آپ کے اس حق کیلئے جو خدائے عزّ وجل نے میرے اوپر واجب کر دیا ہے۔ پس حضرت نے اُس کے حق میں دعا کی۔ اور غلام سے فرمایا۔ اس مال کو واپس لیجا کر اسی جگہ پر رکھ دے۔ پس غلام نے وہ مال اسی کمرہ میں لیجا کر رکھ دیا۔

اور علم الہدیٰ سید مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کتاب غرر و درر میں روایت کی ہے کہ دعبل بن علی اور ابراہیم بن العباس دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپ مامونؔ کی طرف سے ولیعہد تھے۔ پس دعبل نے یہ قصیدہ پڑھا۔

مدارس آیات خلت من تلاوۃ ومنزل وحی مقفر العرصات

آیات قرآنیہ کے مدرسے تلاوتِ قرآن سے خالی ہو گئے - اور وحی کے اترنے کے گھروں کے صحن خالی پڑے ہیں۔

اور ابراہیم بن عباس نے اپنا وہ قصیدہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

ازالت عزاء القلب بعد التجلّد مصارع اولاد النّبی محمّد صلے اللہ علیہ وآلہٖ

دلیری کے بعد دل کے صبر کو نبی محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ کی اولاد کی ہلاکتوں نے زائل کر دیا۔

پس حضرت نے ان دونوں شاعروں کو بیس ہزار درہم بخشے۔ جن پر حضرت کا اسم مبارک کندہ تھا۔ اور مامون نے جاری کئے تھے۔ دعبل اپنا نصف حصہ قم میں لے آیا۔ پس اہلِ قم نے اس سے یہ دراہم خرید لئے اور اسے ہر درہم کے بدلے دس درہم دئے

پس اس نے اپنا حصہ ایک لاکھ درہم پر بیچا۔ اور ابراہیم نے اپنا حصہ مرنے تک محفوظ رکھا۔ اور کتاب عیون میں روایت کی گئی ہے۔ کہ ابراہیم نے ان دراہم میں سے کچھ مقدار ہر ایک محتاج شخص کو دی۔ جس سے اس کی تجہیز و تکفین ہوئی۔ اور روایات میں اختلاف ہے۔ کہ دعبل کے اس مذکورہ قصیدہ مدارس آیات کے پڑھنے پر حضرت نے اسے کیا کچھ دیا۔ اور بعض روایات میں اس طرح مذکور ہے کہ حضرت نے اس کو ان دراہم کے علاوہ ایک انگشتری جس کا نگینہ عقیق سے تھا اور خز سبز سے بنا ہوا ایک پیراہن بھی عطا کیا اور فرمایا۔ اس پیراہن کو محفوظ رکھنا۔ کیونکہ میں نے اس میں ہزار شب، ہر شب میں ہزار رکعت نماز پڑھی ہے اور اس میں ہزار ختم قرآن کیا ہے۔ اور بعض روایات میں پیراہن کی بجائے جُبہ لکھا ہوا ہے۔ اور اس طرح بھی مذکور ہے کہ اہل قم نے دعبل سے وہ جبہ ایک ہزار اشرفی پر خرید لیا۔ اور اس جبہ سے ایک ٹکڑا دعبل کو دیا۔ کیونکہ اس جبہ سے معجزہ ظاہر ہوا تھا۔ اور دعبل نے وہ ٹکڑا اپنے کفن میں رکھ لیا۔ اور اخبار و روایات گزشتہ کی یہ مقدار مومنین کی تنبیہہ کے لئے کافی ہے۔

نیز ہم یہ کہتے ہیں کہ روضہ خوانوں کے گروہ پر اموال کا خرچ کرنا انفاقات کی افضل اقسام میں سے ہے۔ کیونکہ ایسا عمل حضرت سید الشہداء علیہ السلام کا ممدوح و مرغوب ہے۔ اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے اس عمل کیلئے ثواب عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

شیخ طریحی رحمہ اللہ نے کتاب مجمع البحرین میں روایت کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مناجات میں عرض کی۔ خداوندا۔ کس چیز کی وجہ سے تو نے امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو باقی امتوں پر فضیلت دی ہے؟ پس خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ میں نے اس کو دس خصلتوں کی وجہ سے فضیلت دی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔ وہ دس خصلتیں کون سی ہیں۔ کہ میں بھی بنی اسرائیل کو ان پر عمل کرنے کا حکم دوں۔ پس خداوند تبارک و تعالےٰ نے فرمایا۔ (۱) نماز (۲) زکوٰۃ (۳) روزہ (۴) حج (۵) جہاد (۶) جمعہ (۷) جماعت (۸) قرآن (۹) علم (۱۰) عاشوراء۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔ اے میرے پروردگار۔ عاشوراء کیا چیز ہے؟ فرمایا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے نواسہ (حسینؑ) پر گریہ کرنا اور رونا اور فرزند مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی مصیبت پر مرثیہ خوانی اور عزاداری کرنا۔ اے موسیٰؑ میرے بندوں میں سے جو بھی اس زمانہ میں فرزند مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ پر روئے گا یا گریہ کرے گا۔ یا ان کی عزاداری کرے گا۔ اس کے لئے (جنت) واجب ہو جائے گی۔ اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا

وما من عبد انفق فی محبتہ ابن بنت نبیہ طعاما
وغیر ذالک درھما الا و بارکت لہ فی دار الدنیا
الدرھم بسبعین درھما وکان معافی فی الجنۃ
وغفرت لہ ذنوبہ۔

جو بندہ بھی اپنے نبی (محمد مصطفےٰ) کی دختر کے پسر (امام حسین علیہ السلام) کی محبت میں کچھ طعام یا اس کے علاوہ ایک درہم خرچ کرے گا۔ میں اس کیلئے دار دنیا میں اس کے ایک درہم کے بدلے ستر درہم کی برکت دوں گا۔ اور وہ شخص جنت میں

باعافیت ہو گا۔ اور اُس کے گناہوں کو میں بخش دُوں گا۔

چونکہ اس شرط (اخلاص) میں اختصار ملحوظ خاطر ہے۔ اس لئے ہم اسی مقدار پر اکتفا کرتے ہیں۔

فصل دوم۔ صدق

یہ فصل روضہ خوانوں کے منبر کے زینۂ دوم کی شرط کے بیان میں ہے۔ جو کہ صدق ہے اور اس کی وضیح چند مقام کے ضمن میں ہوگی۔ اوّل صدق کی تعریف اور اس کے مرتبہ کی عظمت۔ دوّم جھوٹ بولنے کی مذمت اور دنیا و آخرت میں اس کے مفاسد کے بیان میں۔ سوّم جھوٹ بولنے کی عظیم ترین معصیت اور خداوند عالم تبارک وتعالےٰ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ و ائمہ طاہرین علیہم السلام پر بہتان باندھنے کی معصیت۔ چہارم جھوٹ کے اقسام واحکام میں اشارہ۔ پنجم اس مقام میں صدق اور راست گوئی سے کیا مراد ہے۔

مقام اوّل۔ صدق کی تعریف میں:۔ جان تو کہ سچائی کی خصلت اور راست گوئی کی سیرت افضل کمالات انسانیہ میں سے ہے۔ کہ جس کے حسن اور اس (صدق) کے ترک کرنے کی بُرائی پر ہر ملّت کے تمام عقلاء متفق اور متحد ہیں۔ یہاں پر کتاب وسنّت سے اس کے فضائل ومدائح ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ مگر ان میں سے کچھ فضائل کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اس صدق کے تبرک ویمنت اور آیات شریفہ اور ائمہ معصومین کے کلمات بلیغہ کے نور کے ساتھ خراب دلوں کے نورانی ہونے کے علاوہ اس میں اور بھی بہت سے ایسے فوائد ہیں جو قلوب کو صدق کے عروۂ وثقیٰ اور راست گوئی کی حبل متین کے تمسک واعتصام کی طرف مائل کرتے ہیں۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ اپنی ذات مقدس کی تعریف میں فرماتا ہے۔ ومن اصدق من اللہ حدیثا۔ بات کہنے اور وعدہ پورا کرنے میں خدائے تعالےٰ سے کون زیادہ راست گو اور سچا ہو سکتا ہے۔ اور دوسری جگہ پر فرمایا ومن اصدق من اللہ قیلا۔ اور اپنے بندوں کے ایک گروہ کی تعریف میں فرمایا۔ الصابرین والصادقین والقانتین والمنفقین والمستغفرین بالاسحار۔ سورہ آل عمران پ۳ ع ۱) یہی لوگ ہیں صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور خدا کے فرمانبردار اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی راتوں خدا سے توبہ واستغفار کرنے والے۔ اور نیز فرمایا۔

ھٰذا یوم ینفع الصادقین صدقھم لھم جنّات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ذالک الفوز العظیم۔ (پ۷ ع۶)	یہ وہ دن ہے کہ جس میں صادقین کو ان کی صداقت اور راستگوئی نفع دے گی۔ ان کے لئے باغات ہیں۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ درحالیکہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ خدائے تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ لوگ خدا سے راضی ہیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

اور فرمایا کونوا مع الصادقین۔ مومنین کو حکم دیا کہ تم سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اور خداوند عالم نے سورۂ احزاب میں اپنے بندوں میں سے مردوں اور عورتوں سے چند گروہوں کو ذکر فرمایا کہ ان میں سے کچھ مرد اور عورتیں راست گو ہیں۔ اور آخر میں فرمایا اعدّ اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما۔ خدا نے ان کے واسطے مغفرت اور ثواب عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

اور نیز فرمایا۔

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون لھم مایشاؤن عند ربھم ذالک جزاء المحسنین لیکفر اللہ عنھم اسوء الذی عملوا ویجزیھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون۔ پ۲۴ سورہ زمر ع۴۔

اور جو شخص (رسولؐ) سچی بات لیکر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ تو پرہیزگار ہیں۔ یہ لوگ جو چاہیں گے ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس موجود ہے۔ یہ نیکی کرنے والوں کی جزائے خیر ہے۔ تاکہ خدا ان لوگوں کی برائیوں کو جو انہوں نے کی ہیں دور کردے اور ان کے اچھے کاموں کے عوض جو وہ کر چکے تھے اس کا ان کو اجر و ثواب عطا فرمائے۔

...کے علاوہ اس مضمون کی بہت سی آیات ہیں۔ شیخ کلینی قدس سرہ نے کافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جس شخص کی زبان راست گو ہے اس کا عمل پاکیزہ اور مقبول ہے۔ نیز کافی میں جناب سے مروی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ اے لوگو! تم لوگوں کو بھلائی اور خیر کی طرف دعوت دینے والے ہو جاؤ۔ محض زبانی دعوت دینے والے نہ ہو بلکہ اس طرح ہو کر دوسرے لوگ تمہاری امر دین میں سعی اور کوشش دیکھیں اور گناہوں سے تمہارے انحراف و اجتناب کا ملاحظہ کریں۔ کیونکہ لوگ جس شخص میں عملی طور پر ان صفات کو دیکھتے ہیں تو نیکی کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ اور ان صفات کو اپنانے میں خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ آدمی ان کو امر و نہی نہ کرے۔ تو بھی وہ لوگ ان صفات کو حاصل کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ لوگ ان صفات کو اس شخص میں نہ دیکھیں۔ تو اس کا کسی کو کہنا اور نصیحت کرنا کسی طرح بھی فائدہ مند نہیں ہوتا اور نیز عمر بن ابی المقدام سے روایت کی گئی ہے۔ اس نے کہا۔ جب میں پہلی دفعہ حضرت باقر علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔ حدیث سے پہلے سچ کہنے کو یاد رکھ۔ یعنی حدیث کی روایت اور جمع و نقل کرنے سے پہلے راست گوئی کو اپنا شعار بنا۔ اور نیز ربیع بن سعد سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے اسے فرمایا۔ اے ربیع۔ تحقیق آدمی جب ہی سچ بولتا ہے۔ خدا اس کو صدیق کے نام سے لکھ دیتا ہے یعنی اس کا نام صدیقین کے دفتر میں درج ہو جاتا ہے۔

اور نیز کلینی و صدوق اور برقی رحمہم اللہ نے متعدد اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا۔ اے علی! میں تمہیں اپنی طرف سے چند خصائل کی وصیت کرتا ہوں "اے اللہ علی کی اعانت کر" کہ ان میں سے پہلی خصلت راست گوئی ہے۔ تیرے منہ سے کبھی کوئی جھوٹ ہرگز باہر نہ آئے۔ نیز جناب صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ خداوند عالم نے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر صدق کے ساتھ۔ یعنی جبکہ وہ پیغمبر راست گوئی اور نیک و بد آدمیوں کی ادائے امانت کی صفت رکھتا ہوتا۔ نیز جناب سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ لوگوں کی نمازوں اور روزوں سے دھوکا مت کھاؤ کیونکہ اکثر اوقات آدمی نماز و روزہ پر اتنا حریص ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت ادا نہ کرے تو گھبراتا ہے اور متوحش ہوتا ہے۔ یعنی زیادہ نمازیں پڑھنا اور روزے رکھنا کسی آدمی کی کوئی خوبی نہیں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نماز و روزہ اس کی عادت بنے ہوئے ہوں۔ لیکن ان کی آزمائش اور امتحان بات میں راست گوئی اور امانت کے واپس دینے کے ساتھ کرو۔

نیز ابی کھمس سے روایت کی گئی ہے کہ میں نے حضرت ابو عبداللہ یعنی حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ عبداللہ بن یعفور جناب کو سلام کہتا ہے۔ فرمایا تجھ پر اور اس پر سلام ہو۔ جب تو عبداللہ کے پاس جائے تو میرا سلام پہنچانا۔ اور کہنا کہ غور کر کہ کس چیز کی وجہ سے علی علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے مقرب ہوئے۔ یعنی جس خصلت کی وجہ سے اعلیٰ نیک صاحب مرتبہ ومقام ہوئے۔ پس اس خصلت کو تو محکم پکڑ۔ پس تحقیق علی علیہ السلام نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے نزدیک وہ رتبہ و مقام راست گوئی ورد امانت کے سبب سے پایا۔

نیز جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آدمی کے طولانی رکوع وسجود کو نہ دیکھو۔ کیونکہ (ہو سکتا ہے) وہ تو اس نے اپنی عادت بنائی ہوئی ہے۔ اگر اس عادت کو کسی وقت ترک کرے تو اسے وحشت وگھبراہٹ سی محسوس ہوتی ہے لیکن تم اس کی راست گوئی اور ردِ امانت کو دیکھو۔

نیز عبدالرحمن بن سیابہ سے روایت کی گئی ہے۔ کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ کیا میں تجھے وصیت نہ کروں۔ اس نے کہا میں نے عرض کی ہاں۔ میں آپ پر قربان ہو جاؤں مجھے وصیت کیجئے۔ فرمایا تو اپنے اوپر سچ کہنے اور صاحب امانت کی طرف امانت واپس کرنے کو لازم کرے۔ تاکہ تو لوگوں کے ساتھ ان کے اموال میں اس طرح شریک ہو جائے۔ اور آپ نے (یہ کلام فرماتے ہوئے) الفت واتصال کی تصویر دکھانے کے لئے اپنے دستِ مبارک کی انگلیوں کو جمع اور متصل کیا۔ راوی کہتا ہے۔ میں نے حضرت کی نصیحت کو یاد رکھا یعنی اس کے مطابق عمل کیا پس میں نے تیس ہزار درہم زکوٰۃ نکالی۔ یعنی اس عمل کی وجہ سے میرا مال اس مقدار تک پہنچا کہ جس کی زکوٰۃ اس قدر ہوئی۔ اور امالی صدوق علیہ الرحمۃ وکتاب جعفریات میں جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن تم تمام لوگوں سے میرے نزدیک تر۔ اور جس پر میری شفاعت واجب ہوگی وہ شخص ہوگا جو بات کرنے میں تم تمام سے زیادہ راست گو

نیز دوسری کتاب جعفریات) میں جناب رسولِ خدا سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ بات میں راست گوئی مکارم اخلاق میں سے ہے اور کتاب اخلاق ابو القاسم میں مروی ہے کہ ایک شخص نے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے سوال کیا کہ مومن کس علامت کے ساتھ پہچانا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے وقار ونرمی واطمینان اور بات میں اپنی راست گوئی کے ساتھ۔ اور امالی صدوق میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا خداوند تبارک وتعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین وہ شخص ہے جو اپنی بات میں انتہائی راست گو ہے۔ اور جو ردِ امانت کے ساتھ ساتھ اپنی نماز اور ہر اس چیز کی جو خداوند عالم نے اس پر واجب کر دی ہے محافظت کرنے والا ہے۔

نیز امالی اور کتاب عیون میں حضرت امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا لوگوں کی کثرت نماز روزہ اور کثرت حج و نیکی کو نہ دیکھو۔ اور نہ ہی رات کو مناجات وتضرع کے وقت ان کی آہستہ صداؤں کو دیکھو۔ بلکہ بات کہنے میں ان کی راست گوئی اور ردِ امانت کو دیکھو۔ اور کتاب تہذیب شیخ طوسی طاب ثراہ میں حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ چار چیزیں جس میں ہوں اُس کا ایمان کامل ہے۔ پھر اگر سر سے قدم تک اس کے گناہ ہوئے تو اس کے ایمان میں کچھ کمی نہ ہوگی (۱) سچائی (۲) ادائے امانت (۳) حیا (۴) حسنِ خلق۔ اور سبط شیخ طبرسی رحمہا اللہ نے کتاب مشکوٰۃ الانوار

میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ آدمی سچائی کو جھوٹ پر ایسی جگہ بھی ترجیح دے جہاں سچائی اُسے ضرر دے رہی ہو اور اسے جھوٹ سے کچھ منفعت حاصل ہو رہی ہو۔ اور اس کی گفتار اس کے کردار سے تجاوز نہ کرے۔ یعنی جو کچھ کہتا ہو وہی کرتا ہو۔ اور ایسی بات نہ کہتا ہو جسے خود نہ کرتا ہو۔ ظاہراً اس ضرر مذکور سے مراد منفعت کا حاصل نہ ہونا ہے نہ کہ مال وبدن یا ناموس یا اپنی عزت یا اپنے برادران ایمانی کی عزت میں خسارہ اور نقصان مراد ہے۔ کیونکہ ان مقامات میں تو توریہ کے ساتھ بات کرنا جائز ہے۔ بلکہ بعض حالات میں تو توریہ کے ساتھ بات کرنا واجب ہے۔

اور نہج البلاغہ میں یہ مضمون حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے (آپ نے فرمایا)

علامة الایمان ان توثر الصدق حیث یضرک علی الکذب حیث ینفعک۔	ایمان کی علامت یہ ہے کہ تو صدق کو کذب پر ایسی جگہ ترجیح دے جہاں تجھے صدق سے ضرر ہو رہا ہو۔ اور کذب تجھے نفع دے رہا ہو۔

نیز امیر المؤمنین علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ سچ کہنا نیکی کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ اور نیکی بہشت کی طرف دعوت دیتی ہے۔ جب تم میں سے کوئی آدمی ہمیشہ اس طرح سچ کہے کہ اس کے دل میں ایک سوئی کی مقدار جتنا جھوٹ نہ رہے تو وہ خداوند تبارک وتعالیٰ کے نزدیک راست گو شمار ہوگا۔ یعنی صدیقین کی سلک میں درج ہوگا۔

نیز جناب امیر المؤمنین علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے۔ کہ آپ نے ایک طولانی خطبہ کے ضمن میں فرمایا۔ اے لوگو! آگاہ رہو۔ راست گو ہو جاؤ۔ کیونکہ خداوند عالم سچوں کے ساتھ ہے۔ اور جھوٹ بولنے سے بچو کیونکہ جھوٹ ایمان سے دور ہے۔ اور آگاہ رہو کہ سچا محل نجات وکرامت میں ہے۔ اور آگاہ ہو جاؤ کہ جھوٹا تباہی اور ہلاکت میں ہے۔

نیز حضرت علی بن الحسین علیہما السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ چار چیزیں ہیں وہ جس شخص میں ہوں گی اُس کا اسلام کامل ہے۔ اور وہ اپنے گناہوں سے پاک ہے۔ اور وہ خداوند تبارک وتعالےٰ کے دربار میں ایسی حالت میں حاضر ہوگا کہ اللہ اس سے راضی ہوگا (۱) جو کچھ اس نے اپنے لئے عہد کیا یا دوسرے لوگوں کے ساتھ عہد کیا ہے اُس کا پورا کرنا (۲) لوگوں کے ساتھ اپنی زبان سے سچ بولنا (۳) حیا اور اس کا ہر اس چیز سے جو خداوند عالم کے نزدیک یا لوگوں کے ساتھ بُرائی منسوب ہوتی ہو اُس سے عفیف ہونا (۴) اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا خلق برتنا۔

اور کتاب مصباح الشریعۃ میں مذکور ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا کہ راست گوئی زمین و آسمان میں خداوند عزوجل کی شمشیر ہے۔ وہ کہ جس جگہ پر گرتی ہے۔ اس کو دو ٹکڑے کر دیتی ہے۔ اور حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ صدق اپنے عالم میں سورج کی طرح چمکتا ہوا نور ہے جس طرح سورج کہ اس کی وجہ سے ہر چیز اپنی حقیقت اور اصلیت کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے بغیر اس کے کہ اس چیز کے ظہور میں کچھ کمی ہو۔

اور دیلمی نے ارشاد القلوب میں روایت کی ہے کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ اہل جنت کا عمل کون سا ہے؟ یعنی وہ عمل کونسا ہے جو اپنے کرنے والے کو اہل بہشت میں سے کر دیتا ہے۔ فرمایا سچ کہنا۔ جب بندہ

راست گو ہو جاتا ہے تو نیک ہو جاتا ہے اور جب نیک ہو جاتا ہے تو اسے ایمان حاصل ہوتا ہے۔ یعنی اس کا ایمان کامل اور تمام ہو جاتا ہے۔ اور جب ایمان کامل ہوتا ہے تو وہ بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور امیر المؤمنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ کلام کی زینت راست گوئی ہے۔

اور قطب راوندی نے کتاب لُبِّ لباب میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ راستگوئی کو اپنا مقصود بناؤ اور اسی کو اختیار کرو۔ اگر تمہارے گمان میں اس میں ہلاکت ہے تو پس تحقیق اس میں حقیقۃً نجات ہے۔ اور نیز امیر المؤمنین علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جس زمانہ میں رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ نے فاطمہ علیہا السلام کی تزویج میرے ساتھ کی تو مجھے وصیت کی اور فرمایا۔ تو سچ کہنے کو اپنے اوپر لازم کر کیونکہ سچ بولنا مبارک ہے اور جھوٹ بولنا نحوست ہے۔

اور نیز روایت کی گئی ہے کہ آیہ شریفہ یا ایھا الذین اٰمنوا اذا ناجیتم الرّسول فقدّموا بین یدی نجوٰکم صدقۃ[1] (اے ایمان والو جب پیغمبر سے کوئی پوشیدہ بات کرنی چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات دے دیا کرو) جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی اور آپ کے سوا کسی شخص نے اس آیہ پر عمل نہیں کیا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ اس وقت آپ کے پاس ایک دینار تھا۔ اس کو دس درہم سے فروخت کیا۔ اور وہ دراہم دس مساکین کو عطا فرمائے۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے دس مسئلے دریافت کئے۔ اوّل۔ عرض کی۔ یا رسول اللہ! میں خدا سے کس چیز کی دعا کروں؟ فرمایا سچائی اور وفا (عہد) کی۔ دوم۔ عرض کی۔ خداوندِ عالم سے کس چیز کا سوال کروں؟ فرمایا عافیت کا۔ سوم۔ عرض کی۔ اپنی نجات کے لئے کیا کروں؟ فرمایا حلال کھاؤ اور سچ کہو۔

اور تفسیر شیخ ابو الفتوح میں مروی ہے کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا۔ علیکم بالصّدق فانّہ یھدی الی البرّ والبرّ یھدی الی الجنّۃ۔ تمہارے اوپر لازم ہے کہ سچ کہو کیونکہ سچ نیکی کرنے کی راہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے۔

اور دعائے شب جمعہ وغیرہ میں وارد ہے۔ اللّٰھم ارزقنا صدق الحدیث واداء الامانۃ والمحافظۃ علی الصّلوٰت۔ اے اللہ! ہمیں سچ کہنے واداے امانت اور نمازوں پر پابندی کرنے کی توفیق عطا فرما۔

مقام دوم۔ جھوٹ کہنے کی مذمّت اور دنیا و آخرت میں اس کے مفاسد کے بیان میں خدائے تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ انّما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون[2] غیر مومنین کے سوا کوئی شخص بھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اگر جھوٹ کی بُرائی کی وضاحت کے لئے کوئی چیز وارد نہ ہوتی تو یہی آیۂ کریمہ بہر صورت مقصود (مذمّتِ دروغ) کے لئے کافی اور وافی تھی۔ اور نیز خداوندِ عالم نے فرمایا۔ انّ اللّٰہ لا یھدی من ھو مسرف کذّاب[3] (بیشک خدا اس کو ہدایت نہیں کرتا جو حد سے گزرنے والا (اور) جھوٹا ہو) نیز فرمایا۔ لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین۔ (جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے)

اور کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ دروغ گو اور جھوٹے کی پہلے پہل خداوند عزّ و جلّ

[1] پ ۲۸ ع المجادلہ۔ [3] سورہ مومن پ ۲۴ ع ۹۔

تکذیب کرتا ہے اور اس کے بعد وہ دو فرشتے جو اس آدمی کے ساتھ ہیں۔ اس کے بعد خود وہ آدمی آپ اپنی تکذیب کرتا ہے یعنی کہتا ہے اس میں کچھ شک نہیں۔ اور یقیناً جانتا ہوتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ اور نیز اس کتاب (کافی) اور کتاب عقاب الاعمال میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ خداوند عزوجل نے برائیوں کے لئے قفل مقرر کئے ہوئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان قفلوں کی کنجی شراب کو بنایا ہے۔ اور جھوٹ شراب سے بھی بدتر ہے۔

مؤلف (صاحب کتاب) فرماتے ہیں۔ کہ جھوٹ کی شراب سے برائی اور بدی کے زیادہ ہونے کے بارے میں کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ جن میں سے کچھ تو اخبار و احادیث سے ظاہر ہوتی ہیں۔

اوّل یہ کہ جھوٹ کے مفاسد اور اس کی خرابیاں شراب کے مفاسد سے بہت زیادہ ہیں۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک دروغ اور جھوٹ کی وجہ سے کئی قتل ہو جاتے ہیں۔ کئی عورتوں کی عصمت دری ہو جاتی ہے اور کئی مال تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ کتاب جعفریات وغیرہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خداوند عزوجل زبان کو ایسا عذاب دے گا کہ اس طرح کا عذاب دوسرے اعضاء و جوارح میں سے کسی کو نہ دے گا۔ پس اس وقت زبان کہیگی۔ اے میرے پروردگار تو نے مجھے ایسے عذاب میں مبتلا کر دیا کہ ایسا عذاب دیگر اعضاء و جوارح میں سے کسی کو نہیں دیا۔ پس خداوند عالم اس سے فرمائے گا (اے زبان) تجھ سے ایک کلمہ باہر آیا جو مشرق و مغرب تک پہنچ گیا۔ پس اس کی وجہ سے کئی بے گناہ خون بہائے گئے۔ اور اس کی وجہ سے کئی ناجائز اور حرام اموال حاصل کئے گئے۔ اور کئی عورتوں کی عصمت دری ہوئی۔ پس مجھے اپنی عزت کی قسم میں تجھے ایسا عذاب دوں گا کہ اس قسم کا عذاب تیرے دوسرے اعضاء و جوارح میں سے کسی کو نہ دوں گا۔ اور آیہ شریفہ ان جاءکم فاسق بنباءٍ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجہالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین۔ میں اسی مفسدہ کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ حاصل ترجمہ یہ ہے کہ جب ایسا فاسق جو جھوٹ کہنے کی پرواہ نہ کرتا ہو اگر تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس میں صبر سے کام لو اور جلد بازی نہ کرو۔ اور اس خبر کے سچے اور جھوٹے ہونے میں تفحص کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس خبر کے صدق و کذب کے متعلق جستجو نہ کرنے کی وجہ سے کسی قوم کو رنج و تکلیف میں مبتلا کردو۔ پھر اپنے کئے پر پشیمان ہوتے رہو اور اس فاسق سے مراد ولید بن عقبہ بن ابی معیط ہے۔ چنانچہ ارباب سیر و تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ نے فتح مکہ کے بعد اس کو بنی مصطلق کی طرف اس لئے بھیجا تاکہ وہ ان سے (اموال) زکوٰۃ وصول کرے۔ اور جاہلیت کے زمانہ میں ولید اور بنی مصطلق کے درمیان عداوت تھی۔ جب ان لوگوں نے اسے دیکھا تو فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ کی تعظیم کے واسطے اس کے استقبال کے لئے (اپنے گھروں سے) باہر نکلے۔ اس نے خیال کیا کہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ان سے ڈرا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ کی خدمت میں پہنچا۔ اور عرض کی یا رسول اللہ بنی المصطلق مرتد ہو گئے ہیں اور وہ زکوٰۃ نہیں دیتے اور مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ کو غصہ آیا۔ اور آپ نے چاہا کہ ان کی جنگ کیلئے روانہ ہوں اتنے تک وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی۔ یا رسول اللہ۔ آپ کا قاصد ہمارے پاس آیا۔ ہم نے اس کی عزت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ جب اس نے ہمیں دیکھا تو واپس لوٹ آیا۔ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ اس کے واپس آنے کا کیا سبب ہے۔

——اب ہم آئے ہیں۔ ہم نے دل میں سوچا کہ کہیں اُس نے ہمارے متعلق خلافِ حق نہ کہا ہو۔ جس کی وجہ سے آپ کو ناراضگی پیدا ہو۔ ہم اموال زکوٰۃ دینے کو تیار ہیں۔ کوئی شخص آئے اور ہم سے وصول کر کے لے آئے۔ القصّہ ولید فاسق کے جھوٹ کا نتیجہ اس قبیلہ کی تباہی تھی۔ جو خداوندِ عالم کی مشیّت کے خلاف تھی۔ اور اللہ تعالےٰ نے اس آیہ کو نازل فرمایا۔ جس کی وجہ سے اس خبر کے تفحص کے بعد اس کا جھوٹ معلوم ہُوا اور وہ خود رُسوا ہُوا۔

دوّم یہ کہ اکثر اوقات جھوٹ سے متعلق اور دروغ کا محل حقوق ناس ہوتے ہیں۔ اور اس دروغ کی وجہ سے دوسرے آدمی کی جان و مال اور اس کی عزّت کو رنج اور اذیّت پہنچتی ہے۔ اور شراب نوشی میں سوائے حق اللہ کے اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ لہذا شراب نوشی دروغ گوئی سے زیادہ حضرت منّان (خداوند عالم) کے عفو و غفران کے نزدیک ہوتی ہے۔ کیونکہ دروغ گوئی حق اللہ کے ساتھ ساتھ اکثر اوقات بہت سے لوگوں کے حقوق سے بھی متعلق ہوتی ہے۔

سوّم یہ کہ دروغ اصل ایمان کو ضرر پہنچاتا ہے۔ اور ایمان کی اساس کو کمزور اور اس کی بنا کو منہدم کرتا ہے چنانچہ کتاب کافی میں حضرت امام محمّد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا الکذب خراب الایمان۔ دروغ انتہائی طور پر مخرّب ایمان ہے۔ اور کتاب محاسن برقی میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت رسول صلے اللہ علیہ و آلہٖ سے پوچھا۔ کیا مومن بزدل اور ڈرپوک ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں۔ پھر اُس نے عرض کی۔ کیا بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں۔ عرض کی کیا مومن دروغ گو (جھوٹا) ہو سکتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ اور کتاب اختصاص شیخ مفید قدس سرہٗ میں مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں۔ عرض کی بزدل ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں۔ اس نے عرض کی کیا مومن دروغ گو ہو سکتا ہے؟ فرمایا نہیں اور نہ مومن ظالم ہو سکتا ہے۔ اس وقت آپ نے فرمایا مومن سوائے خیانت اور دروغ گوئی کے ہر طبیعت پر پیدا ہو سکتا ہے۔ اور کتاب کافی میں حضرت امیر المومنین علیہ الصّلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ واللہ تم اتنے تک ایمان کی لذت اور مزہ نہیں چکھ سکتے جتنے تک دروغ کو نہ چھوڑو چاہے وہ سنجیدگی کے طور پر ہو یا مزاح اور خوش طبعی کے طور پر۔ اور روایت میں گزرا ہے کہ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا کہ دروغ سے دُوری اختیار کرو۔ کیونکہ دروغ ایمان سے دُور ہے۔ اور کتاب دعوات قطب راوندی علیہ الرحمۃ و مجموعہ شیخ ورّام رحمہ اللہ میں مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ سے پوچھا کہ مومن زنا کرتا ہے؟ فرمایا کبھی ایسا ہوتا ہے۔ عرض کی مومن چوری کرتا ہے؟ فرمایا کبھی ایسا ہوتا ہے۔ عرض کی یا رسول اللہ مومن دروغ کہتا ہے؟ فرمایا نہیں (کیونکہ) خدائے عزّ و جلّ نے فرمایا ہے۔ انّما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون۔ حقیقت میں دروغ وہی لوگ باندھتے ہیں جو ایماندار نہیں ہوتے۔ اور تفسیر عیاشی میں مروی ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے ایک دروغ گو آدمی کا ذکر فرمایا اس وقت اس آیہ شریفہ کو تلاوت کیا۔ لیکن شراب جو ہے۔ اس کا اثر شرابخوار کے بدن میں چالیس روز تک باقی رہتا ہے۔ اسی واسطے اس کی نماز چالیس روز تک درجۂ قبولیت سے بھی ساقط رہتی ہے۔

چہارم یہ کہ دروغگو نظم معاش کے مختل ہونے اور خلائق کے امور عامہ بلکہ شرابخوار کے امور کے فاسد ہونے کا بھی سبب ہوتا ہے۔ کیونکہ نوع انسان ایک دوسرے کے ساتھ مربوط و مخلوط ہے اور شہادات و رسالات اور معاملات و وکالات و اقرار کے مقامات میں اور ان جیسی اور چیزوں میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اور دروغ گو آدمی جس چیز کی خبر دے۔ لوگ اس پر اعتماد نہیں کرتے۔ اور اس کے کلام کو سچا نہیں سمجھتے چاہے وہ کلام اس کے اپنے امور سے متعلق ہو یا باقی لوگوں کے امور سے تعلق رکھتا ہو۔ پس (اس وجہ سے) اکثر کام رُکے رہیں گے اور امور مختل ہوں گے۔ اور تمام لوگوں کا نظم معاش درہم برہم رہیگا۔

اور کتاب کافی میں امیرالمؤمنین علیہ السلام سے مروی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا بہتر ہے کہ مرد مسلم دروغ گو آدمی سے برادری اور اخوت قائم نہ کرے۔ کیونکہ دروغ گو شخص اس قدر جھوٹ بولتا ہے کہ اگر کسی وقت سچ بھی کہے تو لوگ اس کی تصدیق نہیں کرتے۔

نیز کتاب کافی کے دو مقام میں کچھ اختلاف الفاظ اور تھوڑی سی تغیر کے ساتھ مروی ہے۔ کہ امیرالمؤمنین علیہ السلام جس وقت منبر پر تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا مسلمان کے لئے بہتر ہے کہ تین اشخاص کی مصاحبت سے اجتناب کرے۔ حضرت نے ان تین اشخاص کو شمار کیا جن میں سے تیسرا شخص کذّاب ہے۔ پھر ان تینوں میں سے ہر ایک کے حالات کی شرح کے بعد آپ نے فرمایا۔ لیکن کذّاب کے ساتھ تجھے زندگی گزارنا گوارا نہ ہوگی۔ کیونکہ دروغ گو کی حالت یہ ہے کہ وہ تیری باتیں دروغ کے ساتھ دوسرے آدمیوں کے ہاں نقل کرتا ہے۔ اور ان کی باتیں تیرے پاس۔ اور جب بھی اس چیز کے اختتام کو پہنچتا ہے تو جھوٹ کے ذریعہ ایک واقعہ عجیبہ کی نقل کو دوسرے واقعہ عجیبہ کی نقل کے ساتھ متصل کر دیتا ہے۔ اور دروغ گو بسا اوقات سچ بولتا ہے۔ لیکن لوگ اس کو سچا نہیں سمجھتے نیز دروغ گو کی حالت یہ ہے کہ وہ جھوٹی باتوں کے نقل کرنے کی وجہ سے لوگوں میں دشمنی اور عداوت ڈال دیتا ہے۔ جس کے بعد ان کے سینوں میں کینہ و حسد کی تربیت کرتا رہتا ہے۔ پس عذاب خدا سے بچو۔ اور اپنا خیال رکھو کہ کہیں اس کی باتیں نہ مانتے رہو۔ اور اس (دروغگو) کی جھوٹی باتوں کو نقل کر کے ایک دوسرے میں عداوت نہ ڈالو۔ اور اس کے ساتھ مصاحبت نہ کرو۔ اور کذاب کی مصاحبت اور اس کے ساتھ برادری و اخوت قائم کرنے کی نہی میں کئی اخبار و احادیث وارد ہوئی ہیں۔

پنجم یہ کہ شرابخوار جب اپنے کام (مے نوشی) سے پشیمان ہو اور استغفار کرے تو حقیقتہً وہ درست ہو جاتا ہے۔ اور شرابخواری کے عواقب و عقوبات سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن دروغگو کے لئے ندامت اور طلب مغفرت کے بعد ضروری ہے کہ جو مفاسد اس کی جھوٹی باتوں کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں اور جن میں لوگ مبتلا ہوئے یا ان کے مال و جان اور عزت کو نقصان پہنچا ہے۔ ان تمام سے عہدہ برآ ہو۔

ششم یہ ہے کہ شرابخوار اگر مطاع حاکم شرع کے پاس توبہ کرے جس طرح کہ (کتب) فقہ میں مذکور ہے تو اس کی توبہ قبول ہے۔ اور اس کی شہادت مقبول ہو جائے گی۔ یا فی الجملہ خصوصیت سے شہادت کے ایک مقام میں اختلاف ہے۔ لیکن دروغ گو اگر توبہ کرے بھی اور شہادت دے تو اس کی قبولیت میں اشکال ہے۔ کیونکہ اس کی دروغ بولنے کی عادت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ حاکم شرع

اوراس کے علاوہ دوسرے لوگ اس کی توبہ کی صداقت پر وثوق واطمینان کریں۔کیونکہ اس کی عادت کو دیکھتے ہوئے احتمال قوی حاصل ہوتا ہے کہ اس نے اپنے اس کلام (توبہ و شہادت) میں بھی جھوٹ کہا ہو۔پس اس کی شہادت محل ریبہ و تہمت ہوگی۔جس طرح کہ فقہ میں بالتشریح مذکور ہے۔

ہفتم یہ کہ عام طور پر دروغ بولنے کی داعی اور محرک دنائتِ طبع و پستیٔ نظرت اور حرص ہوتی ہے۔جس طرح کتاب غایات جعفر بن احمد قمی علیہ الرحمۃ میں جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ دروغگو شخص کی مروّت تمام لوگوں سے کمتر ہے اور یہ بحث عنقریب ذکر ہوگی کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے وصایا میں امام حسن علیہ السلام سے فرمایا والکذب ذلّ (کذب ذلت ہے۔اور کتاب اختصاص شیخ مفید نور اللہ مرقدہ میں جناب (امیر المومنین علیہ السلام) سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کوئی دروغگو دروغ نہیں کہتا مگر اپنے نفس کی ذلت اور پستی کی وجہ سے اور کبھی اس طرح حسد اور عداوت کی وجہ سے ہوتا ہے۔جو کہ اس کو کسی مومن پر دروغ باندھنے کے لئے مجبور کردیتے ہیں۔لیکن شرابخوار جس طرح کہ اہل عرف نقل کرتے ہیں علوِ ہمت اور عادتِ سخاوت رکھنے والا ہوتا ہے۔اگرچہ اس کی عطا اور بذل اموال اکثر اوقات میں غیر موقع ومحل پر ہوتے ہیں۔لیکن اس کی اصل خصلتِ نفسانیہ سخاوت اور علوِ ہمت محبوب اور مرغوب الی الناس ہے۔اور وہ خصلت (سخاوعلو ہمت) کذّاب کی صفت قبیحہ حرص وبخل اور رذالتِ طبع وپستیٔ نظرت سے افضل واشرف ہے۔

ہشتم یہ کہ شرابخوار اپنے افاقہ کے وقت عام طور پر خجل وشرمندہ ہوتا ہے۔لوگوں سے حیا کرتا ہے۔کیونکہ وہ خود اپنے جرم کی برائی کو جانتا ہے۔اور یہ نہیں چاہتا کہ کوئی شخص اُس کے اس جرم سے واقف ہو اور یہ صفت حیا نیز پسندیدہ اور تمام عقلاء کے نزدیک ممدوح ہے بخلاف دروغ گو کے کیونکہ اس نے تو حیا کے پردہ کو پھاڑا ہوا ہے۔نہ اپنے آپ شرمندہ ہوتا ہے اور نہ ہی لوگوں سے شرم کرتا ہے۔جو چاہتا ہے کہہ دیتا ہے۔اور جو کچھ اسے لوگ کہتے ہیں اُس کی پرواہ نہیں کرتا۔اور یہ بات صفاتِ مذمومہ میں سے ہے کہ جس سے ہر عقلمند متنفر اور اس صفت کے حامل کو انسانیت کے دائرہ سے باہر سمجھتا ہے۔

نہم یہ ہے کہ جو شرور اور مفاسد شرابخوار سے ظاہر ہوتے ہیں وہ اس کی بے شعوری اور بے عقلی کی حالت میں ہوتے ہیں۔بخلاف ان شرور اور مفاسد کے جو دروغگو سے پیدا ہوتے ہیں۔کیونکہ یہ (دروغگو) جو کچھ کرتا ہے اپنے شعور اور ادراک کی حالت میں کرتا ہے۔اور ان مفاسد کو شعور وادراک کی حالت میں کرنے کی برائی اور قبح ان کو بے شعوری کی حالت میں کرنے سے کہیں زیادہ اور بڑھکر ہے۔اور مرحوم آخوند ملا محمد صالح نے شرح کتاب کافی میں اسی چیز کی طرف اشارہ کیا ہے۔

دہم یہ کہ انسان کی حیوان پر تمیز اور اس کی اس پر شرافت اور بزرگی کا عمدہ اسباب سخن کہنا اور کلام کرنا ہے۔جس کے ذریعہ ہر آدمی دوسروں کو وہ چیزیں بتلاتا ہے جن کو وہ نہیں جانتے ہوتے۔اور یہ چیز (افادہ واستفادہ) اتنے تک ہو ہی نہیں سکتی جتنے تک کہ وہ صادق نہ ہو اور واقع کے مطابق خبر نہ دے اور ہر شخص جو کچھ جانتا ہوتا ہے دوسرے لوگوں کو بتلاتا ہے۔پس اگر اس چیز کی بنا ہی دروغگوئی اور جھوٹ ہو تو انسان کی حیوان پر شرافت وبزرگی اور تمیز کا سبب یکدم انسان وحیوان کے درمیان سے اُٹھ جائے گا۔بلکہ صفتِ شیطانیت پیدا

ہو جائے گی۔ اسی وجہ سے دروغ گوئی شراب سے بدتر ہے۔ کیونکہ شراب اگرچہ عقل کو زائل کرتی ہے۔ لیکن شرابخوار کی یہ بے ہوشی اور بے عقلی چند ساعت سے زیادہ نہیں ہوتی۔ پس کچھ دیر کے بعد شرابخوار سے خود بخود دور ہو جاتی ہے۔ واللہ العالم۔ اب ہم کلام سابق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

کتاب جامع الاخبار میں مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ نے فرمایا۔ جب کوئی مومن کسی عذر کے بغیر دروغ کہے تو اس کو ستر ہزار ملائک لعنت کرتے ہیں۔ اور اس کے قلب سے ایسی بدبو باہر نکلتی ہے جو بلند ہوتی ہے۔ اور عرش تک پہنچتی ہے پس اس کو حاملین عرش لعنت کرتے ہیں۔ اور خداوند عالم اس کے لئے ایک دروغ کے بدلے ستر زنا لکھتا ہے جن میں سے کم سے کم ایسا زنا ہو گا جو کسی نے اپنی ماں سے کیا ہو۔

اور نیز روایت کی گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔ اے میرے پروردگار عمل میں تیرے بندوں میں سے کونسا آدمی بہتر ہے۔ فرمایا وہ شخص جس کی زبان دروغ نہ کہتی ہو اور جس کی فرج زنا نہ کرتی ہو۔

اور کتاب کافی میں مروی ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے خطب میں سے ایک خطبہ کے ضمن میں فرمایا۔ کوئی بدی دروغگوئی سے بدتر نہیں ہے۔

اور کتاب دعائم الاسلام میں حضرت (امیرالمومنین علیہ السلام) سے ایک طولانی وصیت روایت کی گئی ہے۔ جو آپ نے بوقت وفات اپنے فرزند امام حسن علیہ السلام اور اپنی باقی اولاد اور شیعوں سے کی اور اس کو لکھا۔ اور اس کے فقرات میں سے ایک فقرہ یہ ہے: ہر دلا تخرجن من افواھکم کذبۃ ما بقیتم۔ جب تک تم زندہ رہو ضروری ہے کہ اپنے مونہوں سے باہر نہ نکالو یا تمہارے مونہوں سے باہر نہ نکلے ایک جھوٹ بھی۔

اور کتاب شہاب قاضی قضاعی میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ سے مروی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا تمام گنہگاروں سے بڑا گنہگار دروغگو ہے۔

اور ابوالقاسم کوفی نے کتاب اخلاق میں روایت کی ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ کی خدمت میں عرض کی۔ یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل تعلیم کیجئے جس کے ذریعہ میں خداوند عز وجلّ کے نزدیک متقرب ہو جاؤں۔ فرمایا دروغ نہ کہنا۔ پس یہ چیز (ترک دروغ) خدائے تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے تمام معاصی اور گناہوں کے ترک کرنے کی موجب بنی۔ کیونکہ وہ معاصی میں سے جس بھی معصیت کے کرنے کا ارادہ کرتا تھا۔ تو دیکھتا تھا کہ اس میں دروغ ہے۔ یا کوئی ایسی چیز ہے جو دروغ کی طرف لے جاتی ہے پس اس چیز (ترک دروغ) نے تمام معاصی اور گناہوں سے اُس کو دُور کر دیا۔ اور اس کی نظیر وہ روایت ہے جو کتاب فقہ الرضا میں مروی ہے کہ ایک شخص رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی صفت وادب تعلیم فرمائیے کہ جس سے مجھ خیر دنیا و آخرت حاصل ہو۔ فرمایا دروغ نہ کہنا۔ پس اُس شخص نے کہا۔ پہلے مجھے کچھ ایسے حالات پیش آئے جو خداوند تبارک وتعالیٰ کے ناپسندیدہ تھے۔ یعنی چند ایک گناہوں میں مبتلا تھا۔ پس میں نے ان کو اس ڈر کی وجہ سے ترک کر دیا کہ اگر کوئی پوچھنے والا مجھ سے سوال کرے گا کہ کیا تو نے فلاں کام (گناہ) کیا ہے؟ (تو اگر میں بتاؤں گا) تو رسوا ہوں گا۔ اور اگر اس کے جواب میں جھوٹ کہوں گا تو میں رسول خدا صلی اللہ علیہ

وآلہ کی اس تعلیم میں مخالفت کروں گا جو آنجناب نے مجھے دی ہے۔ اور اس روایت کی تیسری نظیر کتاب لُبِّ لباب قطب راوندی علیہ الرحمہ میں مروی ہے کہ ایک شخص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ مَیں نماز نہیں پڑھتا اور زنا کرتا ہوں۔ دروغ بولتا ہوں۔ پس ان گناہوں سے کس گناہ سے توبہ کروں؟ فرمایا دروغ سے۔ پس اس شخص نے حضرت کے اس حکم کو قبول کیا اور عہد کر لیا کہ وہ دروغ نہ کہیگا۔ جب واپس گیا اور زنا کرنے کا قصد کیا۔ پس اپنے دل میں کہا۔ اگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے مجھ سے اس عہد کے بعد جو میں نے کیا ہے پُوچھا۔ اگر میں نے کہا نہیں (میں نے کوئی گناہ نہیں کیا) تو یہ میرا دروغ ہوگا۔ اور اگر میں نے کہا ہاں (میں نے فلاں گناہ کیا ہے) تو مجھے حد لگائیں گے۔ پھر اس وقت اس نے چاہا کہ نماز میں تساہل کرے۔ پس اس نے اپنے دل میں کہا۔ کہ اگر مجھ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ پوچھیں گے کہ تو نے نماز پڑھی؟ اگر مَیں کہوں گا ہاں مَیں نے پڑھی تو یہ میرا دروغ ہوگا۔ اور اگر کہوں گا نہیں (مَیں نے نہیں پڑھی) تو مجھے سزا دیں گے۔ پس اس نے ان تینوں گناہوں سے توبہ کر لی۔

نیز کتاب اخلاق ابوالقاسم میں مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا۔ تین چیزیں منافق کی علامت ہیں۔ اگر خبر دے تو دروغ کہے۔ اور اگر کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو خیانت کرے اور اگر وعدہ کرے تو خلافِ وعدہ کرے۔

اور کتاب مصباح الشریعۃ میں مذکور ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ دروغ اور خیانت کی کم پرواہ کرنا منافق کی علامت ہے۔ اس وقت آپ نے منافق کے بہت سے دیگر اوصاف رذیلہ بھی شمار فرمائے۔

اور شیخ شہید اوّل رحمہ اللہ نے کتاب الدرۃ الباھرہ میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ تمام خبائث کو ایک مکان میں بند کیا گیا ہے اور اس مکان کی کنجی دروغ کو بنایا گیا ہے۔

اور کتاب تحف العقول میں مروی ہے کہ حضرت کاظم علیہ السلام نے ہشام بن الحکم سے فرمایا۔ اے ہشام عقلمند آدمی جس قدر بھی دروغ میں میل وخواہش ہو۔ وہ دروغ نہیں کہتا۔

اور نہج البلاغہ میں مروی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی ان وصایا میں جو آپ نے امام حسن علیہ السلام سے کیں فرمایا۔ تمام امراض سے بدترین مرض دروغ ہے۔ اور کتاب لب لباب قطب میں مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا۔ دروغ ایمان سے دُور ہے۔ اور دروغ گو کی رائے کے ساتھ کوئی رائے نہیں ہے یعنی مقام مشورہ میں اس کی رائے پر کوئی عمل نہ کرنا چاہیے۔ نیز آنجناب سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ دروغ کہنے سے دُوری اختیار کرو۔ اگر تمہارا گمان ہو کہ اس میں نجات ہے پس تحقیق اس میں تمہاری ہلاکت ہے۔ نیز فرمایا دروغ سے بچو کیونکہ وہ فسق ہے۔ اور ان دونوں (دروغ اور فسق) میں سے ہر ایک آتش دوزخ میں (لے جانے والا) ہے۔ اور نیز فرمایا بندہ جب دروغ کہتا ہے۔ تو فرشتہ اس سے اس تعفّن کی وجہ سے دُور ہو جاتا ہے جو اس (کے منہ) سے باہر آتا ہے۔ نیز فرمایا مومن کی صفات قبیحہ پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن دروغ کہنے پر اس کی پیدائش نہیں ہو سکتی۔

اور کتاب ارشاد القلوب دیلمی میں مروی ہے کہ ایک شخص نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں عرض کی۔ یارسول اللہ اہل دوزخ کا عمل کون سا ہے؟ فرمایا۔ دروغ کہنا جبکہ بندہ دروغ کہے تو فاجر ہو جاتا ہے۔ اور جب فاجر ہُوا تو کافر ہو جاتا ہے اور

جب کا ذکر ہوا تو داخلِ دوزخ ہو جاتا ہے۔ اور کتاب جعفریات وغیرہ میں آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ شیطان کیلئے ایک سرمہ ہے اور ایک گُھٹی ہے اور ایک نسوار ہے۔ پس اُس کا سُرمہ نیند ہے اور اُس کی گُھٹی دروغ کہنا ہے اور اس کی نسوار کبر و نخوت ہے۔ اور کتاب دعوات راوندی و منتخب البصائر حسن بن سلیمان حلی میں آنجنابؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اور بروایت حلی آپ نے اپنے اس خطبہ میں جو غزوۂ تبوک کی طرف روانگی کے وقت پڑھا فرمایا اربی الربوا الکذب۔ ربا جس کی معصیت کی بڑھائی معلوم ہے اس کی تمام اقسام میں سے عظیم ترین اور بدترین قسم دروغ کہنا ہے۔ پس دروغ ربا کی اقسام میں سے شمار اور اس کی باقی تمام اقسام میں سے خراب تر ہے۔ اور احتمال ہے کہ اس (حدیث) سے یہ غرض ہو کہ جو زیادتی دروغ سے پیدا اور نشر ہوتی ہے وہ ہر رباؤی معاملہ کی زیادتی سے زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر رباؤی معاملہ میں زیادہ سے زیادہ ربا تیس فیصدی یا چالیس فیصدی بحسب متعارف ہوتا ہے۔ اور (ادھر) ایک کلام دروغ سے شاید ہزارہا دروغ متولد ہو جائیں۔ اور ان تمام دروغوں کا فساد (گناہ) اس کاذب کو پہنچ جائے۔ بغیر اس کے کچھ بھی کسی شخص (ناقل و دیگر کاذبین) کے گناہ سے کچھ کمی ہو۔

اور کتاب خصال صدوق علیہ الرحمہ میں مروی ہے کہ رسولِ خدا صلوات اللہ و سلامہ علیہ و آلہ نے فرمایا۔ اے علی! میں آپ کو تین بڑی خصلتوں سے منع کرتا ہوں اور وہ حسد و حرص اور دروغ ہیںؑ۔ نیز آنحضرت سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ پائی گئیں وہ منافق ہے۔ اور اگر کسی میں ان چار میں سے ایک پائی گئی تو اس میں نفاق کی ایک خصلت رہے گی جب تک کہ اسے اپنے آپ سے دُور نہ کرے گا (۱) وہ شخص جو کسی بات کو نقل کرے تو اس میں دروغ کہے (۲) جب وعدہ کرے تو اپنے وعدہ کے خلاف کرتا ہو (۳) اگر معاہدہ کرے تو وفا نہ کرتا ہو (۴) جب کسی شخص سے مخاصمہ کرے تو گنہگار ہوتا ہو۔ نیز آنجنابؐ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ میں ضامن ہوں ایک گھر گوشۂ جنت میں لے دینے کا اور ایک گھر وسطِ جنت میں اور ایک گھر بالائے جنت میں لے دینے کا اس شخص کیلئے جو مجادلہ سیئہ کو ترک کرے اگرچہ حق پہ ہو۔ اور اس شخص کیلئے جو دروغ کہنا ترک کرے چاہے وہ مسخری میں ہو یا سنجیدگی میں اور اس آدمی کے لئے جس کا خلق اچھا ہو۔

نیز امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ دروغ بولنے کی عادت بنانا مورث فقر ہے۔ نیز آنجناب سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ دروغ کہنا خداوند عالم کی امانت زبان میں خیانت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو اس زبان میں اس قسم کے تصرف (دروغ کہنے) سے منع فرمایا ہے۔

اور کتاب کافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے فرمایا جو شخص زیادہ دروغ کہے اس کے چہرہ کی رونق اور حُسن برطرف ہو جاتے ہیں۔ اور صدوق علیہ الرحمہ نے کتاب آمالی میں اسی مضمون کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ سے نیز روایت کیا ہے۔

نیز کتاب کافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا منجملہ ان چیزوں کے کہ جس چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ اور جس چیز کے ذریعہ وہ لوگ جھوٹوں کی جماعت پر غالب ہوتے ہیں وہ فراموشی ہے۔ اور اس روایت میں اس مشہور مقولہ کی طرف اشارہ ہے کہ دروغ گو حافظہ ندارد۔ اسی وجہ سے تو دروغگو آدمیوں سے متناقض باتیں اور مختلف گفتگوئیں بہت زیادہ صادر

لہ اس کلام میں دوسروں کو سمجھانا مقصود ہے۔ اور یہ کلام اقول لک واسمعی یا جارہ کے قبیل سے ہے۔ نظر

ہوتی ہیں جن کی وجہ سے خود رسوا ہوتے اور اپنی دروغگوئی کو واضح کرتے ہیں۔ نیز آنخاب سے روایت کی گئی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا دروغ گو از روئے یقین یعنی از روئے علم و یقین ہلاک ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہوتا ہے کہ جس طرح وہ کہہ رہا ہے (حقیقت میں) اس طرح نہیں ہے اور ان کی پیروی کرنے والے اس لئے ہلاک ہوتے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں سچ ہے۔ باوجودیکہ وہ محکماتِ کتاب و سنّت کے مخالف ہوتا ہے۔ اور دروغگو لوگوں کے افراد کاملہ ضلالت کے رؤساء اور گمراہوں کے پیشوا ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں کے دروغ باندھنے اور ان کی پیروی کرنے والوں پر ان دروغوں کے مشتبہ ہونے کی کیفیت سلیم قیس جو کہ امیرالمومنین علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہیں کی کتاب میں مذکور ہے۔ اور نیز اس جگہ (کتاب سلیم) میں حضرت علی بن الحسین علیہما السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ اپنے فرزندوں سے فرماتے تھے چھوٹے بڑے امر میں دروغ سے پرہیز کرو۔ خواہ سچائی میں ہو یا مسخری اور خوش طبعی میں ہو۔ بتحقیق جو شخص چھوٹا دروغ کہتا ہے تو وہ بڑے دروغ پر جرأت کرنے لگتا ہے۔ یا وہ خداوند عالم پر جرأت کرتا ہے کہ اس کی مخالفت کرتا ہے مگر جانتا نہیں کیونکہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا۔ آدمی ہمیشہ سچ کہتا ہے یہاں تک کہ خداوند عالم اس کو صدیق لکھتا ہے۔ اور آدمی ہمیشہ دروغ کہتا ہے یہاں تک کہ خداوند عالم اُسے کذّاب لکھتا ہے۔

اور کتاب امالی شیخ طوسیؒ میں مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ نے ابوذر سے فرمایا کہ جو شخص قادر ہونے کے باوجود اس چیز کی حفاظت کرے جو اس کی دو رانوں کے درمیان ہے یعنی فعل حرام سے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اس چیز کی جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے یعنی لغو و باطل سے اپنی زبان کی حفاظت کرے تو داخلِ بہشت ہوگا۔ ابوذر کہتا ہے میں نے عرض کی یارسول اللہؐ کیا ہمارا بھی ان باتوں کی وجہ سے جو ہماری زبانوں سے نکلتی ہیں مواخذہ کیا جائے گا۔ حضرتؐ نے فرمایا۔ اے ابوذر لوگوں کو ان دروغوں کے علاوہ جو ان کی زبانوں سے نکلتے ہیں کوئی اور چیز بھی آتشِ جہنم میں منہ کے بل گرائے گی۔ بتحقیق تو جتنے تک ساکت رہے گا ہمیشہ زبان کے شر سے محفوظ رہے گا۔ پس جب تو بات کرے گا تو یا تو تیرے لئے ثواب لکھا جائے گا اور یا عذاب۔ اے ابوذر بتحقیق اگر کوئی شخص کسی مجلس میں کوئی ایسی (جھوٹی) بات کرے کہ جس کے ساتھ اہلِ مجلس کو ہنسائے تو وہ اس کے سبب طبقاتِ جہنم میں اس قدر نیچے جائے گا جس قدر زمین و آسمان کے مابین فاصلہ ہے۔ اے ابوذر اس آدمی پر وائے ہو۔ جو کوئی جھوٹی بات کہتا ہے اور اس پر کسی جماعت کو ہنساتا ہے اُس پر وائے ہے۔ اُس پر وائے ہے۔ اُس پر وائے ہے۔ اے ابوذر جو خاموش رہا اُس نے نجات پائی۔ پس تو راست گوئی کو اپنے اوپر لازم کر اور ہرگز اپنے مُنہ سے کوئی دروغ نہ نکال۔ ابوذر کہتا ہے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہؐ جو شخص عمداً دروغ کہتا ہو اُس کی توبہ کس عمل کے ذریعہ قبول ہوگی؟ فرمایا استغفار اور نماز پنجگانہ اس گناہ کی آلائش کو دھو دیتے ہیں۔

اور مجموعہ شیخ ورّام میں مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا۔ دروغ نفاق کے دروازوں میں سے ایک در ہے اور کتاب خصال شیخ صدوق علیہ الرحمہ میں حضرت صادق علیہ السلام سے ایک طولانی حدیث مروی ہے۔ جس میں آپ نے احکامِ دین کو بیان فرمایا۔ اور اس میں آپ نے گناہانِ کبیرہ کا شمار فرمایا۔ اور آپ نے تکبر و تجبر کے استعمال کے ذکر کے بعد فرمایا۔ اور دروغ و اسراف۔ تبذیر خیانت (گناہانِ کبیرہ میں سے ہیں)۔

اور نیز اُنہوں نے اپنی کتاب اَمالی میں روایت کی ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا۔ دروغ کہنا مناسب نہیں ہے چاہے بہلاؤ میں یا مذاق میں ہو۔ اور نہ اس طرح چاہئے کہ کوئی تم میں سے اپنے چھوٹے بچوں کو وعدہ دے اور ان بچوں کے لئے اس وعدہ کی وفا نہ کرے کیونکہ دروغ فجور کی راہ پر لے جاتا ہے اور فجور آتش (جہنم) میں لے جاتا ہے۔ اور اگر تم میں سے کوئی ہمیشہ دروغ کہے تو اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس نے دروغ کہا ہے اور فاجر ہو گیا ہے۔ اور اگر کوئی تم میں سے ہمیشہ دروغ کہے یہاں تک کہ اس کے دل میں سُوئی رکھنے کی جگہ جتنا بھی سچ نہ رہے تو وہ شخص خداوندِ عالم کے نزدیک جھوٹوں سے شمار ہو جاتا ہے۔ نیز اسی جگہ روایت کی گئی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا (اے لوگو) میرے لئے چھ چیزوں کو قبول کرو تو میں تمہارے لئے بہشت کی شفاعت کرونگا۔ (۱) جب تم کوئی بات کہو یا کسی بات کو نقل کرو تو دروغ نہ کہنا (۲) جب کسی کو وعدہ دو تو خلافِ وعدہ نہ کرنا (۳) جب تمہیں کوئی امانت سپرد کی جائے تو خیانت نہ کرنا (۴) اور نامحرم کو دیکھنے سے اپنی آنکھوں کو بچانا (۵) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنا (۶) غیر کو اذیت دینے سے اپنی زبانوں اور ہاتھوں کو بچانا۔ نیز اسی جگہ آنحضرتؐ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا واعظم الخاطئین عند اللہ عزّ وجلّ لسان کذّاب۔ اللہ عزّ وجلّ کے نزدیک سب سے بڑا گنہگار زبان دراز دروغ گو ہے۔

اور کتاب دعوات قطب راوندی علیہ الرحمہ میں مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ میں نے گزشتہ شب خواب میں دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے ارضِ مقدس (بیت المقدس شام) میں لے گئے۔ اور آپ نے ان تمام عجیب چیزوں کا ذکر فرمایا جو آپ نے اس جگہ دیکھی تھیں اور ان میں سے ایک یہ تھی۔ کہ آپ نے ایک آدمی کو دیکھا جو پشت کے بل سویا ہوا تھا اور دوسرا اس کے بالیں کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک عصا تھا۔ اور اس لاٹھی کا سرا ٹیڑھا تھا۔ پس وہ شخص اس سوئے ہوئے آدمی کے منہ کی ایک طرف آتا اور اس لاٹھی سے اس کے منہ کی ایک طرف کو اس کی گدی تک مارتا اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے اور پارہ پارہ کرتا اور اسی طرح اس کی ناک کو گدی تک اور اس کی آنکھ کو گدی تک مارتا۔ پھر منہ کی دوسری طرف آتا اور اس کے ساتھ بھی اسی طرح کرتا جس طرح پہلی طرف کے ساتھ کرتا تھا۔ اور اس طرف سے فارغ نہیں ہو لیتا تھا کہ پہلی طرف صحیح اور اپنی حالت پر درست ہو جاتی تھی۔ پس پھر اس کے ساتھ اسی طرح کرتا جس طرح اس نے پہلی دفعہ کیا تھا۔ پس میں نے کہا۔ سبحان اللہ یہ کیا ہے (حدیث طولانی ہے) اور اس حدیث کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے۔ کہ ان دو شخصوں نے حضرتؐ کے لئے ان عجائبات کی شرح بیان کی۔ جو آپ نے اس شب میں دیکھی تھیں اور اُن دیگر اشخاص کے متعلق بھی بتایا جو دوسرے لوگوں کو عذاب دے رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان دو شخصوں نے عرض کی کہ وہ شخص کہ جس کے پاس آپ پہنچے اور دوسرا شخص اُس کے منہ کو اُس کی گدی تک اور اُس کی ناک کو گدی تک اور اس کی آنکھ کو گدی تک پارہ پارہ کر رہا تھا۔ وہ وہ شخص ہے جو صبح کو اپنے گھر سے نکلتا ہے۔ پس ایسا دروغ کہتا ہے جو آفاق و اطراف میں پھیل جاتا ہے۔ پس روزِ قیامت تک ملائکہ اس کے ساتھ اسی طرح کرتے رہیں گے۔

اور بعض کتب معتبرہ میں اس روایت کو اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ (رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ) نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو میرے پاس آیا اور کہا۔ اُٹھیے۔ میں اس کے ساتھ اُٹھا۔ پس میں نے دو آدمیوں کو دیکھا جن میں سے ایک کھڑا تھا اور دوسرا بیٹھا ہوا تھا۔ اور کھڑے ہوئے شخص کے ہاتھ میں لوہے کی لاٹھی تھی۔ اور وہ بیٹھے ہوئے آدمی کے منہ کی ایک طرف اس لاٹھی کو

داخل کر رہا تھا۔ جب وہ اس لاٹھی کو اس کے دونوں شانوں کے درمیان تک لے جاتا تو اس وقت اس لاٹھی کو باہر کھینچ لیتا۔ اور پھر اس کے منہ کی دوسری طرف داخل کر دیتا۔ پس جب اس لاٹھی کو باہر کھینچ لیتا تو اس بیٹھے ہوئے آدمی کے منہ کی پہلی طرف اپنی اصلی حالت پر صحیح ہو جاتی۔ پس جس شخص نے مجھے اٹھایا تھا۔ اُس سے میں نے کہا یہ کیا ہے؟ اُس نے کہا یہ دروغ گو آدمی ہے کہ ملائکہ قبر میں اس کو روزِ قیامت تک عذاب کرتے رہیں گے۔

نیز آنحضرتؐ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ کیا میں تم کو گناہانِ کبیرہ میں سے بڑے گناہ بتاؤں؟ وہ خداوندِ عالم کے ساتھ شرک وعقوق والدین اور قولِ زُور یعنی دروغ ہیں۔ نیز فرمایا۔ بندہ ایک دروغ کہتا ہے۔ تو فرشتہ اس کی اس عفونت کے سبب جو اس کے منہ سے نکلتی ہے اس دروغ گو سے بفاصلہ ایک میل دُور ہو جاتا ہے۔ نیز فرمایا کس قدر بڑی بُرائی ہے کہ تُو اپنے بھائی کے لئے ایک بات نقل کرے اور وہ تجھے اس میں سچا سمجھے۔ حالانکہ تُو اس بات میں دروغگو ہو رہا ہو۔

اور کتاب کافی میں بسندِ صحیح حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے اس آیۂ شریفہ فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال کی تلاوت کے بعد فرمایا۔ کہ اس آیہ میں خداوندِ عالم نے احرامِ حج کے ایام میں رفث وفسوق اور جدال سے منع فرمایا ہے۔ رفث جماع ہے اور فسوق دروغ ہے۔ اور یہی مضمون علیؑ بن جعفر سے روایت کیا گیا ہے۔ اور آپ نے اپنے بھائی حضرت موسٰے بن جعفر علیہ السلام سے روایت کیا ہے اور شیخ صدوق قدس سرہٗ نے زید شحام سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ رفث وفسوق اور جدال کے کیا معانی ہیں؟ آپ نے فرمایا رفث جماع ہے اور فسوق دروغ ہے کیا تُو نے خداوندِ عزّ وجلّ کا یہ قول نہیں سُنا یا ایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنباءٍ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃٍ آپ نے اس آیت کے ساتھ اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ خداوندِ عالم نے ولید کو اس دروغ کی معصیت کی وجہ سے فاسق بتایا۔ جو اُس نے کہا تھا۔ اور نیز شیخ عیاشی نے اپنی تفسیر میں تین روایتیں نقل کی ہیں کہ اس آیہ شریفہ میں فسوق سے مراد دروغ ہے۔

اور کتاب ارشاد شیخ مفید نوّر اللہ مرقدہٗ میں مروی ہے کہ جس وقت حضرت سیّد الشہداء علیہ السلام نے روزِ عاشورہ میدان (کربلا) میں خطبہ پڑھا تو فرمایا۔ واللہ! جب سے مجھے معلوم ہُوا کہ خداوندِ عزّ وجلّ جھوٹوں کو دروغ کی وجہ سے مبغوض رکھتا ہے۔ اس وقت سے میں نے کبھی دروغ کہنے کا قصد نہیں کیا (الامام امامٌ ولو کان غلاماً امام اپنے بچپن میں بھی امام ہے۔ اور امام کا علم اپنے بچپن میں بھی کامل ہوتا ہے۔ پھر وہ امام جن کی پہلی غذا ہی آب دہنِ رسالتمآبؐ ہو اور جنھوں نے پرورش ہی آغوشِ رسالت میں پائی ہو۔ ان پر ایسا زمانہ نہیں آسکتا کہ جس میں آپ کو اس چیز کا پہلے علم نہ ہو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ مجھے ابتداء سے ہی دروغ کی معصیت کا علم ہے۔ جس کی وجہ سے میں نے اپنی ابتداء سے ہی اس کا کبھی قصد نہیں کیا۔ مترجم ظفر)

اور کافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ علامتِ کذّاب یہ ہے کہ وہ تجھے آسمان وزمین اور مشرق ومغرب کی خبریں دیتا ہے۔ پس اگر تو اس سے خدا تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں یا اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کے متعلق کوئی مسئلہ پوچھے تو اسے اس بات کی کوئی خبر ہی نہیں۔ اور کتاب کافی کے بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ اس کذّاب سے مراد اصحاب مکاشفہ ہیں جو

علم غیب کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ان کے دل میں آئے کہہ دیتے ہیں۔ اور امور دین میں اپنی جہالت کا اقرار کرتے ہیں۔ اور انہوں (بعض شارحین) نے کچھ حکایات نقل کی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے: کہ ایک شخص نے کسی مدعی مکاشفہ سے پوچھا کہ اگر کسی شخص کو حالت نماز میں دو اور تین رکعت میں شک پڑ جائے تو اُس کا کیا حکم ہے؟ اُس نے کہا ہمارا دل صاف ہے۔ ہم نے کبھی شک نہیں کیا۔

اور کتاب عیون شیخ صدوق طاب ثراہ میں مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات میں ایک عورت کو دیکھا جس کا سر خنزیر کے سر کے مانند اور اس کا بدن خر کی مانند تھا اور اس پر ہزار ہزار قسم کے عذاب ہو رہے تھے۔ اور نیز چند دوسری عورتیں جو آپ نے دیکھی تھیں جو مختلف شکلوں میں تھیں اور مختلف قسم کے عذاب میں معذّب تھیں اُن کا ذکر کیا تو صدیقہ طاہرہ علیہا السلام نے آپ سے ان عورتوں کے کردار و سیرت کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ عورت جس کا سر خنزیر کے سر کی مثل اور اس کا بدن خر کے بدن کی طرح تھا وہ عورت چغل خور اور دروغ گو تھی۔

اور کتاب لُبّ لباب قطب راوندی میں امیر المؤمنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس زمانے میں وصیت کی کہ جس زمانہ میں فاطمہ علیہا السلام کو مجھ سے تزویج کیا۔ پس فرمایا۔ دروغ کہنے سے پرہیز کرو کیونکہ دروغ کہنا منہ کو سیاہ کرتا ہے۔ اور کتاب علل الشرائع شیخ صدوق علیہ الرحمہ میں مروی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا بتحقیق آدمی جب بھی دروغ کہتا ہے پس وہ اس کی وجہ سے نماز شب سے محروم ہو جاتا ہے۔ پس جب نماز شب کی ادائیگی سے محروم ہوتا ہے تو روزی سے محروم ہو جاتا ہے۔

اور کتاب عقاب الاعمال میں آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا تین قسم کے لوگ ہیں جن کو روز قیامت میں عذاب دیا جائے گا۔ (۱) وہ شخص جو صورت حیوانی بنائے تو اس کو ملائکہ عذاب کرتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ اس میں روح ڈالے۔ حالانکہ وہ روح ڈالنے کی طاقت نہیں رکھتا (یعنی اس کو ہمیشہ عذاب کرتے رہیں گے) ۔(۲) وہ شخص جو اپنا خواب بتانے میں دروغ کہتا ہے۔ بایں طور کہتا ہے کہ میں نے اس طرح دیکھا۔ حالانکہ اس نے خواب میں اس طرح نہیں دیکھا ہوتا۔ اس کو ملائکہ عذاب کرتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ دو بہروں کے پانیوں میں گرہ ڈالے۔ حالانکہ وہ ان دونوں میں گرہ ڈالنے کی طاقت نہیں رکھتا (۳) وہ شخص جو ان لوگوں کی باتوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اسے ناپسند کرتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو اس کے متوجہ ہونے سے ناخوش ہیں۔ پس ملائکہ اس کے کان میں سیسہ ڈالیں گے۔

اور دعائے شریف سحر ماہ مبارک رمضان جس کو ابو حمزہ ثمالی نے روایت کیا ہے میں مذکور ہے او لعلک وجدتنی فی مقام الکذابین فرفضتنی۔ اے میرے آقا! شاید تو نے مجھے کذّابوں کی جگہ پر پایا ہو۔ پس مجھے چھوڑ دیا ہو۔ اور مجھے آوارہ کر دیا ہو۔ اور میری مہار میرے ہاتھ میں دیدی ہو۔ مجھے پتہ نہیں کہ میں اپنے آپ کو کس وادیٔ ہلاکت میں ڈال دوں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ میں جھوٹوں میں سے ہو جاؤں۔ اور زیادہ دروغگو سے مراد یا تو وہ دروغ گو ہے جس نے دروغ کو اپنی عادت بنا لیا ہو یا اس جگہ خصوصیت سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں دروغ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ ہمیشہ شب و روز زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور حقیقت میں دروغ کہتے ہیں۔ اور ایاک نعبد میں کہتے ہیں کہ ہم تیری ذات مقدس کے سوا کسی کی بندگی اور پرستش نہیں

کرتے اور (حقیقت میں) دروغ کہتے ہیں۔ اور ایاک نستعین میں کہتے ہیں کہ ہم تیری ذاتِ اقدس کے سوا کسی سے طلب مدد و اعانت نہیں کرتے اور (حقیقت میں) دروغ کہتے ہیں۔ اور اسی طرح باقی مقامات ایمان اور اللہ تعالے کے ساتھ اقرار و اعتراف کے باقی مواضع ہیں۔ اور اسی مضمون کے بارے میں کتاب کافی میں وہ روایت ہے جو ابی اسحاق خراسانی سے کی گئی ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے ایاکم والکذب فان کل راج طالب وکل خائف هارب۔ دروغ سے بچو۔ اس کو اپنے سے دُور کرو۔ تحقیق دروغ اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص بھی کسی چیز کا امیدوار ہوتا ہے تو اس چیز تک پہنچے اور اس کو حاصل کرنے کی طلب میں ایسے کردار و عمل کو اختیار کرتا ہے جو اُسے اس تک پہنچائے۔ اور جو شخص کسی چیز سے ڈرتا ہے تو ایسے افعال سے گریز کرتا اور بچتا ہے جو اسے اس چیز تک لے جانے کا سبب ہوتے ہیں۔ پس تم لوگ مقامِ خوف و رجا کا دعویٰ کرتے ہو۔ بایں طور کہ ہم جنت میں راغب اور اس کے شائق ہیں۔ اور بہشت میں جانے کے امیدوار ہیں۔ تو پھر جنت تک پہنچنے کے اسباب سے متوسل ہونے میں مسامحہ کیوں کرتے ہو اور کہتے ہو کہ ہم برزخ و قیامت کے اہوال اور عذاب دوزخ کے انواع سے ڈرتے ہیں تو پھر اس سے کیوں نہیں فرار کرتے۔ اور خداوند عالم کی پناہ لیتے اور آنحضرتؐ نے اپنے کسی خطبہ میں جو نہج البلاغہ میں موجود ہے اسی مضمون کی شرح ان کلمات کے ساتھ فرمائی ہے:-

یدّعی بزعمه انه یرجوالله کذب والعظیم، مابالہ لایتبیّن رجاؤہ فی عملہ؟ فکلّ من رجا عرف رجاؤہ فی عملہ وکلّ رجاءٍ إلّا رجاء الله تعالیٰ فانّه مدخول وکلّ خوفٍ محقق إلّا خوف الله فانّه معلول یرجوالله فی الکبیر ویرجوالعباد فی الصغیر فیعطی العبد مالایعطی الرّبّ فما بال الله جلّ ثناءہ یقصّر بہ عمّا یصنع لعبادہ؟ اتخاف ان تکون فی رجائک لہٗ کاذبا؟ اوتکون لاتراہ للرّجاءِ موضعا؟ وکذٰلک ان ھو خاف عبدًا من عبیدہٖ اعطاہ من خوفہ مالایعطی ربّہ، فجعل خوفہ من العباد نقدا، وخوفہ من خالقھم ضمارا ووعدا۔

وہ اپنے خیال میں اس کا دعویدار بنتا ہے کہ اس کا دامن امید خدا سے وابستہ ہے۔ خدائے برتر کی قسم وہ جھوٹا ہے (اگر ایسا ہی ہے) تو پھر کیوں اس کے اعمال میں اس امید کی جھلک نمایاں نہیں ہوتی۔ جبکہ ہر امیدوار کے کاموں سے امید کی پہچان ہو جایا کرتی ہے سوائے اس امید کے جو اللہ سے لگائی جائے کہ اس میں کھوٹ پایا جاتا ہے۔ اور خوف وہ راس جو (دوسروں سے ہو) ایک مسلّمہ حقیقت رکھتا ہے مگر اللہ کا خوف غیر یقینی سا ہے۔ وہ اللہ سے بڑی چیزوں کا اور بندوں سے چھوٹی چیزوں کا امیدوار ہوتا ہے۔ پھر بھی جو عاجزی کا رویہ بندوں سے رکھتا ہے وہ رویہ اللہ سے نہیں برتتا، تو آخر کیا بات ہے کہ اللہ کے حق میں اتنا بھی نہیں کیا جاتا جتنا بندوں کے لئے کیا جاتا ہے۔ کیا تمہیں کبھی اس کا بھی اندیشہ ہوا ہے کہ کہیں تم ان امیدوں (کے دعووں) میں جھوٹے تو نہیں؟ یا یہ کہ تم اسے محل امید ہی نہیں سمجھتے۔ یونہی انسان اگر اس کے بندوں میں سے کسی بندے سے ڈرتا ہے۔ تو جو خوف کی صورت اس کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اللہ کے لئے ویسی صورت اختیار نہیں کرتا۔ انسانوں کا خوف تو اس نے نقد کی صورت میں رکھا ہے۔ اور اللہ کا ڈر صرف ٹال مٹول اور (غلط سلط) وعدے۔

اور کتاب کافی میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ بدترین روایات روایت دروغ ہے۔

مؤلف (صاحب کتاب) کہتے ہیں کہ سہولتِ حفظ اور ہمیشہ حاضرِ نظر رہنے کے لئے میں نے مناسب سمجھا کہ گزشتہ آیات و اخبار سے

جو دروغ کے مفاسد اور دروغگو کی خرابیاں مستفاد ہوتی ہیں ان کا ایک خلاصہ مختصر تحریر میں لاؤں۔

(۱) دروغ فسق ہے۔ جیسے آیہ لا رفث ولا فسوق میں، اور دروغگو فاسق ہے۔ جیسے آیہ ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا میں ہے (۲) دروغ قول زور ہے اور قرآن میں اس کا ذکر بت پرست کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جیسے آیہ واجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور میں۔ (۳) دروغگو ایمان نہیں رکھتا ہے۔ جیسے انما یفتری الکذب الذین لا یومنون (۴) دروغ شراب اور جوا کی طرح گناہ شمار کیا جاتا ہے (۵) دروغگو مبغوض خداوند عالم ہے (۶) دروغگو کا منہ سیاہ ہے (۷) دروغ شراب سے بدتر ہے (۸) دروغگو کے منہ کی بو متعفن اور گندیدہ ہے (۹) فرشتہ اس سے باندازہ ایک میل دور رہتا ہے۔ (۱۰) اس کو خداوند عالم نے لعنت کی ہے جیسے ان لعنۃ اللہ علیہ ان کان من الکاذبین، فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین (۱۱) دروغگو کے منہ کی بدبو عرش تک پہنچتی ہے (۱۲) حاملین عرش دروغگو کو لعنت کرتے ہیں (۱۳) دروغ مخرب ایمان ہے (۱۴) دروغ ایمان کا ذائقہ چکھنے سے مانع ہے (۱۵) دروغگو لوگوں کے سینوں میں عداوت اور کینہ کا بیج بوتا ہے (۱۶) دروغگو کی مروت تمام لوگوں سے کمتر ہے (۱۷) ایک دروغ کی وجہ سے دروغگو کو ستر ہزار فرشتے لعنت کرتے ہیں (۱۸) دروغ علامت نفاق ہے (۱۹) دروغ اس مکان کی کنجی ہے جس میں تمام خبائث ہیں (۲۰) دروغ فجور ہے اور دروغگو فاجر ہے۔ (۲۱) مقام مشورہ میں دروغگو کی رائے ناپسندیدہ ہے (۲۲) دروغ امراض نفسانیہ میں سے بدترین مرض ہے (۲۳) دروغ شیطان کی گھٹی ہے (۲۴) دروغ ربا کی تمام اقسام میں سے بدترین قسم ہے (۲۵) دروغ مورث فقر ہے۔ (۲۶) دروغ خبائث سے محسوب ہے (۲۷) دروغ فراموشی اور نسیان لاتا ہے (۲۸) دروغ نفاق کے دروازوں میں سے ایک در ہے (۲۹) دروغگو قبر میں ایک مخصوص عذاب سے معذب ہوتا ہے (۳۰) دروغ، دروغگو کو نماز شب سے محروم کرتا ہے۔ پس وہ روزی سے محروم ہو جاتا ہے (۳۱) دروغ رسوائے الٰہی کا سبب ہے (۳۲) دروغ، دروغگو سے صورت انسانیہ کے چھننے کا سبب ہے (۳۳) دروغ بزرگ ترین خبائث ہے (۳۴) دروغ، گناہان کبیرہ سے ہے (۳۵) دروغ ایمان سے دور اور اس کا مغائر ہے (۳۶) دروغگو بزرگترین گناہگاران سے ہے (۳۷) دروغ، دروغگو کو ہلاک کرتا ہے (۳۸) دروغ، دلوں کے حسن و طراوت کو دروغگو سے دور کرتا ہے (۳۹) دروغگو، کسی شخص کی برادری کے قابل نہیں اور معصومین علیہم السلام نے اس کی برادری اور مصاحبت سے منع فرمایا (۴۰) خدائے تعالیٰ اس کو ہدایت نہیں کرتا اور نہ ہی اسے راہ حق دکھاتا ہے۔ ان اللہ لا یھدی من ھو کاذب کفار۔

مقام سوم ۔ خداوند عالم اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام پر دروغ باندھنے کی عظیم ترین معصیت کے ذکر میں۔ خدا تعالیٰ نے اس جماعت کے حالات کو کئی مقامات میں بیان فرمایا ہے۔ جن میں سے بعض کی طرف تیمناً اور تبرکاً سورۂ بقر میں اشارہ ہوتا ہے۔ فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون (پ ۱ ع ۹) پس وائے ہو

ہوان لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے تھوڑی سی قیمت (دنیاوی فائدہ) حاصل کریں۔ پس افسوس ہے ان پر اس وجہ سے جو کچھ انکے ہاتھوں نے لکھا۔ اور افسوس ان پر بوجہ ان کی کمائی کے۔

اور سورہ آل عمران میں فمن[2] افترئ علی اللہ الکذب من بعد ذالک فاولئک ھم الظالمون (پ ع) پھر اس کے بعد بھی جو کوئی خدا پر جھوٹا بہتان باندھے پس وہی لوگ ظالم ہیں۔

اور سورہ انعام میں ومن[3] اظلم ممن افترئ علی اللہ کذبا او کذب بایاتہ انہ لا یفلح الظالمون (پ ع)۔ اور جو شخص خدا پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے اُس سے بڑھکر کون ظالم ہو سکتا ہے۔ اور ظالموں کو ہرگز نجات نہ ہوگی۔

اور سورہ اعراف میں فمن[4] اظلم ممن افترئ علی اللہ کذبا (پ ع) پس جو شخص خدا پر جھوٹ بہتان باندھے۔ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے۔

اور سورہ یونس میں فمن[5] اظلم ممن افترئ علی اللہ کذبا او کذب بایاتہ انہ لا یفلح المجرمون (پ ع) جو شخص خدا پر جھوٹ کا بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے اس سے بڑھکر اور کون ظالم ہوگا۔ بے شک گناہگاروں کیلئے فلاح نہیں ہے۔

اور نیز فرمایا۔ وما[6] ظن الذین یفترون علی اللہ الکذب یوم القیمۃ (پ ع) اور جو لوگ خدا پر جھوٹ کا بہتان باندھا کرتے ہیں۔ وہ روز قیامت کو کیا خیال کرتے ہیں۔

اور نیز فرمایا۔ ان[7] الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون متاع فی الدنیا ثم الینا مرجعہم ثم نذیقھم العذاب الشدید بما کانوا یکفرون (پ ع) تحقیق جو لوگ خدا پر جھوٹ کا بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ یہ دنیا کے چند روزے فائدے ہیں۔ پھر تو آخر ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ تب ہم ان کو کفر کی سزا میں سخت عذاب کے مزے چکھائیں گے۔

اور سورہ ہود میں فرمایا۔ ومن[8] اظلم ممن افترئ علی اللہ کذبا اولئک یعرضون علی ربھم ویقول الاشھاد ھؤلاء الذین کذبوا علی ربھم الا لعنۃ اللہ علی الظالمین (پ ع) اور جو شخص خدا پر جھوٹ کا بہتان باندھے اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا۔ ایسے لوگ اپنے پروردگار کے حضور میں پیش کئے جائیں گے اور گواہ اظہار کریں گے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ باندھا۔ آگاہ ہو کر ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

اور سورہ نحل میں ان[9] الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون متاع قلیل ولھم عذاب الیم (پ ع) تحقیق جو لوگ خدا پر جھوٹ کا بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے (دنیا میں) فائدہ تو ذرا سا ہے اور (آخرت میں) دردناک عذاب ہے۔

اور سورہ کہف میں فمن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا (پ۱۵ ع۲) اور جو شخص خدا پر جھوٹ کا بہتان باندھے اس سے زیادہ ظالم اور کون ہوگا۔

اور سورۂ طہٰ میں ویلکم لا تفتروا علی اللہ کذبا فیسحتکم بعذاب وقد خاب من افتریٰ (پ۱۶ ع۱۲) تمہیں افسوس ہو۔ خدا پر جھوٹ کا بہتان نہ باندھو ورنہ وہ عذاب نازل کرکے اس سے تمہارا ملیامیٹ کر دے گا۔ اور جس نے افترا پردازی کی وہ یقیناً نامراد رہا۔

اور سورہ عنکبوت میں ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا او کذب بالحق لما جاءہ الیس فی جھنم مثوی للکافرین (پ۲۱ ع۷) اور جو شخص خدا پر جھوٹ کا بہتان باندھے۔ یا جب اس کے پاس کوئی سچی بات آئے تو جھٹلا دے اس سے بڑھکر ظالم کون ہوگا۔ کیا کافرین کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے۔ (ضرور ہے)۔

اور سورۂ زمر میں فمن اظلم ممن کذب علی اللہ وکذب بالصدق اذ جاءہ الیس فی جھنم مثوی للکافرین۔ (پ۲۴ ع۱) پس اس سے بڑھکر ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ باندھے اور جب اُس کے پاس سچی بات آئے تو اس کو جھٹلا دے۔ کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں (ضرور ہے)

اور نیز فرمایا۔ ویوم القیمۃ تری الذین کذبوا علی اللہ وجوھھم مسودۃ الیس فی جھنم مثوی للمتکبرین (پ۲۴ ع۲) اور جن لوگوں نے خدا پر جھوٹے بہتان باندھے۔ تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ کیا غرور اور تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے (ضرور ہے)۔

اور سورہ صف میں ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ الکذب وھو یدعیٰ الی الاسلام (پ۲۸ ع۹) اور جو شخص خدا پر جھوٹ کا بہتان باندھے اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے حالانکہ اسے قبول اسلام کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔

اس معصیت کی بزرگی کے اثبات اور ان لوگوں کی زجرو توبیخ جو دروغ کے ارتکاب، اور اپنے آپ کو ظالم ترین بنی نوع انسان کے زمرہ میں داخل ہونے، اپنے رخساروں کو روزِ حساب سیاہ کرنے اور مقام عقاب میں متکبرین کے ساتھ شامل ہونے میں نہایت بے باکی اور بے پرواہی سے کام لیتے ہیں، کیلئے انہی پندرہ آیات مبارکہ پر قناعت کی جاتی ہے۔

شیخ کلینی نور اللہ مرقدہٗ نے کتاب کافی اور برقی علیہ الرحمہ نے کتاب محاسن میں حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ خداوند عالم اور خدا کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ پر دروغ باندھنا گناہان کبیرہ میں سے ہے۔ اور نیز اسی مضمون کو بسند دیگر انہوں نے آنحضرتؑ سے اس اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ "اور اوصیاء علیہم السلام پر دروغ باندھنا" (یعنی یہ بھی گناہان کبیرہ میں سے ہے) اور عیاشی نے بھی اپنی تفسیر میں اسی قسم کی روایت کی نقل کی ہے۔

اور نیز کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے ابوالنعمان سے فرمایا۔ اے ابوالنعمان ہم پر دروغ نہ باندھنا ورنہ تو ملتِ اسلام سے برطرف اور دُور ہو جائے گا۔ یعنی یہ دروغ، دروغگو کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ اور اسی خبر کو

شیخ مفید قدس سرہٗ نے کتاب ارشاد میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور نیز کافی میں مروی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں ذکر ہوا کہ کیا حائک (کپڑا بُننے والا) یعنی جولاہا ملعون ہے۔ یعنی یہ خبر آپ کے حضور انور میں مذکور ہوئی پس آپ نے فرمایا اس سے مراد وہ شخص ہے جو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ پر دروغ بُنتا (باندھتا) ہے۔ اور نیز اسی جگہ آنجناب سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے اہلِ شام میں سے ایک آدمی سے فرمایا۔ اے برادرِ شامی ہماری حدیث سنو اور ہم پر دروغ نہ باندھو۔ کیونکہ جس نے ہم پر دروغ باندھا پس تحقیق اُس نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ پر دروغ باندھا اور جس نے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ پر دروغ باندھا پس تحقیق اُس نے خدائے تعالیٰ پر دروغ باندھا۔ اور جس شخص نے حق تعالےٰ پر دروغ باندھا تو خدائے عزوجل اس کو معذب کرے گا۔

اور شیخ صدوق قدس اللہ روحہٗ نے کتاب فقیہ میں روایت کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ نے اپنی ان وصیتوں میں جو آپ نے امیر المومنین صلوات اللہ علیہ سے کیں فرمایا۔ یا علیؑ جو شخص مجھ پر عمداً دروغ باندھے گا پس وہ اپنا ٹھکانا آتشِ جہنم میں بنائے گا۔ اور ابو علی طوسی طاب ثراہ نے امالی میں اور ان کے علاوہ دیگر حضرات نے ابن ابی الدنیا سے اُنہوں نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ کو فرماتے سُنا "ہر شخص جو مجھ پر عمداً جھوٹ باندھے گا تا آخر" اور عماد الدین طبری آملی نے کتاب بشارۃ المصطفےٰ میں آنحضرتؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا "مجھ سے سنو اور مجھے دیکھو۔ پس جس شخص نے از روئے عمد مجھ پر دروغ باندھا پس اُس کا ٹھکانا تا آخر" جس طرح پہلے گزرا ہے۔ اور نیز کتاب غوالی اللئالی ابن ابی جمہور احسائی میں آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "روایت کرنے سے پرہیز کرو۔ مگر وہ جس کا تمہیں پوری طرح علم ہو اور اس بات کا یقین ہو کہ وہ روایت مجھ سے صادر ہوئی ہے۔ کیونکہ جو شخص مجھ پر دروغ باندھے گا الخ"۔

اور سلیم بن قیس ہلالی جو کہ اصحاب امیر المومنین علیہ السلام سے ہیں، نے اپنی کتاب میں آنجناب سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تحقیق رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ پر آپ کے زمانہ میں ہی دروغ باندھا گیا۔ یہاں تک کہ آپ خطبہ پڑھنے کیلئے کھڑے ہو اور فرمایا۔ "اے لوگو! مجھ پر دروغ باندھنے والے زیادہ ہو گئے ہیں۔ پس ہر شخص جو مجھ پر دروغ باندھے گا الخ" اور اس خبر شریف کی اسانید خاصہ (شیعہ) وعامہ (سنی) کی کتب احادیث میں بکثرت ہیں۔ بلکہ علماء نے اس خبر کو اخبار متواترہ سے شمار کیا ہے۔ اور نیز انہوں نے اسی جگہ میں روایت کی ہے کہ جب عمرو بن العاص نے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ پر کوئی دروغ باندھا اور منبر پر اس دروغ کو ذکر کیا تو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا۔ اہلِ شام کی رذالت پر تعجب ہے کہ عمرو کے قول کو قبول کرتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں حالانکہ اس کے بات گھڑنے اور دروغ باندھنے کا کام اور اس کے ورع کی کمی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ پر دروغ باندھتا ہے۔ اور جو شخص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ پر دروغ باندھے تو خداوندِ عالم اس کو ستر مرتبہ لعنت کرتا ہے۔

اور شیخ شہید ثانی قدس سرہٗ نے اپنی کتاب درایہ میں بعد اس کے کہ اُنہوں نے خبر متواتر کو بیان کیا اور بہت سی ایسی

اخبار جن میں لوگ دعوئے تواتر کرتے ہیں روکیں، فرماتے ہیں۔ ہاں حدیث "من کذب علیّ متعمداً فلیتبوّء مقعدہ من النار" جس نے مجھ پر عمداً دروغ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانا آتش جہنم میں بنائے گا۔ میں دعوئی تواتر کرنا ممکن ہے۔ پس تحقیق یہ خبر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے نقل کی گئی ہے۔ اور صحابہ کی ایک بہت بڑی جماعت اس کی قائل ہے کہ صحابہ میں سے اس خبر کے راوی چالیس آدمی تھے۔ اور اس طرح بھی کہا گیا ہے کہ اس کے راوی باسٹھ صحابی تھے۔ اور اس حدیث کے رواۃ کی تعداد ہمیشہ زیادہ رہی الخ۔

اور کافی میں مروی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ تحقیق ایک دروغ یقیناً روزے کو باطل کر دیتا ہے۔ راوی کہتا ہے۔ میں نے عرض کی کوئی ہم میں سے ایسا بھی ہے جس سے ایک دروغ بھی صادر نہ ہوا ہو۔ آپ نے فرمایا۔ میرا مقصد اس سے یہ نہیں جو تو خیال کرتا ہے بلکہ میری مراد اس دروغ سے وہ دروغ ہے جو خدائے تعالیٰ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ اور ائمہ (معصومین) علیہم السلام پر ہو۔ اور کتاب تہذیب شیخ طوسی طاب ثراہ میں ابی بصیر سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دروغ وضو کو باطل اور روزے کو کھول دیتا (باطل کر دیتا) ہے۔ راوی کہتا ہے۔ میں نے آپ کے حضور میں عرض کی "ہم سب تباہ ہوئے" پس حضرت نے اس سے وہی کلام سابق بیان فرمایا۔ اور نیز اسی جگہ مروی ہے۔ راوی نے کہا۔ میں نے آنحضرت سے پوچھا کہ جس شخص نے ماہِ رمضان میں دروغ کہا ہو اس کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا اس نے اپنا روزہ افطار کر لیا (اس کا روزہ باطل ہے) اور اس روزہ کی قضا واجب ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی۔ وہ دروغ کس قسم کا ہو؟ فرمایا جو اس نے خداوندِ عالم اور اس کے رسول پر دروغ باندھا ہو (اگرچہ علمائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ اس صورت میں قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہے۔ لیکن معصوم کے "قضا" فرمانے سے کفارہ کی نفی نہیں ہوتی)

اور کتاب خصال شیخ صدوق علیہ الرحمہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا پانچ چیزیں ہیں جو روزہ دار کے روزہ کو باطل کرتی ہیں (۱) کھانا (۲) پینا (۳) جماع (۴) پانی میں غوطہ لگانا (۵) خداوندِ عالم اور اس کے رسول اور ائمہ صلوات اللہ علیہم پر دروغ باندھنا۔ اور کتاب نوادر احمد بن محمد بن عیسیٰ میں آنجناب سے مروی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ جو شخص خداوندِ عالم اور اس کے رسول پر دروغ باندھے اور روزہ دار ہو پس اس کا روزہ اور وضو ٹوٹ جائے گا یا ناقص ہو جائے گا۔ اگر وہ دروغ گو، دروغ کہنے میں متعمد ہو تو (اور اس صورت میں قضا و کفارہ ہر دو واجب ہیں۔) اور اس مضمون پر متعدد اخبار و احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اور تفسیر عیاشی میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جس شخص نے گمان کیا ہو کہ خدائے تعالیٰ نے سود اور فحشاء (کے کرنے) کا حکم فرمایا ہے۔ تو اس شخص نے خدائے تعالیٰ پر دروغ باندھا ہے۔ اور آپ نے چند کلمات کے بعد فرمایا کہ جو شخص خداوند تبارک وتعالیٰ پر دروغ باندھے گا تو خدا اسے آتشِ جہنم میں داخل کرے گا۔ اور نیز اسی جگہ مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے خداوند عز وجل کے اس قول کے متعلق پوچھا۔

واذا فعلوا فاحشۃ قالوا وجدنا علیہا اٰباءنا واللّٰہ امرنا بہا قل ان اللّٰہ لا یامر بالفحشاء اتقولون علی اللّٰہ ما لا تعلمون۔ (پ ۸ ع ۱۰ - اعراف)	اور جب وہ لوگ کوئی بدترین کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اسی خصلت پر اپنے آباء کو پایا ہے۔ تو کہہ دے اے میرے رسول) کہ خدا خصلتِ بد کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ پر وہ چیزیں

کہتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔

پس حضرت نے اس سائل سے فرمایا۔ کیا تو نے کسی ایسے آدمی کو دیکھا ہے جو گمان کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زنا کرنے، شراب پینے اور محرمات میں سے کسی چیز کے کرنے کا حکم دیا ہے! میں نے عرض کی "نہیں" فرمایا (اس آیت میں) وہ کونسا فاحشہ ہے جس کے متعلق لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں اس کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ راوی کہتا ہے۔ میں نے عرض کی۔ اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کا ولی بہتر جانتا ہے۔ فرمایا یہ پیشوایانِ جور کا مقولہ ہے۔ کیونکہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے خلائق کو حکم دیا ہے کہ وہ ان (پیشوایانِ جور) کی پیروی اور اقتدا کریں۔ پس خداوندِ عالم نے ہمیں خبر دی ہے کہ انہوں (پیشوایانِ جور) نے خداوندِ عالم پر دروغ باندھا ہے۔ اور خداوندِ عالم نے ان کے اس دروغ باندھنے کو فاحشہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اور شیخ کشی نے اپنی کتاب رجال میں حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا ہم اہلبیت راست گو ہیں۔ اور ہم بھی اس دروغگو سے خالی نہیں ہیں جو ہم پر دروغ باندھتا ہے۔ اور اپنی ان جھوٹی باتوں کی وجہ سے جو ہم پر باندھتا ہے ہماری راست اور سچی باتوں کو لوگوں کے نزدیک بے اعتبار بناتا ہے۔ اس وقت حضرت نے ہر طبقہ کے دروغگو آدمیوں کی ایک جماعت کو شمار فرمایا۔ خداوند ان کو لعنت کرے۔ ہم اس کذاب سے خالی نہیں ہیں جو ہم پر دروغ باندھتا ہے اور یا وہ رائے میں عاجز اور بے دست و پا ہے۔ خداوند ہر اس دروغگو کی زحمت سے بچائے جو ہم پر ہے اور ان کو لوہے کی گرمی کا مزہ چکھائے۔ اور نیز انہوں نے حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ اور آپ نے اپنے آباء کرام صلوات اللہ علیہم سے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا۔ جو شخص ہم اہلبیت پر دروغ باندھیگا تو خداوندِ عالم اس کو بروز قیامت نابینائی کی حالت میں اور گروہ یہود اں میں محشور کریگا۔ اور اگر اس دروغگو نے دجال کو پا لیا (یعنی دجال کا ظہور ہو گیا) تو یہ اپنی قبر میں بھی اس کے ساتھ ایمان لے آئیگا۔

اور شیخ صدوق نے کتاب کمال الدین اور علل الشرائع میں اور طبرسی نے احتجاج میں محمد بن ابراہیم بن اسحاق طالقانی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا کہ میں ایک جماعت کے ہمراہ ابی القاسم حسین بن روح قدس اللہ روحہ جو کہ حضرت حجۃ علیہ السلام کے نائب سوم ہیں کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک آدمی اٹھا اور اس نے ان (نائب سوم) سے سوال کیا تو انہوں نے اسے ایک طولانی جواب دیا۔ محمد بن ابراہیم کہتا ہے کہ میں دوسرے روز پھر ابی القاسم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور میں اپنے دل میں اپنے آپ کو کہہ رہا تھا کہ کیا تو نے دیکھا جو کچھ انہوں نے کل گذشتہ بیان کیا وہ ان کی اپنی طرف سے تھا۔ پس انہوں نے میرے اظہار کے بغیر ابتدا کی اور فرمایا۔ اے محمد بن ابراہیم

لان اخر من السماء فتخطفنی الطیر او تھوی بی الریح فی مکان سحیق احب الی ان اقول فی دین اللہ تعالیٰ ذکرہ برائی ومن عند نفسی۔

اگر میں آسمان سے گرایا جاؤں اور مجھے پرندہ اچک لے یا مجھے ہوا دور کے مکان میں جا گرائے تو یہ چیز مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے دین میں اپنی رائے یا اپنی طرف سے کچھ کہوں۔

بلکہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ اصل (یعنی حضرت حجت علیہ السلام کیونکہ "اصل" القاب امام علیہ السلام میں سے ہے) کی طرف سے تھا اور حضرت حجت صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے سنا ہوا تھا۔

اور نیز کتاب معانی الاخبار میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا۔ اس بات

سے بچو کہ خداوندِ عالم تمہاری تکذیب کرے اور اللہ تعالیٰ تمہیں جھٹلائے۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ یہ کس طرح ہے؟ فرمایا کوئی تم میں سے کہتا ہے کہ خداوندِ عالم نے اس طرح فرمایا۔ پس خداوند عزّوجلّ فرماتا ہے۔ تو نے جھوٹ کہا۔ میں نے اس طرح نہیں فرمایا۔ اور کوئی تم سے کہتا ہے کہ خداوندِ عالم نے اس طرح نہیں فرمایا۔ پس خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ تو نے جھوٹ کہا ہے تحقیق میں نے اس طرح فرمایا ہے۔

اور شیخ کشیؒ نے اپنی رجال میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا واللہ کوئی شخص بھی نہیں جو ہم پر دروغ باندھے مگر خداوندِ عالم اس کو لوہے کی گرمی کا مزہ چکھائے گا۔

اور کتاب کافی میں ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اس طرح کہتا ہے کہ میرے فلاں کام کے کرنے کو خدا جانتا ہے۔ حالانکہ خداوندِ عالم کے علم میں ہے کہ وہ کام اس آدمی نے نہیں کیا۔ یعنی وہ آدمی ایک چیز کو خلافِ واقع نقل کرتا ہے اور خداوندِ عالم کو گواہ بناتا ہے کہ خدا کی ذاتِ مقدس جانتی ہے کہ میں نے فلاں کام کیا ہے حالانکہ اُس کا اس طرح کہنا بے اصل ہے۔ کیونکہ اس کا اس کام کو کرنا خداوندِ عالم کے علم میں نہیں ہے۔ پس امام علیہ السلام نے فرمایا تو ایسی حالت میں عرشِ خدا محض جلالِ حق سبحانہٗ کی تعظیم کیلئے لرزہ میں آجاتا ہے۔ اور اسی مضمون کو بسندِ دیگر بھی نقل کیا گیا ہے۔ اور نیز اس جگہ آنجناب سے روایت کی گئی ہے۔ کہ جب کوئی بندہ کہتا ہے کہ خدا جانتا ہے "کہ میں نے یہ کام کیا ہے" حالانکہ اس نے دروغ کہا ہوتا ہے۔ تو خداوند عزّوجلّ فرماتا ہے۔ اے بندے! کیا تجھے میرے سوا کوئی بندہ نہیں ملا جس پر تو دروغ باندھتا۔ اور اس خبر کو مرحوم سید نعمت اللہ جزائری نے کتاب انوارِ نعمانیہ میں اس طرح نقل کیا ہے کہ خداوندِ عالم ملائکہ سے فرماتا ہے۔ اے میرے ملائکہ میرے اس بندے کی طرف دیکھو کہ اس کو مجھ سے عاجز تر کوئی بندہ نہیں ملا کہ اس نے اپنا یہ دروغ اس کے حوالے کیا ہوتا یہاں تک کہ اُس نے یہ دروغ میرے علم کے حوالے کیا ہے۔ پس میں عذاب و خواری میں سے جس طرح چاہوں گا اس کے ساتھ کروں گا۔

اور ہم (صاحبِ کتاب) نے یہ اضافہ روایت کتبِ اصحاب میں نہیں دیکھا۔ معلوم نہیں سید مذکور نے یہ (اضافہ روایت) کہاں سے نقل کیا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ بغیر علم و حق فتویٰ دینا کبھی تو ایسے ہوتا ہے کہ اس قسم کا آدمی اس طرح خبر دیتا ہے کہ ان چیزوں کو اللہ نے حلال کیا ہے اور ان چیزوں کو حرام اور اُن کو واجب اور ان کو مستحب اور اس طرح کی اور باتیں۔ پس اُن آیات و اخبارِ سابقہ کے علاوہ جن میں اللہ تعالیٰ اور معصومین علیہم السلام نے اس کاذب کے مآلِ حال کو بیان فرمایا ہے اور ان کے علاوہ اُن آیات و اخبار کے دیگر مضامین جن میں بغیر علم و بغیر حق فتوی دینے میں تہدید کی گئی ہے اور معصومین علیہم السلام نے اس طائفہ کے ساتھ مختلف اقسام کے عذاب کا وعدہ فرمایا وہ مضامین اس کاذب، خاسر، خائب مفتی کو شامل ہوں گے۔ اور سابقہ آیات و اخبار کے مضامین میں بھی منضم ہو جائے گا جبکہ جو کچھ ہم نے نقل کیا ہے وہ اہلِ بصیرت و انصاف کے لئے کافی ہے۔ لہٰذا ہم نے ان آیات و اخبار (متعلقہ مفتی کاذب) کے گروہ کے نقل کرنے سے اعراض کیا ہے جو کہ تطویلِ رسالہ اور ملالتِ ناظرین کا موجب تھا۔ اب ہم ایک ایسے مطلب اہم اور فوائد جدیدہ نافعہ کو ذکر کرتے ہیں جو کسی اور جگہ پر لکھے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔ و باللہ التوفیق۔

مقام چہارم - اقسام دروغ اور حکم دروغ کے متعلق اشارہ اجمالیہ میں۔ اور اس جگہ دو مطلب ہیں۔

مطلب اول :- اقسام دروغ کے بیان میں۔ پوشیدہ نہ رہے کہ دروغ یا تو اس آدمی کے اعتبار سے ہوگا جس پر دروغگو دروغ باندھتا ہے یا اس چیز کے اعتبار سے ہوگا جس کے لئے دروغگو دروغ بولتا ہے۔ یا دروغ اپنی کمی وزیادتی کی مقدار کے اعتبار سے ہوگا یا دروغ اس قصد کے اعتبار سے ہوگا جو قصد دروغگو دروغ بولنے کے وقت رکھتا ہوگا۔ یا دروغ صلاح وفساد کے ان آثار کے اعتبار سے ہوگا جو اس پر مترتب ہوتے ہیں یا دروغ اپنے اس ظہور وخفا کے اعتبار سے ہوگا جو سننے والوں کیلئے حاصل ہوا ہے ہیں۔ یا دروغ اس عضو کے اعتبار سے ہوگا جس کے توسط سے صاحب عضو سے وہ دروغ صادر ہوا ہے یا اس اعتبار سے ہوگا کہ لغت وعرف واصطلاح شرع میں اس کا کیا معنی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے اور بھی بہت سے اقسام ہیں۔ پس ہم اس کی توضیح کیلئے کہتے ہیں۔ اول۔ کبھی تو دروغ خداوند عزوجل اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم پر ہوتا ہے۔ اور کبھی ان کے علاوہ دوسرے لوگوں پر۔ اور کبھی دروغ بالکل کسی آدمی کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہوتا اور کسی پر بہتان نہیں ہوتا بلکہ محض کہنا خلاف واقع ہوتا ہے۔ اور جملہ علماء کرام نے صدیقہ طاہرہ علیہا السلام کو بھی قسم اول کے حکم میں ملحق کیا ہے (یعنی جس طرح خدا اور رسولؐ اور ائمہ معصومینؑ کے بارے میں دروغ کہنے کا عذاب وعقاب ہے اسی طرح صدیقہ طاہرہؑ کے بارے میں بھی) اور اسی طرح باقی انبیاء واوصیاء علیہم السلام کو خصوصاً اگر امر دین میں نبی یا وصی پر دروغ ہوگا تو وہ ایسے ہی ہوگا جیسے خداوند عزوجل پر دروغ ہوتا ہے۔

دوئم پیغمبر اور امام صلوات اللہ علیہما پر دروغ کبھی تو امور دین میں ہوتا ہے یعنی ایسی چیزوں میں جو پیغمبر یا امام علیہما السلام کا وظیفہ ہیں کہ وہ ہی انہیں بیان کریں۔ جیسے واجبات ومستحبات اور مکروہات وآداب اور حلال وحرام اور وہ چیزیں جو امور سیاست میں سے ان کی ریاست وخلافت سے متعلق ہیں جیسے عزل (کسی کو معزول کرنا) اور نصب (کسی کو مقرر کرنا) اور اموال کا حاصل کرنا اور عساکر کو بھیجنا اور اس قسم کی دیگر چیزیں جس کی مثال اس مقام میں وہ ہے جو روضہ خوان پڑھتے ہیں کہ علی اکبر علیہ السلام کے میدان میں جانے اور ان کے مقابلہ میں ایک پہلوان کے آنے کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت علی اکبر علیہ السلام کی اور گرامی لیلےٰ سے فرمایا۔ اے لیلیٰ اٹھ اور خلوت میں اپنے فرزند کے لیے دعا کر کیونکہ میں نے اپنے جد بزرگوار سے سنا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ماں کی دعا اپنے بیٹے کے حق میں مستجاب ہوتی ہے تا آخر۔ کہ یہ تمام دروغ ہے۔ اور کبھی دروغ ان (معصومینؑ) کے ان امور دنیا اور رسوم معاشرت میں ہوتا ہے جو ان کے امور ورسوم خلائق کے ساتھ تھے جن میں معصومین دیگر لوگوں کے ساتھ شریک تھے۔ مثلاً کھانا۔ پینا۔ سونا اور حرکت وسکون یا اس قسم کی دیگر چیزیں اور اس کی مثال وہ دروغ ہے جو روضہ خوانوں کی جماعت پڑھتی ہے کہ جناب زینب سلام اللہ علیہا حضرت امام حسین علیہ السلام کی حالت احتضار میں آپ کے پاس تشریف لائیں اور روضہ خوان حضرات ان معظمہ کی زبان سے کچھ عربی کلمات نقل کرتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک اس خبر کی صحت پر برہان مجعول ہے۔ پس نقل کرتے ہیں کہ:-

فرمقها بطرفه فقال لها اخیّة ارجعی الی الخیمة فقد کسرت قلبی وزدت کربی الخ

جناب امام حسین علیہ السلام نے عالیہ بی بی ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کو دیکھا اور فرمایا۔ اے بہن خیمہ کی طرف واپس ہو جاؤ۔ آپ نے میرا دل شکستہ کر دیا اور میرے غم کو زیادہ کر دیا۔

سوم یہ ہے کہ پیغمبر اور امام پر دروغ کبھی تو کسی کلام کو ان کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے بایں طور کہ انہوں نے اس طرح فرمایا ہے حالانکہ انہوں نے اس طرح نہیں فرمایا ہوتا۔ اس کی دو مثالیں تو ابھی گزری ہیں۔ اور اس کے علاوہ اور بھی بکثرت ہیں۔ اور کبھی کسی فعل کو ان کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے کہ انہوں نے اس طرح کیا۔ حالانکہ انہوں نے اس طرح نہیں کیا ہوتا۔ جس طرح کہ اُن (روضہ خوانوں) کی جماعت کا کہنا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے روز عاشورا چند حملے کئے اور ہر حملہ میں دس ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔ اور کبھی دروغ ان (معصومینؑ) کی تقریر پر ہوتا ہے اور تقریر کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ کسی آدمی نے ان (معصومینؑ) کے سامنے کوئی کام کیا ہو اور انہوں نے اس آدمی کو اس کام سے منع نہ فرمایا ہو۔ باوجودیکہ وہاں نہ تقیہ تھا اور نہ ہی انہیں منع کرنے میں کسی آدمی کا خوف تھا۔ پس ایسا کام جائز بلکہ مرغوب و محبوب ہوگا۔

چہارم۔ دروغ کبھی کسی آدمی سے اس قدر زیادہ صادر ہوتا ہے کہ ایسے آدمی کو عرف میں دروغگو کہتے ہیں اور وہ، وہ شخص ہے جس نے دروغ کہنے کو اپنی عادت بنا لیا ہو۔ اور دروغ اس کی طبیعت اور ملکہ ہو گیا ہو اور اس سے بہت زیادہ صادر ہوتا ہو اور زبان عربی میں ایسے شخص کو کذّاب کہتے ہیں۔ کہ گزشتہ اخبار و احادیث میں جس کا مکرر ذکر ہوا ہے۔ اور بعض علماء نے اس کا ترجمہ "انتہائی دروغگو" کیا ہے۔ لیکن نظر حقیر (صاحب کتاب) میں اس کا ترجمہ وہی "دروغگو" ہے۔ کیونکہ اگر کسی شخص نے دروغ کو اپنی عادت نہ بنا لیا ہو۔ لیکن کبھی ایک دفعہ یا دو دفعہ اس نے دروغ کہا ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ اس نے دروغ کہا لیکن اس شخص کو "دروغگو" نہیں کہتے۔ اگرچہ حسب لغت اسے دروغگو کہنا بھی صحیح ہے اور ایک خبر (حدیث رسول یا قول امام) میں آتا ہے کہ وہ دروغگو بہت مذموم ہے جو دروغ پر مطبوع ہو۔ یعنی جس کی سرشت اور طینت دروغ پر ہو اور اس کو اس نے اپنی عادت بنایا ہوا ہو۔ اور بہتر یہ ہے کہ اس قسم (دروغگو) کے مقابل کا نام "کاذب" رکھا جائے اور وہ، وہ شخص ہے جس نے دروغ کہنے کو اپنی عادت نہیں بنایا ہوا لیکن اس سے کبھی کبھار دروغ سرزد ہوتا ہے۔

پنجم یہ کہ دروغ گو سے کبھی تو دروغ از روئے جد و حقیقت اور اظہار بیان واقع صادر ہوتا ہے جس طرح کہ اس کے حقیقی مقاصد و مطالبات ہوتے ہیں اور جب دروغ کا اظہار کرتا ہے تو سننے والوں کو جہالت اور خلاف واقع کے اعتقاد میں ڈال دیتا ہے۔ اور اُن کو خلاف واقع کا معتقد بنا دیتا ہے۔ اور ان کی جہالت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ اور کبھی دروغ از روئے مزاح اور خوش طبعی ہوتا ہے۔ کہ جس میں دروغگو ہنسانے اور مزاح کرنے کے سوا کوئی دیگر مقصد نہیں رکھتا ہوتا۔ اور اس کی وجہ سے سننے والوں میں سے کوئی بھی خلاف واقع کا معتقد نہیں بنتا۔

ششم۔ یہ کہ دروغ سے کبھی فساد بلکہ مفاسد عظیمہ ظاہر ہوتے ہیں جس طرح بعض اخبار میں اس چیز کی طرف اشارہ

کیا گیا ہے مثلاً کوئی ایسا شخص ہو جس پر لوگ وثوق رکھتے ہوں۔ وہ خبر دے کہ فلاں شخص "جو غائب اور صاحب اہل وعیال ہے" مر گیا ہے۔ پس اس خبر پر اعتماد کی وجہ سے اس کا مال تقسیم ہو جائے گا۔ اور اس کی عورت شوہر کرے گی۔ پس ان کاموں کی وجہ سے اس قدر فساد اور خرابیاں پیدا ہو جائیں گی جن کا احصار و شمار نہیں ہو سکتا۔

اور کبھی دروغ اس کے سوا اور کوئی مفسدہ و خرابی نہیں رکھتا کہ سننے والے اس میں صرف خلافِ واقع کا اعتقاد رکھ لیتے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ خلاف واقع کا اعتقاد بے فائدہ ہونے میں واقع کے اعتقاد کے ساتھ یکساں اور برابر ہے۔ جیسے کہ فلاں بادشاہ مر گیا یا اس نے فلاں پر غلبہ پا لیا یا عساکر نے یا اس بادشاہ نے فلاں ملک میں اس قدر مداخلت کر لی ہے۔ حالانکہ نہ وہ مرا اور نہ اس نے غلبہ پایا اور نہ ہی اس نے مداخلت کی۔ لیکن سننے والے کے لئے اس بات کے ہونے یا نہ ہونے میں کوئی ضرر اور فائدہ نہیں ہے۔

اور کبھی دروغ کا نتیجہ کوئی نفع بلکہ بہت زیادہ منافع ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ دروغ جو کسی پیغمبر یا امام یا کسی مومن کے قتل ہونے سے نجات کا سبب ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ اور کسی آزار و اذیت سے نجات کا سبب ہو جائے یا اس کے ذریعہ مال محفوظ ہو جائے یا کسی محترم کی عرض و ناموس بچ جائے یا مسلمان اعداء دین پر جہاد میں غلبہ پالیں۔ اور ان کے علاوہ اور ایسی چیزیں جن میں فسادِ دروغ اس کے مصالح اور منافع کے پہلو میں مستہلک اور نابود ہے تو ایسے مقامات میں تقیہ و توریہ سے کلام کیا جا سکتا ہے۔ ایسا کلام دروغ نہیں بلکہ از قبیل تقیہ و توریہ ہے۔ کیونکہ اس کے فوائد و منافع بہت ہی قوی بلکہ اقوی اور اہم ہیں اور ان کے مقابلہ میں مفسدہ تو کچھ ہے ہی نہیں۔ لیکن ایسے مقامات اپنے وجود کے اعتبار سے بہت نادر ہوتے ہیں۔ اور دقتِ نظر و باریک بینی کے محتاج ہیں۔

ہفتم یہ کہ دروغ کبھی ظاہر اور آشکار ہوتا ہے۔ اور اس خبر کے دروغ ہونے کے جاننے کی راہ اکثر سننے والوں پر پوشیدہ اور مشتبہ نہیں ہوتی۔ جس طرح کہ اکثر متعارف جھوٹی باتیں ہیں اور اس کو کذبِ جلی کہتے ہیں اور کبھی دروغ اس قدر خفی اور پوشیدہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اس کے دروغ ہونے کی راہ کا پتہ نہیں ہوتا اور اس کو کذبِ خفی کہتے ہیں۔ جیسے کہ ہم اکثر اوقات اپنے پروردگار سے عرض کرتے ہیں اور اس کی ذاتِ مقدس کی مدح و ثنا اور تمجید و تقدیس کرتے ہیں اور اپنے حالات عجز و افتقار اور مسکنت و ذلالت اور شرمندگی و بندگی اور اطاعت کو پیش کرتے ہیں۔ بلکہ اپنے اعضاء و جوارح کے صفات و حالات کو خداوند جبار کے سامنے کھولتے ہیں کہ ہمارا دل خائف و ترساں اور طپش و اضطراب میں ہے اور ہماری چشم کے آنسو بہہ رہے ہیں اور موت و حضرت ملک الموت اور برزخ و قیامت کے اہوال و عقبات نے ہماری آنکھوں سے نیند کو اڑا دیا ہے اور آب و طعام کو ہمارے گلے میں اٹکا دیا ہے اور ان کے علاوہ اس قسم کی اور ایسی باتیں کہ جن کی بالکل کوئی اصلیت و واقعیت نہیں ہوتی اور نہ ہی کہنے والے کے دل میں ان باتوں کے کچھ حقائق اور معانی ہوتے ہیں اور جو کچھ کہتا ہے۔ وہ سب کچھ بے بنیاد و دروغ ہوتا ہے اور یہ دروغ ایسا دروغ ہے جو خداوند تبارک و تعالیٰ کے واسطے (یعنی اس کے حضور میں) ہے۔ اور یہ دروغ

عد و احصاء سے متجاوز ہے۔ مثلاً ہر روز اور ہر شب ہر وقت نماز میں نماز کے لئے آمادگی کے وقت اس میں اُٹھتے بیٹھتے کے وقت ہم اللہ اکبر کہتے ہیں۔ یعنی خداوند عزوجل ہر چیز سے بزرگ تر ہے یا ہر اُس چیز سے بزرگتر ہے جو صفت وصف میں آسکتی ہے۔ یا کسی کے وہم وخیال میں سما سکتی ہے یا خداوند عالم اس چیز سے بزرگتر ہے کہ اس کی ذات مقدس کا ادراک عقول و حواس کے ساتھ کیا جائے۔ یا کسی چیز پر اس کا قیاس کیا جائے۔ لیکن یہ معانی بالکل دل میں نہیں ہوتے اور حضرت حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت و بزرگی ہرگز دل میں جاگزیں نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے آثار و علائم اعضاء و جوارح میں ظاہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض مخلوقین جیسے حکام و سلاطین کے بزرگ ہونے اور ان کو بزرگ شمار کرنے اور ان کی بزرگی و عظمت کو جاننے کے آثار و علائم تمام اعضاء میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اور کتاب شریف مصباح الشریعة میں ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جب بھی تو تکبیر کہے تو تجھے چاہئے کہ تو خداوند عالم کی عظمت و کبریائی کے مقابلہ میں ہر اُس چیز کو حقیر اور صغیر سمجھے جو آسمان و زمین میں ہے۔ پس بتحقیق جب بندہ تکبیر کہتا ہے تو حق تعالےٰ بندے کے دل پر مطلع ہوتا ہے اور اگر اس بندے کے دل میں اس تکبیر کی حقیقت اور معنویت کے آگے کوئی عارضہ حائل ہوتا ہے۔ یعنی بندہ حق تعالےٰ کے سامنے اپنے دل میں کسی دوسری چیز کی تعظیم و توقیر کرتا ہے تو حق تعالےٰ فرماتا ہے۔ اے دروغگو کیا تو مجھے فریب دیتا ہے۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں تجھے اپنے ذکر کی حلاوت سے محروم کر دونگا اور تجھے اپنی نزدیکی اور سرگوشی سے محروم رکھوں گا۔ اور پھر اس تکبیر کے بعد بندہ اپنے غافل و خراب دل کے ساتھ کہتا ہے۔

وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض عالم الغیب والشہادة حنیفا مسلما وما انا من المشرکین۔

میں اپنی دلی توجہ اس ذات کی طرف کرتا ہوں جس نے اپنی قدرت کاملہ سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے۔ درحالیکہ میں تمام ادیان باطلہ اور مذاہب فاسدہ سے اعراض کر کے توحید اور اسلام کے ساتھ ملتزم اور متمسک ہوں اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ تا آخر دعا۔

جس کا حاصل ترجمہ یہ ہے کہ میں جو کچھ کرتا اور کہتا ہوں اور جو کچھ رکھتا ہوں اور جس چیز پر ہوں۔ یہ تمام چیزیں خداوند عزوجل کے تقرب کے واسطے ہیں۔ پس اگر ان کلمات (وجہت وجہی تا آخر) کو کہنے کے وقت اپنی تمام توجہ قلبی کو حق تعالےٰ کی طرف نہ لگائے ہوئے ہو۔ اور اپنے تمام کاموں کو اسی کے سپرد نہ کئے ہوئے ہو۔ بلکہ اپنی توجہ کو کسی اور کاروبار میں لگائے ہوئے ہو۔ یا اس نے توجہ کو متاع بازار کا مرہون بنایا ہوا ہو یا اس کی توجہ آرزوؤں میں محو اور شہوات و وساوس میں غرق ہو تو اس نے افتتاح نماز کے اول میں دروغ کہا۔ اور اس سلسلۂ کلام سے باقی ان آیات و اذکار اور ادعیہ کا حال بھی معلوم ہو گیا۔ جن کے ذریعہ بندہ اپنے پروردگار کے ساتھ کلام کرتا اور اُس کی ذات مقدس کے واسطے ورد دل کرتا ہے۔ خصوصاً آیہ مبارکہ الحمد للہ رب العالمین اور آیہ شریفہ ایاک نعبد وایاک نستعین اور ان کی شرح و ایضاح اس رسالہ (کتاب) کے مناسب نہیں ہے (کیونکہ اختصار مطلوب ہے) اور نیز فصل اوّل میں اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔

اور ہر آدمی اپنے حال میں تامل کرنے اور جن کلمات کو پڑھتا ہے ان کے مفاد ومعانی کے غور کرنے کے بعد یہ جان سکتا ہے کہ وہ شب وروز اپنی عبادت کی حالت میں کس مقدار میں دروغ کہتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اکثر نمازوں کا نتیجہ دروغ کہنا اس قدر زیادہ ہے کہ جس کے دروغ ہونے کی راہ معرفت کو سوائے حق تعالےٰ کی ذات مقدس کے کوئی نہیں جانتا۔ اور نہ ہی اس کے سوا کوئی اور سمجھ سکتا ہے۔ اور نیز تمام گزشتہ کلمات سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دروغ کبھی تو خداوند عالم پر ہوتا ہے اور کبھی خداوند عالم کے لیے ہوتا ہے۔ اور کبھی خداوند عالم کے حضور میں ہوتا ہے۔ اور دروغ کی یہ قسم انشاء اللہ تعالےٰ آگے آئے گی۔ اور وہ دروغ جو کنایہ واشارہ اور کسی پر تعریض کے ساتھ کہے جاتے ہیں وہ بھی دروغ خفی کے اقسام سے ہیں۔ اور وہ (دروغ بالکنایہ وغیرہ) وہ دروغ ہیں جو عام شائع ہیں اور جن کا پایا جانا رائج ہے (یعنی عام کثیر الاستعمال اور جاری ساری ہیں)۔

ہشتم۔ یہ کہ دروغ کبھی تو اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ بایں طور کہ کہنے والا وہ چیز کہتا ہے جس کی بالکل کوئی اصلیت وواقعیت ہوتی ہی نہیں۔ اور کبھی شرعی معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ بایں طور کہ اخبار واحادیث کے نقل کے مقام میں اس دستور العمل سے تخلی کرتا ہے جو معصومین نے اس کے لئے مقرر فرمایا ہے کہ جب کوئی کسی خبر کو نقل کرنا چاہے تو خبر کی اس قسم کو نقل کرے۔ ورنہ وہ شارع مقدس کے نزدیک دروغگو ہوگا۔ اگرچہ وہ خبر خلاف واقع نہ ہو۔ یا اس خبر کے صدق وکذب پہچاننے کے واسطے کوئی راہ ہی نہ ہو اور اس مطلب کی وضاحت آنے والے مقام میں کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

نہم یہ کہ دروغ خداوند عالم اور رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم پر تین وجہ سے ثابت اور محقق ہوتا ہے۔ اوّل متعارف مرسوم طریقہ پر کہ خداوند عالم نے اس طرح فرمایا یا اس طرح کیا۔ اور پیغمبر یا امام نے اس طرح کہا یا کیا۔ اور اس کی اصلیت اور واقعیت کچھ نہ ہو۔ دوم یہ کہ کوئی کام دروغگو نے کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور اس کے خلاف کو نقل کرتا ہو۔ یعنی اپنے کئے ہوئے کو نہ کیا ہوا، اور نہ کئے ہوئے کو کیا ہوا نقل کرتا ہو۔ اور کلام کے اثبات صدق کے واسطے گواہ بناتا ہو اور کہتا ہو کہ خداوند عالم یا پیغمبر یا امام جانتا ہے۔ یا شاہد ہے کہ میں نے اس کام کو کیا ہے۔" یا "اس کام کو نہیں کیا ہے۔" حالانکہ اس نے دروغ کہا ہوتا ہے۔ اور کافی کی حدیث میں گزرا ہے کہ خداوند عالم اس حالت میں فرماتا ہے کہ کیا تجھ کو میرے سوا اور کوئی نہ ملا جس پر تو نے یہ دروغ باندھا ہوتا اور فرمایا (حضرت صادق علیہ السلام نے) کہ اس وقت عرش خدا لرزہ میں آجاتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ خداوند عالم ملائکہ سے فرماتا ہے۔ کہ میرے اس بندہ کو دیکھو کہ اس کو مجھ سے عاجز تر کوئی آدمی نہیں ملا کہ اس نے یہ دروغ جس کے سپرد کیا ہوتا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنا یہ دروغ میرے علم کے سپرد کر دیا۔ سوم یہ کہ آدمی دروغ کہتا ہے اور اس کے اثبات وتحقق کے لئے خداوند تبارک وتعالیٰ اور اس کی مقدس ذات کے صفات واسماء کے ساتھ قسم کھاتا ہے۔ یا رسول خدا صلوات اللہ علیہ یا ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم میں سے کسی امام کی قسم کھاتا ہے اور اس دروغ کو "خداوند عالم کے ساتھ دروغ کہنا" کہتے ہیں۔ اور اس قسم کو "یمین غموس" کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ قسم اپنے حالف کو معصیت اور آتش دوزخ میں ڈبو دیتی ہے۔ اور اس کو یمین کاذبہ اور یمین حالقہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی یہ قسم اپنے حالف کے دین کو تیغ اور اُسترے کی طرح لے جاتی ہے۔ جس طرح کہ اُسترا سر کے بالوں کو صاف کر دیتا ہے۔

دہم یہ کہ دروغ کبھی زبان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور دروغ کی یہ قسم شائع و متعارف اور دروغ کا حقیقی مصداق ہے۔ اور دروغ کبھی اپنے ہاتھ کے ساتھ متحقق اور ثابت ہوتا ہے بایں طور کہ دروغگو، دروغ کی ان تمام گزشتہ اقسام کو لکھتا ہے جن کی کوئی اصلیت اور واقعیت نہیں ہوتی۔ اور دروغ کی یہ قسم بھی شیوع اور تعارف میں اس کی پہلی قسم (دروغ بزبان) کی طرح ہے بلکہ اس (دروغ بدست) کے آثار اور خرابی تو زبان سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ جو دروغ زبان سے باندھا جاتا ہے۔ وہ تو دلوں سے جلد محو ہو جاتا ہے لیکن جو دروغ ہاتھ سے لکھا جاتا ہے وہ صدیوں باقی اور مستمر رہتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ بولا جاتا۔ دیکھا جاتا اور سُنا جاتا ہے۔ اور دروغ کبھی سر کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جیسے کہ دروغگو سے کوئی آدمی پوچھے کہ پیغمبر یا امام صلوات اللہ علیہما یا فلاں شخص نے کس طرح فرمایا ہے؟ تو وہ اپنے سر سے اس طرح کا اشارہ کرے جس سے اس مقام میں "ہاں" سمجھی جائے۔ حالانکہ اسے تو چاہئے تھا کہ نہ کہتا (یعنی اس مقام پر اسے چاہئے تھا کہ سر سے اس قسم کا اشارہ کرتا جس سے نہ سمجھی جاتی) یا اپنے سر سے اوپر کی طرف اشارہ کرے یعنی اس قسم کا اشارہ کرے جس سے اس مقام میں "نہ" سمجھی جائے۔ حالانکہ اسے ایسے مقام میں اس طرح کا اشارہ کرنا چاہئے تھا جس سے ہاں سمجھی جاتی۔ اور اسی طرح ان تمام مذکورہ اقسام میں چشم و ابرو کے ساتھ بھی دروغ بولا جا سکتا ہے۔ بلکہ اس طرح بہت زیادہ بولا جاتا ہے۔ اور کبھی دروغ کان کے ذریعہ ہوتا ہے۔ چنانچہ مقاماتِ عالیہ پر فائز ہونے کے بعض عویداروں سے یہ بات سُنی گئی ہے کہ کبھی وہ اپنے مریدوں کے پاس یا ان کو اپنے پھندے میں پھنسانے کے واسطے اپنے کان کو کسی دیوار سے لگا دیتے ہیں (کان کو دیوار کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں) اور کان لگانے والوں کی طرح ساکت و ساکن ہو جاتے اور اس کے ذریعہ اپنے کان کی زبانِ حال سے اپنے مریدوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کوئی فرشتہ یا جن ہمارے ساتھ گفتگو کر رہا ہے۔ اور ہمیں کچھ اسرار کی تعلیم دے رہا ہے۔ اور کبھی دروغ منہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس طرح کہ کچھ لوگ کسی شخص سے پوچھیں کہ آج اول ماہ رمضان ہے یا آخر ماہ شعبان؟ یا پوچھیں کہ آج روز فطر ہے یا آخر ماہِ رمضان ہے؟ اور وہ جانتا ہو کہ اول صورت میں اول ہے۔ (یعنی آج ماہِ رمضان کی پہلی ہے) اور دوسری صورت میں دوسرا ہے (یعنی ماہِ رمضان کی آخری تاریخ ہے) اور اس سوال کے جواب میں وہ کسی چیز کے کھانے کے ساتھ سائل کو جواب دے۔ تو اس صورت میں اُس نے کھانے کے ذریعہ جھوٹی خبر دی ہے۔ کیونکہ اس کے کھانے سے مطلب یہ ہے کہ آج شعبان کی آخری تاریخ ہے۔ حالانکہ اس طرح نہیں ہے (کیونکہ اس کے علم میں تو ماہ رمضان کی پہلی تاریخ ہے۔ لیکن اس کے کھانے سے سائل نے یہ سمجھا کہ آج شعبان کی آخری تاریخ ہے) یا اس کا مطلب یہ ہے کہ آج روز فطر ہے۔ حالانکہ اس طرح نہیں ہے (کیونکہ اس کے علم میں آج ماہ رمضان کی آخری تاریخ ہے۔ لیکن اس کے کھانے سے سائل یہ سمجھ رہا ہے کہ آج روز فطر ہے) اور اسی طرح کا جھوٹ فرج (شرمگاہ) کے ذریعہ بھی فرض کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح کہ دروغگو سے پوچھنے والی اس کی زوجہ یا مملوکہ ہو۔ اور کبھی دروغ سکوت اور تقریر (کسی آدمی کے کسی عمل پر دیکھنے والے کا چپ رہنا) کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جس طرح کہ کسی سائل نے کسی آدمی سے خواہش ظاہر کی کہ میں تیرے سامنے وضو یا تیمم کرتا ہوں۔ اگر میرا وضو حکم شرع کے موافق نہ ہوا تو مجھے منع کرنا۔ پس اس سائل نے وضو باطل طریقہ سے کیا۔ جیسے کہ مسح پا کے بجائے ان کو دھویا یا ہاتھ کو منکوسًا دھویا۔ یا وضو ہی معکوسًا

کیا۔ اور اسی طرح تیمم میں کوئی غلط طریقہ استعمال کیا اور وہ دیکھنے والا آدمی چپ رہا اور کوئی بات نہ کہی تو وہ دیکھنے والا آدمی اپنے اس سکوت کے ساتھ اسے سمجھا رہا ہے کہ تو نے جو وضو یا تیمم کیا ہے وہ شرعی طریقہ سے اور مطابق حکم شرع ہے حالانکہ حقیقت میں وہ وضو یا تیمم حکم شرع کے مطابق نہیں ہے اور کبھی سکوت و تقریر کے ساتھ دروغ قرآن مجید کی سورہ و آیات میں بھی ہوتا ہے جس طرح کہ کوئی جاہل کسی عالم کو کہتا ہے کہ میں تیرے سامنے سورہ حمد پڑھتا ہوں۔ جہاں سے درست نہ ہو مجھے آگاہ کرنا اور صحیح تعلیم دینا۔ پس اس نے وہ سورہ پڑھی اور اس میں سے ایک مقام سے یا اس سے زیادہ درست نہ پڑھی۔ اور وہ سننے والا ساکت رہا۔ تو اس سننے والے نے اپنے اس سکوت کے ساتھ اسے بتایا کہ اس نے وہ سورہ صحیح پڑھی ہے۔ حالانکہ اس پڑھنے والے نے صحیح نہیں پڑھی۔

یازدہم یہ کہ دروغ کبھی تو سامع عاقل کیلئے بولا جاتا ہے۔ اور کبھی ایسے ہوتا ہے کہ سننے والا بچہ یا دیوانہ ہوتا ہے جو کہ راست کو دروغ سے تمیز نہیں دے سکتا ہوتا۔ اور کبھی ایسے ہوتا ہے کہ بالکل کوئی مخاطب اور سننے والا ہوتا ہی نہیں۔ چنانچہ سنا گیا ہے کہ کئی روضہ خوان علم روضہ خوانی کی تحصیل کے زمانے میں اوقاتِ نماز کے علاوہ کسی دوسرے وقت مسجد میں چلے جاتے ہیں اور مسجد کے دروازوں کو اندر سے بند کر دیتے ہیں۔ اور منبر پر چڑھ کر اپنی نگاہوں کو غضب آلود بنا لیتے ہیں اور مسجد کو مردوں عورتوں سے پر تصور کر کے پڑھنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور وہی تمام رسوم بجا لاتے ہیں جو مجالس میں معمولی ہیں۔ یہاں تک کہ رونا اور سر پیٹنا اور اس قسم کے تمام امور بجا لاتے ہیں۔ اور بعد میں دعا کرنا یہاں تک کہ خدام (بانیان مجلس) کیلئے بھی تو اس قسم کا آدمی جو کچھ کہتا ہے۔ اس میں اس کے پاس کوئی سننے والا اور مخاطب نہیں ہوتا۔ اور اس کا حکم انشاء اللہ آگے آجائے گا۔

اور اکثر اس طرح بھی ہوتا ہے کہ دروغگو کے مخاطب شہداء ہوتے ہیں۔ اور وہ شہداء کیلئے دروغ کہتا ہے۔ چنانچہ جدید وسیع شائع شدہ بدعتوں میں سے یہ بدعت ہے کہ زائرین حرم حضرت سید الشہداء علیہ السلام بلکہ حرم منورہ سے دور سے بھی لوگ زیارت وارث جو کہ زیارت ماثورہ معتبرہ میں سے ہے کے پڑھنے کے بعد عوام کالانعام کی تقلید کرتے ہوئے اس زیارت وارث پر سلام کے یہ چند جملے بڑھاتے ہیں۔

السلام علی ابیضکم وعلی اسودکم وعلی من کان
فی الحائر معکم وعلی من لم یکن فی الحائر معکم
خصوصاً سیدی ومولائی ابا الفضل العباس بن
امیر المؤمنین وقاسم بن الحسن ومسلم بن عقیل و
ھانی بن عروۃ وحبیب بن مظاھر والحر الشھید
الریاحی والسلام علیکم یا ساداتی وموالی جمیعا
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

سلام ہو آپ کے سفید پر اور آپ کے سیاہ پر اور ان شہداء
پر جو آپ کے ساتھ حائر میں ہیں اور ان شہداء پر جو آپ کے ساتھ
حائر میں نہیں ہیں۔ خصوصاً میرے سردار اور مولا ابو الفضل
العباس بن امیر المؤمنین اور قاسم بن الحسن و مسلم بن عقیل و
ہانی بن عروہ و حبیب بن مظاہر اور حر شہید ریاحی پر۔ اور
سلام ہو تم تمام پر اے میرے سردارو اور میرے آقاؤ اور تم پر
اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔

اور یہ کلمات بدعت اور امام علیہ السلام کے فرمودہ پر اضافہ کی جسارت کے علاوہ چند واضح دروغوں اور ظاہر سقموں کو متضمن ہیں۔

جس طرح کہ شائع اور متعارف ہے کہ یہ کلمات کئی ہزار مرتبہ مرقد منور ابی عبد اللہ الحسین علیہ السلام کے سامنے۔ اور ملائکہ مقربین کے حضور میں اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے مقام طواف میں شب و روز بآواز بلند پڑھے جاتے ہیں۔ اور (باوجود اتفاقات علماء و حاضرین میں سے) کوئی بھی ایزاد کرنے والوں پر اعتراض نہیں کرتا اور نہ کوئی انہیں دروغ کہنے اور اس معصیت میں مرتکب ہونے سے منع کرتا ہے۔ اور نہیں تو کم از کم ان خود ساختہ کلمات کو عوام میں سے احمق لوگ زیارت و ادعیہ کے مجموعوں میں جمع کرتے ہیں اور کبھی اس مجموعہ کا کوئی نام بھی رکھ دیتے ہیں۔ اور اسے چھپوا لیتے ہیں۔ اور اس قسم کے خود ساختہ کلمات کو ایک احمق دوسرے احمق کے مجموعہ سے نقل کرتا ہے۔ اور اس احمق کے مجموعہ سے اس احمق کے مجموعہ میں لکھے جاتے ہیں۔ اور یہ کام اس قدر ترقی کر گیا کہ صحیح اور غلط میں امتیاز کرنا بعض طلبہ پر مشتبہ ہو گیا۔

ایک روز میں نے ایک طالب علم کو دیکھا جو شہداء کے متعلق بہت ہی قبیح دروغ پڑھ رہا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ میری طرف ملتفت ہوا۔ میں نے کہا۔ کیا اس مجلس میں اس قسم کی جھوٹی باتیں قبیح نہیں ہیں؟ تو اس نے کہا مگر کیا یہ روایات مروی نہیں ہیں؟ میں نے کہا نہیں تو۔ اس نے کہا۔ میں نے یہ روایتیں ایک کتاب میں دیکھی ہیں۔ میں نے کہا وہ کونسی کتاب؟ اس نے کہا مفتاح الجنان۔ تو میں چُپ ہو گیا۔ اور میں نے دل میں کہا یہ کیسا ہی آدمی ہے۔ جس کا کام بغیر اطلاع و علم کے اس حد تک پہنچ گیا کہ اس نے بعض عوام کے مجموعہ کو کتاب شمار کیا ہوا ہے اور اسے مستند سمجھا ہوا ہے اس قسم کا آدمی تو بات کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اور بالجملہ اس دروغ کی وجہ سے وہ مبدع و مخترع احمق رحمت ایزدی سے دُور ہے جس نے ان کلمات کو گھڑا اور سنت سیئہ کو مقرر کیا وہ احمق اس دروغ کے لکھنے پڑھنے کے انجام میں تمام ایسے دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک بھی ہو گا۔ اب پہلے پہل یہ کہنا ضروری ہے کہ شیخ مفید قدس سرہٗ نے کتاب ارشاد میں فرمایا ہے کہ جب پسر سعد میدان کربلا سے چلا گیا تو بنی اسد میں سے کچھ لوگ جو غاضریہ میں مقیم تھے۔ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے جسم اقدس کے پاس آئے اور آپ کے اصحاب کے نزدیک آئے اور انہوں نے ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ اور امام حسین علیہ السلام کو اس جگہ دفن کیا جہاں کہ اس وقت حضور کی قبر اطہر ہے اور آپ کے بیٹے علی بن الحسینؑ الاصغر کو آنحضرت کی پائنتی کے قریب دفن کیا اور پھر حضور کے باقی اہل بیت اور اصحاب میں ان شہیدوں کیلئے ایک گڑھا کھودا جو حضور کے ارد گرد شہید ہوئے پڑے تھے۔ اور ان تمام شہداء کو ایک جگہ میں حضرت کی پائنتی کی جانب دفن کر دیا۔ اس روایت کے بعد شیخ مفید قدس سرہٗ نے حضرت عباس کے مدفن کا ذکر فرمایا ہے۔ اور پھر چند ورق کے بعد اس مطلب کی توضیح و تشریح کی ہے۔ اور آخر کلام میں فرمایا ہے۔

فاما اصحاب الحسین علیہ السلام رحمۃ اللہ علیہم الذین قتلوا معہ فانھم دفنوا حولہ ولسنا نحصل لھم اجداثا علی التحقیق الا انا لا نشک ان الحائر محیط بھم رضی اللہ عنھم۔

بہر حال اصحاب حسین علیہ السلام جو آپ کے ساتھ شہید کئے گئے۔ پس تحقیق وہ حضرت کے ارد گرد دفن کئے گئے۔ اور ہمیں بنا بر تحقیق ان کی علیحدہ علیحدہ قبور کا کچھ علم حاصل نہیں ہے۔ مگر ہمیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حائر حسینی سب کو محیط

ہے۔ اور تمام اصحاب حائر میں داخل ہیں۔

اور اس کلام کو علماء نے بطریق قبول نقل فرمایا ہے۔ اور یہی چیز زیارت ماثورہ کی کتب سے ظاہر اور ہویدا ہے۔ اور سوائے حضرت ابوالفضل کے تمام شہداء، اصحاب شہداء اہل بیت کے بعد حضور سید الشہداء کی پائنتی مبارک کی جانب میں مدفون ہیں۔ بہرحال حضرت حر شہید کے متعلق اب تک سوائے شیعہ کی سیرت مستمرہ اور شیعہ کے فعل و عمل کے سوا اور کوئی چیز ہمیں نہیں ملی کہ جس کے ذریعہ پتہ چلے کہ حضرت حر کی قبر وہیں ہے جہاں کہ لوگ اب ان کی زیارت کرتے ہیں۔ بلکہ کتب مقاتل اور اخبار زیارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حر بھی حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے باقی اصحاب کے ساتھ ہی ہیں۔ ہاں البتہ شیخ شہید اول طاب ثراہ کتاب دروس میں حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام کی زیارت کے فضائل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جس وقت کوئی آدمی حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی زیارت کرے۔ پس چاہئے کہ وہ حضرت کے فرزند علی بن الحسین علیہ السلام کی زیارت کرے اور بہرصورت شہداء کی زیارت کرے۔ اور حضرت کے برادر حضرت عباس کی زیارت کرے اور حضرت حر بن یزید کی الخ

اور یہ بات صریح اور ظاہر ہے کہ حضرت حُر شہید کی قبر اس زمانہ میں اس جگہ معروف تھی اور جناب شیخ شہید اول مرحوم کے نزدیک معتبر تھی اور ہماری تعیین کیلئے شیخ اول کا اسی قدر فرمانا کافی ہے۔ بہرحال باقی باتیں جو ذاکرین حضرت حر کو باقی شہداء کے درمیان سے باہر لے جانے اور ان کو کسی اور جگہ علیحدہ دفن کرنے اور اس کے اسباب کے متعلق پڑھتے ہیں۔ پس وہ ساری باتیں مجعولات میں داخل اور جھوٹے لوگوں کی خود ساختہ ہیں۔

ثانیاً حضرت قاسم بن الحسن علیہ السلام کو جو ظلم و ستم اعداء نے ان بیچارہ کی زندگی میں کئے تھے وہ کافی نہ تھے کہ اے احمق کذاب (زیارت وارث میں ایزاد کرنے والے سے خطاب ہے) اب تو نے انہیں ان کے عمّ اکرم اور باقی اعمام و عموزادگان اور بھائیوں سے علیحدہ کر دیا ہے اے احمق کذاب اب جو تو نے اس شہید مظلوم پر ظلم کیا ہے۔ پس ان کے مقام دفن کو معلوم کر کہ اس جگہ لوگ ان کی زیارت کریں اور اسی طرح بہت سے ایسے مقامات ہیں۔ کہ لوگوں نے ان کو بزرگوں کی طرف منسوب کیا ہوا ہے۔ حالانکہ ان کی کوئی اصلیت و واقعیت ہی نہیں ہے۔ اور کسی معتبر شخص نے ان کا ذکر ہی نہیں کیا۔ اور نہ ہی ان کے متعلق کوئی مستند چیز دیکھی سنی گئی ہے جس طرح کہ وہ گھر جو حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام کی طرف منسوب ہے اور اس قسم کی بہت سی ایسی قبریں بھی ہیں۔ جن میں سے کچھ تو بے ماخذ ہیں۔ اور ان میں بعض ایسی بھی ہیں جن کا دروغ ہونا معلوم ہے۔ جس طرح کہ شہروان میں مقداد کی قبر ہے۔ اور ظاہراً یہ مقداد مشائخ اعراب میں سے تھا۔ اور بعض احمقوں نے اس قبر کو مقدادؓ بن اسود کندی کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ جو کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ کے صحابہ کبار میں سے تھے۔ حالانکہ مقدادؓ صحابی نے مقام جرف میں وفات پائی جو کہ مدینہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔ پھر لوگوں نے مقدادؓ مذکور کی لاش کو مقام جرف سے اٹھایا۔ اور بقیع میں دفن کر دیا۔ اور مختار کی قبر جس کے متعلق شیخ جلیل ابن نما نے کتاب شرح ثار در شرح حال مختار میں تصریح فرمائی ہے کہ۔

وان قبتہ لکل من خرج من باب مسلم بن عقیل کالنجم اللامع ۔

جو شخص مسجد کوفہ سے در مسلم سے نکلے تو اس کے لئے مختار کی قبر چمکتے ہوئے ستارے کی مانند ہے۔

لہذا اس بات سے معلوم ہوا کہ مختار کی قبر اس زمانہ میں ظاہر تھی ۔ اور صحن مسلم سے دور تھی ۔ اور اب لوگوں نے مسجد کے اندر ایک جگہ کو معین کیا ہے اور مختار کو اس جگہ مدفون سمجھتے ہیں ۔ اور ان لوگوں نے اس کی تصدیق کو علماء سے نقل کیا ہے ۔ یہ مقام خود ساختہ دروغ ہے ۔

طہران سے شاہان قاچاریہ میں سے کسی بادشاہ نے جنت مقام فقیہ عصرہ وعلامۃ دھرہ شیخ عبد الحسین طہرانی طاب ثراہ کی خدمت میں محض مختار کی قبر کا پتہ لگانے کیلئے کچھ رقم تقریباً چار سو تومان بھیجے تو علامہ مذکور نے لکھا کہ مختار کی قبر معلوم نہیں ہے ۔ لہذا اس رقم کا کوئی اور مصرف ہونا چاہیے ۔ سلطان نے پھر جواب میں اصرار بلیغ کیا کہ یہ رقم اسی مقام میں صرف ہونی چاہیے ۔ شیخ مرحوم مقام تفحص میں تشریف لائے ۔ یعنی کتب کا مطالعہ کیا ۔ اور حقیر (صاحب کتاب) بھی ان کی خدمت میں تھا ۔ ہمیں تو ابن نما کی اس مذکورہ عبارت کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ملی ۔ آخر کار علامہ نے اس رقم سے اعراض فرمایا ۔ اور کسی دوسرے صاحب نے وہ رقم لے لی اور انہوں نے کیا جو کچھ کیا ۔

بہر حال یہ کذاب بے شرم (زیارت وارث میں اضافہ کرنے والے کے متعلق فرماتے ہیں) کاش ! کوئی جگہ معین کرتا ۔ کہ اگر لوگ اس سے پوچھتے کہ اس مظلوم قاسم بن الحسن علیہ السلام کی قبر کہاں ہے ۔ تو یہ ان کو اس قبر کا پتہ دیتا ۔ سبحان اللہ ! حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے قاسم کے پارہ پارہ جسم کو اٹھایا اور باقی شہداء اہلبیت کے ساتھ پہلوئے علی اکبر میں رکھا ۔

اور شیخ مفید نور اللہ مرقدہ کتاب ارشاد میں شہداء اہلبیت کے اسماء کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ۔

وھم کلھم مدفونون مما یلی رجلی الحسین علیہ السلام فی مشھدہ حفر لھم حفیرۃ والقوا فیھا جمیعا وسوی علیھم التراب الا العباس بن علی علیھما السلام ۔

وہ تمام شہداء جناب امام حسین علیہ السلام کے مقتل میں حضرت کی پائنتی میں مدفون ہیں ۔ ان شہداء کیلئے ایک گڑھا کھودا گیا اور بنی اسد نے تمام شہداء کو اس میں دفن کر دیا ۔ اور ان پہ مٹی برابر کر دی گئی ۔ مگر عباس بن علی علیہما السلام (ان کو ان شہداء سے الگ دفن کیا گیا)

اور اس بے انصاف (زیارت وارث میں زیادتی کرنے والا) نے اس جسد شریف کو باقی شہداء سے الگ کر دیا ہے ۔ مجھے (صاحب کتاب) یہ معلوم نہیں کہ اس نے اس مظلوم کو کیوں الگ کیا اور کاہے کے لئے ؟ اور معلوم نہیں کہ اس مظلوم نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا کہ اس نے اس مظلوم کے ساتھ اس طرح کیا ۔ اور اس سے زیادہ احمق وہ لوگ ہیں جو اس زیادتی زیارت کو پڑھتے ہیں ۔ اور اس چیز کی طرف کبھی ملتفت نہیں ہوتے اور اس کے باوجود اس قسم کا مستھجن دروغ جناب سید الشہداء

علیہ السلام کے حضرِ انور میں کہتے ہیں۔ ایسے لوگ غالباً اس چیز کے معتقد ہیں کہ یہ کلمات اجزاءِ زیارت سے ہیں۔ اور یہ چیز بذاتِ خود دین میں بدعت اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ کی شریعت میں خیانت ہے۔ کیونکہ کوئی ایسا چھوٹا یا بڑا عمل کرنا یا اس کا اعتقاد رکھنا جو شریعت سے نہ ہو۔ کیا ایسا عمل اوّلاً بدعت میں داخل ہونے اور ثانیاً دین سے خارج ہونے کا سبب نہیں ہے؟ اور اس قسم کے امورِ جزئیہ اور محقر و بدعتوں میں عوام کو ان کے اپنے حال پر چھوڑنا۔ جیسے غسل اویس قرنی[1] اور ابودرداء کے آش[2] جو کہ معاویہ کا تابع اور اس کا مخلص حقیقی تھا۔ اور روزہ صمت کہ جس میں آدمی دن بھر بات نہیں کرتا اور اس کے علاوہ اس قسم کی اور چیزیں جن سے لوگوں کو کوئی منع نہیں کرتا۔ اس قسم کی چیزیں عوام کی جرأت و جسارت کا سبب بنی ہوئی ہیں۔ جس کی وجہ سے ہر ماہ و سال میں لوگ دستہ دستہ ہو کر دینِ خدا سے خارج ہو رہے ہیں۔

ثانیاً مسلم بن عقیل جو کہ شہداء اہلبیت علیہم السلام میں سے جلیل القدر اور عظیم الشان ہیں وہ اس سلسلہ میں داخل نہیں ہیں۔ اسی واسطے جو زیارت ناحیہ مقدسہ ہم تک پہنچی ہے اور اس میں شہداء کے نام مذکور ہیں اس میں اور اسی طرح زیارت اول رجب جس میں شہداء کے اسماء ذکر فرمائے گئے ہیں، میں جناب مسلم کا نام نہیں لیا گیا۔ حالانکہ ان کے دونوں بچوں کا نام لیا گیا ہے۔

رابعاً ہانی کا حال اب تک صحیح طور پر مکشوف نہیں ہوا اور نہ ہی اب تک علماء کے نزدیک حدِ وثاقت تک پہنچا ہے۔ ہاں سید اجل بحر العلوم علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب رجال میں بہت ہی محنت و مشقت کر کے ہانی کی مدح و تعریف کو تلاش کیا ہے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے اپنی کتاب میں ہانی کا شمار شہداء کربلا کی قطار میں نہیں کیا۔ اور اس کذاب و وضاع (زیارت وارث میں زیادتی کرنے والا) سے تعجب ہے کہ اس نے ہانی کا ذکر تو کیا۔ مگر قیس بن مسہر صیداوی جو کہ اہل کوفہ کی طرف حضرت سید الشہداء کا قاصد تھا اس کے قوی الایمان ہونے کے باوجود، اور عبداللہ بن یقطر رضیع اور حضرت کا دوسرا قاصد اس کے علوِ مقام اور شہادت کے باوجود اور ابورزین سلیمان جو حضرت کا غلام یا آزاد کردہ تھا اور اہل بصرہ کی طرف حضرت کا قاصد تھا۔ اور اس کی شہادت بھی ابن زیاد غدار کے دستِ رجس سے ہوئی۔ ان میں سے کسی ایک کا بھی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ وہ لوگ ہانی سے کئی مراتب کے لحاظ سے مقدم تھے۔ اور ان کا ذکر کرنا نہایت اولیٰ و اہم تھا۔ اور ان چند کلمات مذکورہ کی وجہ سے ہم موضوعِ رسالہ سے باہر چلے گئے ہیں۔ لیکن فقرہ مذکورہ دل میں ایک عقدہ تھا جو اب بھی ہے اور رہے گا۔ اور اس میں تو ہم نے عوام کی ظاہری وضع اور علماء عظام کی عدم اعتناء کو محض اظہارِ تاسف کیلئے اخوان مومنین کے سامنے پیش کیا ہے۔

دوازدہم یہ کہ دروغ کبھی تو بات کہنے اور لکھنے میں رسمی طور پر کلام میں متعارف ہوتا ہے۔ اور کبھی شعر کے تمام اقسام میں ہوتا ہے۔ اور اسی طرح نثر کے ایسے کلمات میں ہوتا ہے، جو کئی جہات سے نظم کے قریب اور مشابہ ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ مقامات حریری وغیرہ اور اس قسم کی اور کتابیں۔ اور یہ دو قسمیں حکم میں فی الجملہ فرق رکھتی ہیں۔ جو انشاء اللہ آگے مذکور ہوگا۔

مطلب دوم۔ دروغ کی مذکورہ اقسام کے احکام کے متعلق اشارہ اجمالیہ میں۔

حکم تقسیم اول۔ پس مخفی نہ رہے، کہ خداوند عالم اور رسول و ائمہ طاہرین علیہم السلام پر دروغ باندھنا تمام مسلمانوں کے

[2] آش ابودرداء۔

[1] غسل اویس قرنی۔

نزدیک معاصی کبیرہ اور گناہانِ عظیمہ میں سے ہے۔ اور اس قسم کے دروغ سے اجتناب کرنا ضروریاتِ دین میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ بلکہ ابن حجر نے کتاب زواجر میں علماء کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ اس قسم کا دروغ (دروغ بر خدا و رسولؐ و ائمہ طاہرین علیہم السلام) موجب کفر ہے۔ اور وہ دروغ جو خدا و رسولؐ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے علاوہ دوسرے لوگوں پر ہو یا اس دروغ کا کسی شخص کے ساتھ کوئی ربط ہی نہ ہو (ویسے بولا گیا ہو) پس اس قسم کے دروغ کے بھی معاصی سے ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ بلکہ بعض علماء نے اس قسم کے دروغ سے اجتناب کرنے کو بھی ضروریاتِ دین سے شمار کیا ہے۔ اور تمام گزشتہ اخبار و احادیث کا مفاد بھی یہی ہے۔ اور فقہاء عظام کی ایک جماعت نے تصریح بھی کی ہے کہ اس قسم کا دروغ بھی کبائر سے ہے۔ اور اس کا خلاف کسی سے نقل نہیں کیا گیا۔ اور نہ ہی اخبار و احادیث میں سے اس کا کوئی معارض ذکر کیا گیا ہے۔ سوائے بعض صورتوں کے جن کا حکم انشاء اللہ آگے آ جائے گا۔ پس اقویٰ یہ ہے کہ دروغ کی ان تمام اقسام کو کبائر سے شمار کیا جائے۔

حکم تقسیم دوم۔ پس دروغ بر خدا اور خلفاء خدا صلوات اللہ علیہم پر ان کے امورِ دین میں اور ان چیزوں میں جن کا بیان کرنا صرف انہیں سے مختص ہے۔ پس اس کا حرام ہونا اور گناہِ کبیرہ ہونا واضح اور گزشتہ آیات و اخبار سے متیقن ہے اور بنا بر اصح اور اقویٰ کے ان (معصومین) کے امورِ دنیا میں بھی ان پر دروغ باندھنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ چنانچہ گزشتہ آیات و اخبار سے ظاہر ہے اور محض ان کے امورِ دین کے ساتھ اس کی تخصیص سوائے توہم بعید کے جس کے ذکر کرنے کا یہ مقام نہیں معلوم نہیں ہے۔ اور علامہ حلیؒ قدس سرہٗ نے کتاب منتہیٰ اور تحریر میں اس چیز کی تصریح فرمائی ہے۔ اور نیز علماء متاخرین کی ایک جماعت جیسے صاحبِ مستند نے اور شیخ فقیہ نے جواہر اور نجاۃ العباد میں اور والد العلامہ قدس سرہٗ نے شرح ارشاد میں بلکہ اس چیز کو علماء کی ایک جماعت کی طرف منسوب کیا ہے کہ معصومین علیہم السلام کے امورِ دین و دنیا میں ان پر دروغ باندھنا اور افترا پردازی کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ اور اس کے متعلق علماء کے سابقہ طبقات میں کسی سے بھی اس کا خلاف نقل نہیں کیا گیا اور احتیاط و معصومین علیہم السلام کے احترام کا مقتضا بھی یہی ہے کہ حکم مذکور میں ان کے دین و دنیا کے امور میں تعمیم ہو واللہ العالم۔

حکم تقسیم سوم۔ پس ظاہر ہے بلکہ یہ بات قطعی ہے کہ دروغ کی ان تینوں قسموں (معصومین علیہم السلام کی طرف کوئی ایسا کلام یا فعل یا تقریر منسوب کرنا جو حقیقت میں ان سے ثابت نہ ہو) کے حکم میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ یہ تینوں قسمیں حرام اور مفسدہ دونہ ہیں۔ کیونکہ اگر معصومین علیہم السلام کے قول یا ان کی تقریر کی نقل و حکایت شرعی طریقہ سے ثابت ہو تو وہ حجت اور قابلِ اتباع ہے اور اس کے ساتھ عمل کرنا جائز اور مناسب ہے۔ اور اس کو کتابِ خدا کے مقابلہ میں سنت کہا جاتا ہے۔ پس اگر آدمی ان اقسامِ ثلاثہ (قول و عمل و تقریر معصومین علیہم السلام) میں دروغ کہے گا اور اس کی اس بات کی کوئی اصلیت و واقعیت نہ ہوگی تو اس کے بارے میں یہ کہنا درست ہوگا کہ اس نے معصومین علیہ السلام پر دروغ باندھا ہے۔ پس اس آدمی کی غلط نقل و حکایت میں اس پر یہ حکم جاری و نافذ ہو جائے گا کہ اس نے معصومین

علیہم السلام پر دروغ باندھا ہے۔ پس جب معصومین علیہم السلام پر دروغ باندھنا ثابت ہوگیا۔ تو پھر اس قسم کے دروغ کا حرام اور مفسدِ روزہ ہونا واضح اور لائح ہے۔ نیز علماء کی ایک جماعت نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اور اس دروغ کے حرام اور مفسدِ روزہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

حکم تقسیم چہارم۔ پس قسم اول کہ جس میں دروغگو سے دروغ اس طرح صادر ہو کہ اس نے اس کو اپنی عادت بنالیا ہو۔ اور دروغ اس کی فطرت بن چکا ہو اس کا حکم واضح اور اخبار و فتاوٰی سے متیقن ہے۔ باقی رہی دوسری قسم۔ پس اگر دروغ خداوند تعالےٰ اور رسول و ائمہ صلوات اللہ علیہم پر ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ عمداً ایک دروغ کے ساتھ مکلف فاسق ہو جائے گا۔ اور اس پر تمام احکام فسق جاری ہو جائیں گے۔ لیکن اگر مذکورہ صورت (خدا اور رسول اور ائمہ صلوات اللہ علیہم) کے علاوہ دروغ ہو تو فی الجملہ اس میں تامّل ہے کہ کیا آدمی ایک دروغ کے ساتھ فاسق ہو جاتا ہے یا اصرار و تکرار کے بعد لیکن اخبار کثیرہ کا مفاد یہی ہے کہ ایک دروغ بھی معاصی کبیرہ میں سے ہے۔ پس اس ایک دروغ کا حکم بھی پہلے دروغوں کی طرح ہوگا۔ اور یہ بات بدیہیات میں سے ہے کہ جو بھی گناہ کبیرہ ہو یہاں تک کہ وہ کبیرہ بھی جو گویائی سے متعلق ہو جس کا محل و مقام زبان ہے جیسے شرک و غیبت اور قذف و فتنہ اور اس کے علاوہ دیگر جو معاصی کبیرہ ہیں ان کے کبیرہ ہونے میں اور معصیت ہونے میں یہ شرط نہیں ہے کہ ایسے گناہ انسان سے مکرر صادر ہوں بلکہ جب بھی ان معاصی میں سے کوئی ایک گناہ مکلف سے عمداً صادر ہو گا تو وہ فاسق ہو جائے گا اور اس پر حد اور باقی احکام جاری ہو جائیں گے اور کذب کا قبح شرعاً اور عقلاً مذکورہ معاصی (شرک۔ غیبت۔ قذف۔ فتنہ وغیرہا) سے کم نہیں ہے بلکہ کذب تو بعض مذکورہ معاصی سے سخت تر گناہ اور معصیت ہے۔ چنانچہ پہلے گزر چکا ہے کہ کذب شراب سے بدترین اور تمام خبائث کے مکان کی کنجی ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ شرع مطہر میں دروغ کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی باوجودیکہ وہ شراب سے بدتر ہے۔ کیونکہ کذب محاورات اور مکالمات میں کثیر الاستعمال اور شائع ہے اور اسی واسطے دروغ کا قبح لوگوں کی نظروں سے مستور ہے۔ اور کیونکہ دروغگو یہ بھی کر سکتا ہے کہ اپنی کہی ہوئی بات یا دیے کہنے کے واسطے کئی وجوہ و تاویلات ذکر کرکے اپنے آپ کو اس طرح اس دروغ سے بری کرے جو لا محالہ سبب شبہ ہو جائے۔ پس واضح ہو گیا کہ ان دونوں قسموں (دروغ کو اپنی عادت بنالینا یا کبھی ایک دفعہ دروغ بولنا) کے معصیت ہونے میں اور ان دونوں کو گناہ کبیرہ شمار کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگرچہ ان دونوں قسموں میں قسم اول اشد ہے اور اس کے مفاسد کئی وجوہ سے زیادہ ہیں۔

حکم تقسیم پنجم۔ پس اس دروغ کی قسم اول (جو دروغ، دروغگو سے از روئے جد و حقیقت صادر ہوتا ہے) کا حکم واضح ہے۔ باقی رہی دوسری قسم (جو دروغ، دروغگو سے از روئے مزاح و خوش طبعی صادر ہوتا ہے) پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل یہ کہ اصل کلام جو دروغگو کہتا ہے اور جو خبر دیتا ہے وہ محض مزاح ہو بایں طور کہ وہ اپنے الفاظ سے کسی معنی کا قصد نہیں کرتا۔ بلکہ کسی معنی کا قصد کئے بغیر کچھ کلمات اس کی زبان سے جاری ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ وہ نیند میں یا سہواً کوئی بات کہہ دیتا ہے اور سوائے نیند میں یا سہواً کہی ہوئی بات

کے اس قسم کے کلام (بے قصد معنی کوئی دروغ کہہ دینا) کے عقود وایقاعات اور شہادات وغیرہ میں حرمت وجواز اور صحت وفساد کے متعلق شرع انور میں کوئی حکم نہیں آیا ہے۔ کہ ایسا کلام اگر اس قسم کے شخص سے صادر ہوا ہو تو اس کا یہ حکم ہے۔ لیکن قرینہ ظاہرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا کلام جو اس آدمی سے بے قصد معنی صادر ہوا ہے وہ لغو اور بیہودہ باتوں میں شمار ہوگا۔ ہاں بعض علماء نے اس قسم کے کلام (بے قصد معنی دروغ کہنا) کو باقی مزاحیہ کلمات اور بیہودہ باتوں کی طرح شمار کیا ہے اور ایسے کلام کو دائرہ کذب سے خارج سمجھا ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ کذب، خبر دروغ کو کہا جاتا ہے۔ اور کوئی کلام بے قصد معنی، خبر نہیں ہوتا۔ لہذا ایسا کلام محل کذب نہ ہوگا۔ لیکن بعض بزرگ علمائے محققین نے گزشتہ اخبار واحادیث کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ایسے کلام کو کذب سے خارج کرنے میں اشکال کیا ہے۔ کیونکہ معصومین علیہم السلام نے ان اخبار میں ترک دروغ کا امر فرمایا۔ چاہے وہ دروغ سنجیدگی میں ہو۔ یا مسخری میں ہو۔ اسی لئے علماء نے ایسے کلام کو کذب اور حرام شمار کیا ہے۔ اور انہوں نے اپنے اس قول ونظریہ کی موید اس روایت کو بنایا جو کہ پہلے گزر چکی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ نے ابوذر سے فرمایا۔ اے ابوذر اس آدمی پر وائے ہو جو بات کہتا ہے اور اس میں محض اس لئے دروغ کہتا ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو ہنسائے۔ اُس پر وائے ہو، اس پر وائے ہو، اُس پر وائے ہو۔ کیونکہ اکثر باطل قصے اور جھوٹی مضحکہ حکایات مسخری اور خوش طبعی کے ساتھ لوگوں میں بیان کی جاتی ہیں۔ اور جو کچھ علماء محققین نے فرمایا ہے مطابق احتیاط ہے۔ دوسری قسم۔ یہ کہ آدمی ایسے کلام میں کسی معنی کا قصد رکھتا ہو۔ لیکن اس دروغ اور بے اصل حکایت کو خوش طبعی اور مزاح کے مقام میں اور بیکار لوگوں میں صرف اس لئے نقل کرتا ہو کہ ان کو اس میں مشغول رکھے اور ہنساتا رہے۔ ہاں البتہ دروغ کی یہ قسم گزشتہ اخبار میں اس ذکر شدہ خوش طبعی اور مزاح کہ معصومین علیہم السلام نے جس کے ترک کرنے کا حکم فرمایا ہے" سے جو معنی مراد ہے، اس میں داخل ہے اور اس کے جواز کی بھی کوئی راہ نہیں ہے

حکم تقسیم ششم۔ پس قسم اول (جس دروغ سے مفسد عظیمہ پیدا ہوں) کا حکم واضح ہے اور اس کا حرام ہونا بدیہی ہے اور اسی طرح قسم دوم (جس دروغ سے کوئی مفسدہ پیدا نہ ہوتا ہو) کا حکم بھی یہی ہے۔ کیونکہ دروغ کا حرام ہونا بداہتہً اس میں کسی مفسدہ کے پائے جانے سے مقید نہیں ہے۔

باقی رہا توریہ۔ اس کا اجمالی حکم تو معلوم ہے۔ کیونکہ تقیہ کے مقام میں اور جان ومال یا عزت پر خوف کے وقت بلکہ ایسے بہت سے مقامات میں یہ جائز بلکہ واجب ہے۔ اور اسی طرح اعداء دین پر غلبہ اور اخوان مومنین کے درمیان اصلاح کے مقام میں اور اہل وعیال کے شرور وفسادات کو رفع کرنے کے لئے یہ جائز ہے۔ بلکہ علماء نے فرمایا ہے کہ جہاں ایسے کلام سے اصلاح ہو رہی ہو تو اسے طریق توریہ استعمال کرنا چاہیئے اور دروغ سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ اور توریہ کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی آدمی کلام کہے۔ اور اس سے معنی صحیح واقعی کا قصد کرے اور اس کلام کے کہنے میں اس کی غرض دروغ اور جھوٹ نہ ہو۔ اور مخاطب اس کی اس بات پر اعتماد کرکے اس کے درپئے آزار نہ ہو جیسے کہ موارد مذکورہ میں۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کے گھر میں آنے کی اجازت لیتا ہے۔ اور اس کا مقصد گھر والوں کو کوئی اذیت یا نقصان دینا ہے۔ مگر صاحب خانہ کا خادم اپنے مالک کے حکم یا مالک کے اس چیز

(اس کے شر سے بچنے کیلئے اجازت نہ دینا) کی طرف میلان کی وجہ سے کہہ دیتا ہے کہ "مالک اس جگہ نہیں ہے" اور "اس جگہ" سے اس کی غرض اس گھر کی ایک معین اور مخصوص جگہ ہو کہ اس جگہ نہیں ہے۔ لیکن وہ اجازت لینے والا شخص کلمہ "اس جگہ" سے یہ سمجھے کہ مالک گھر میں نہیں ہے جس طرح کہ اس بات کا ظاہر معنی ہے۔ پس وہ اذن لینے والا واپس ہو جائے۔ اور اہل خانہ اس کے شر سے بچ جائیں۔

اور کتاب سرائر شیخ فقیہ ابن ادریس حلی رحمہ اللہ میں ابن بکیر سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ کسی آدمی سے کوئی گھر میں آنے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ اور صاحب خانہ کو اس سے اپنی جان یا مال یا عزت کے نقصان کا خوف ہے۔ پس صاحب خانہ اس کے شر سے بچنے کیلئے اپنی کنیز سے کہتا ہے کہ تو کہہ دے "وہ اس جگہ نہیں ہے" اور "اس جگہ" سے اس کی مراد گھر کی ایک معین خالی جگہ ہو اور اس کلام میں وہ توریہ کر رہا ہو۔ فرمایا کوئی ڈر نہیں۔ یہ دروغ نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے مقام میں جہاں کہ صاحب خانہ کو اپنی جان یا مال یا عزت کا خوف ہے تو صاحب خانہ اگر توریہ کرنا جانتا ہے تو توریہ سے بات کرے اور اپنے آپ کو اس کے ضرر اور شر سے بچائے۔ اور دروغ کہنا اس کے لئے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جب وہ توریہ کر سکتا ہے تو توریہ سے کلام کرے اور یہی حقیر اکابر محققین کی ایک جماعت کی پسندیدہ اور مختار ہے۔ لیکن اس میں بحث و تمحیص بہت زیادہ ہے۔ اور اس کا محل و مقام فقہ ہے۔ اور ہر مقلد کی تکلیف یہی ہے کہ وہ اپنے اس مجتہد کی طرف رجوع کرے جس کی اس نے تقلید کی ہوئی ہے۔ وہ جس قسم کی اجازت دیں اس پر عمل کرے۔ باقی رہا وہ دروغ جس میں منافع کثیرہ ہوں۔ سو اس کی توضیح کا محل و مقام کتب فقہیہ ہیں۔ اور فقہاء رضوان اللہ علیہم کے ظاہر کلمات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو دروغ خدا و رسول اور ائمہ صلوات اللہ علیہم پر ہو وہ مطلقاً حرام ہے۔ چاہے اس میں کتنا ہی عمومی نفع اور اصلاح کیوں نہ ہو۔ اور علماء کرام وضع حدیث کو تو کسی مطلب کیلئے جائز نہیں جانتے۔

شیخ شہید ثانی علیہ الرحمہ وغیرہ نے کتاب درایت میں اخبار موضوعہ و مجعولہ کے بیان کے مقام میں اس مطلب (وضع حدیث) کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ "ایک جماعت تھی کہ حب مال اور خلفاء جور کے تقرب کی وجہ سے جن کا کام ہی جھوٹی اخبار کو جعل کرنا تھا۔ لیکن چونکہ یہ لوگ زہد و صلاح کے ساتھ معروف و مشہور تھے اور لوگ انہیں پہچانتے تھے اور ان سے احادیث سنتے تھے۔ اور ان اخبار و احادیث کو قبول کر لیتے۔ اور یہ جماعت اپنے خیال فاسد کی بنا پر اخبار و احادیث کو جعل کرتی تو اس جماعت کی وجہ سے بیچارے دوسرے لوگوں کو بہت ضرر و نقصان پہنچا۔ کیونکہ یہ لوگ ان سے احادیث لیتے اور ان احادیث کو منشور و مشہور کرتے تو سننے والے لوگ یہ اعتقاد کر لیتے کہ یہ فرامین و احادیث خدا اور رسول کی جانب سے ہیں۔ اور ان پر عمل کرتے۔ چنانچہ ابو عصمت نوح بن ابی مریم مروزی سے نقل کیا گیا ہے کہ لوگوں نے اس سے کہا کہ تو نے یہ حدیث عکرمہ سے کس طرح لی ہے۔ یعنی وہ حدیث جس کی نسبت تو عکرمہ کی طرف دیتا ہے کہ عکرمہ نے ابن عباس سے نقل کی ہے جس میں کہ ہر سورہ کے جدا جدا فضائل ذکر کیے گئے ہیں حالانکہ اس حدیث کا اصحاب عکرمہ یعنی جو لوگ عکرمہ سے اخبار کی روایت کرتے ہیں کے نزدیک کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ ابو عصمت نے کہا چونکہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن سے اعراض کر رہے ہیں۔ اور من گھڑت فقہ اور کتاب مغازی محمد بن اسحاق میں مشغول ہو چکے ہیں تو میں نے اس حدیث کو قربۃً الی اللہ جعل کیا۔ اور لوگ اسی ابو عصمت کو "جامع" کہتے ہیں۔ اور ابو حاتم بن حبان جو اہل سنت کے

معروف علماء جرح و تعدیل میں سے ہے نے کہا ہے کہ ابو عصمت نے راست گوئی کے علاوہ ہر چیز کو جمع کیا ہے۔
اور ابن حبان نے ابن مہدی سے روایت کی ہے کہ ابن مہدی کہتے ہیں میں نے میسرہ بن عبد ربہ سے دریافت کیا۔ کہ تو نے یہ احادیث کہاں سے نقل کی ہیں۔ کہ جو شخص فلاں سورہ کو پڑھے تو اس کیلئے اس قسم کا ثواب ہوگا۔ پس اس نے کہا میں نے ان احادیث کو اس لئے وضع کیا ہے تاکہ لوگ قرآن کے پڑھنے میں رغبت کریں۔۔
اور موئل بن اسمٰعیل سے روایت کی گئی ہے۔ اس نے کہا کہ مجھ سے ایک شیخ نے ایک طولانی حدیث بیان کی۔ جس کی سند وہ اُبی بن کعب تک پہنچاتا تھا۔ اور وہ حدیث، قرآن کی ہر ہر سورہ کے پڑھنے کے ثواب کے متعلق تھی۔ پس میں نے اس شیخ سے کہا کہ یہ حدیث تجھ سے کس شخص نے بیان کی ہے؟ اس نے کہا ایک شیخ نے جو مدائن میں رہتا ہے اور زندہ ہے۔ موئل کہتا ہے میں اس مدائنی شیخ کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ یہ حدیث تجھ سے کس شخص نے بیان کی ہے؟ اس نے کہا ایک شیخ نے جو شہر واسط میں رہتا ہے اور زندہ ہے۔ پس میں اس کے پاس گیا تو اُس نے کہا کہ مجھ سے یہ حدیث ایک شیخ نے بیان کی ہے جو بصرہ میں رہتا ہے۔ پس میں اس کے پاس گیا۔ تو اس نے کہا مجھ سے یہ حدیث ایک شیخ نے بیان کی ہے جو عبادان میں رہتا ہے پس میں اس کے پاس گیا اور یہی سوال کیا۔ تو اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایک گھر میں لے گیا۔ پس میں نے متصوفہ کی ایک جماعت کو دیکھا۔ جن میں ایک شیخ بیٹھا تھا تو مجھے لیجانے والے شیخ نے کہا کہ اس شیخ نے مجھ سے وہ حدیث بیان کی ہے۔ تو میں نے اس شیخ سے کہا کہ یہ حدیث تجھ سے کس شخص نے بیان کی ہے؟ تو اُس نے کہا کہ یہ حدیث مجھ سے کسی نے بیان نہیں کی۔ لیکن چونکہ میں نے دیکھا کہ لوگ قرآن سے اعراض کر رہے ہیں تو میں نے اس حدیث کو ان کے لئے محض اس لئے وضع کیا ہے تاکہ لوگ اپنے قلوب کو قرآن کی طرف مائل کریں۔ اور شہید ثانی نے اپنی شرح درایہ میں فرمایا ہے کہ اس حکایت کو علماء اہلسنت کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے اور بالجملہ علماء میں سے کسی نے بھی وضع حدیث کی اجازت نہیں دی۔ چاہے حدیث کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہو اور چاہے اس سے نفع و صلاح کتنی ہی زیادہ ہو۔ کیونکہ اس باب کے کھلنے سے اساس شریعت خراب ہو جائے گی۔ اور ہر ماہ و سال میں ایک نیا آئین اور جدید دین پیدا ہوتا رہے گا۔ اور ظاہر ہے کہ بعض روضہ خوانوں نے اس شیخ صوفی عبادانی کی تقلید کی ہوئی ہے۔ لیکن اس شیخ احمق نے جب لوگوں کی قرآن سے بے رغبتی دیکھی تو اللہ تعالےٰ کے تقرب کا توہم کرتے ہوئے اس حدیث کو اپنی طرف سے وضع کر دیا۔ اگرچہ اس عمل میں اُسے جلب نفع کا کوئی خیال نہ تھا۔ لیکن یہ بعض روضہ خوان جب منبر پر آتے ہیں اور نئے نئے دروغ بناتے ہیں۔ اور جس مجلس میں آتے ہیں اپنے تخم دروغ کی ایک مُشت بو جاتے ہیں۔ اور جب کبھی سامعین میں کچھ سستی اور بے رُخی دیکھتے ہیں تو فوراً کوئی نہ کوئی روایت گھڑ لیتے ہیں۔ اور اگر کہیں کوئی معتبر حدیث یا روایت بیان کریں بھی تو اس میں اپنی طرف سے بے اندازہ شاخ و برگ لگا دیتے ہیں۔ لہٰذا ان روضہ خوانوں کی منقولات ضبط و حساب اور کسی کتاب میں جمع کرنے سے بڑھی ہوئی ہیں اور انہوں نے تو کراماً کاتبین کو تعب و عجز میں لا رکھا ہے۔ چنانچہ اخبار و احادیث میں اس چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور یہ سب کچھ محض دنیاوی معمولی نفع اور متاع قلیل زائل کے حصول کے لئے کیا جاتا ہے۔

باقی رہا وہ دروغ جو حیوانات بلکہ نباتات وجمادات کی زبان سے امور کے مفاسد کی اصلاح کے لئے ہو اور خداوند عالم اور رسول خدا و ائمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم پر نہ ہو وہ جائز ہے۔ اور اس مقام میں جس بات پر تنبیہ کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وہ حکایات اور امثال جو کہ حیوانات بلکہ نباتات اور جمادات کی زبان سے گھڑی جاتی ہیں۔ بلکہ اس قسم کی ہزارہا امثال وحکایات گھڑی اور لکھی ہوئی ہیں۔ پس اگر ایسی حکایات وامثال کسی غرض کے بغیر یا کسی فاسد غرض کی وجہ سے بنائی گئی ہوں تو ان کا حکم بھی باقی دروغوں کی طرح ہے۔ ان کا بیان کرنا، لکھنا بیچنا اور خریدنا حرام اور ان پر معاملہ کرنا باطل ہے۔

اور اگر ایسی حکایات وامثال، آثار حکم الٰہیہ کی توضیح اور ان کا پتہ دینے اور لوگوں کو دقائق صنائع ربانیہ سے واقف کرنے اور پسندیدہ اخلاق کے نتائج حسنہ کو ظاہر کرنے، مفاسد کو آشکارا کرنے اور صفات ذمیمہ کے آثار قبیحہ کو ظاہر کرنے کیلئے ہوں یا ان کے علاوہ باقی منافع علمیہ اور فوائد عملیہ مقصود ہوں جن کی طرف تمام بنی نوع انسان ترغیب وترہیب میں محتاج ہیں۔ اور تکمیل نفوس میں جن کی تاثیر ہے۔ پس نص وفتویٰ کے مطابق بلکہ بمقتضائے عقل ان کے جواز میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس قسم کا دروغ، دروغ محرم کے دائرہ سے خارج سمجھنا چاہیے۔ اور اس کو کلمات حکمت اور وعظ ونصیحت کی باتوں سے شمار کرنا چاہیے۔

اور احتجاج شیخ طبرسی طاب ثراہ میں مروی ہے کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے ...... معاویہ کی اس مجلس میں جو حضرت امام حسن علیہ السلام اور آپ کے پدر بزرگوار پر مفاخرہ اور طعن کیلئے آراستہ کی گئی تھی پسر عثمان کے کلمات تیرہ کے جواب میں فرمایا۔ اے عمرو بن عثمان بس تو اس حماقت کی وجہ سے جو تیری جبلت اور سرشت میں ہے ان امور کے کشف وتحقیق میں غور نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی غور کرنے کے بعد حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔ تیری مثال تو اس مچھر کی کہانی کی طرح ہے جو کھجور کے درخت پر بیٹھا تھا۔ اور اس نے درخت کھجور سے کہا۔ اے درخت مضبوط رہنا کیونکہ میں تجھ سے نیچے آنا چاہتا ہوں۔ درخت کھجور نے اس سے کہا۔ مجھے یہ معلوم ہی نہیں کہ تو کون مجھ پر بیٹھا ہے کہ تیرا نیچے اترنا مجھ پر گراں معلوم ہو۔

اور علامہ حلیؒ تذکرہ میں اور محقق ثانیؒ کتاب جامع المقاصد کی کتاب اجارہ میں "انسان کے اپنے آپ کو کتابت قرآن کے واسطے اجارہ دینے کے جواز" کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وکذا کتب السیر والاخبار الصادقۃ والشعر الحق دون الکاذبۃ ولا باس بالامثال والحکایات و ما وضع علی السن الجمادات۔

اور اسی طرح سیر واخبار صادقہ کی کتب اور صادق شعر کا لکھنا جائز ہے۔ نہ کہ جھوٹے اشعار اور اخبار کاذبہ کا لکھنا اور ان امثال وحکایات کے لکھنے کے واسطے اجیر ہونے میں بھی کوئی ڈر نہیں جو گنگ زبان یعنی حیوانات کی زبان پر بنائے گئے ہیں۔

اور ظاہر ا مذکور الصدر ہر دو بزرگوار کا "حیوانات کی گفتگو" سے مقصود کتاب "اخوان الصفا" ہے جو اس باب میں بے نظیر ہے۔

یا ان کا مقصود کتاب کلیلہ و دمنہ ہے جس کو حکماءِ ہند نے تہذیبِ صفات اور تکمیلِ اخلاق کیلئے لکھا ہے۔ اور یہ کتاب بھی اس فن میں اپنا عدیل و مثیل نہیں رکھتی۔ وباللہ التوفیق۔

حکمِ تقسیمِ ہفتم:۔ پس دروغِ جلی کا حکم تو واضح ہے۔ اور اسی طرح دروغ کی قسم خفی بھی حرام ہے۔ اور دروغِ خفی وہ ہے جس میں لفظ صراحۃً معنیٔ دروغ پر دلالت نہ کر رہا ہو۔ بلکہ دروغگو، اس دروغ کو اشارہ و کنایہ اور تعریض کے ساتھ کہہ رہا ہو۔ جس طرح کہ وہ شخص جو کبھی نمازِ شب نہ پڑھتا ہو اور وہ یہ چاہتا ہو کہ حاضرین کو یہ بتائے کہ میں نمازِ شب پڑھا کرتا ہوں۔ پس حاضرین سے نمازِ شب کے فروعاتِ جزئیہ اور نوادر مسائل کے متعلق اس طرح سوال کرے کہ تمام حاضرین اس بات کے معتقد ہو جائیں کہ نمازِ شب بجالانا اس کا کارِ دائمی ہے۔ یا کوئی شخص دوسروں کے سامنے بہت کم غذا کھائے اور اس سے اس کا مقصود یہ ہو کہ لوگ اسے بہت کم غذا کھانے والوں میں سے سمجھیں۔ حالانکہ حقیقت میں وہ اس طرح نہیں ہے (نہ تو نمازِ شب اس کا کارِ دائمی ہے اور نہ ہی وہ کم غذا کھانے والوں سے ہے) اور ایسا عمل دوسروں کو دکھانے کے لحاظ سے ریا بھی ہو جائے گا۔ بہرحال اس کے حکم (حرام ہونے) میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اکثر لوگ اپنے بہت سے مقاصد کو اشارہ و کنایہ کے ذریعہ بیان کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ دوسروں کو اپنا غلط مقصد سمجھاتے ہیں۔ اور ان کے ذریعہ اپنے مقاصد سے مطلع کرتے ہیں۔ پس اگر اس اشارہ و کنایہ میں خلافِ واقعیت ہو یا اشارہ و کنایہ واقع کے مطابق جاری نہ ہو تو یہ دروغ ہو جائے گا۔ اور اس کا حکم آگے آئے گا۔

اور اگر دروغ کا معنی سویدائے قلب میں پنہاں اور دل میں مکنون ہو پس اس کے حکم کا سمجھنا غوامض مسائل میں سے ہے اور اس قسم کے دروغ کے کہنے والے کا حکم دو شکلوں میں منحصر ہے (۱) اگر چاہے کہ نہ پڑھے تو اس طرح بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ان اذکار و عبادات میں سے اکثر واجب اور مستحب مؤکد ہیں۔ جن کے پڑھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں (۲) اور اگر چاہے کہ پڑھے تو کس طریقہ سے پڑھے؟ کیونکہ وہ خود جانتا ہے کہ جو کچھ اپنے خدا کے ساتھ راز کی باتیں کر رہا ہے اور اپنے حال کی خبر دے رہا ہے یہ سب کچھ دروغ ہے۔ جس کی کوئی اصلیت و واقعیت ہی نہیں ہاں وہ لوگ جو ان کلمات کے معانی کو جانتے ہی نہیں جنہیں پڑھتے ہیں۔ وہ لوگ کچھ نہ کچھ اس غائلہ اور مہلکہ سے اس گروہ کی طرح بچے ہوئے ہیں جو ان اذکار و ادعیہ میں اپنے حالات کی خبر دیتے ہیں اور صادق ہوتے ہیں۔ اور یہ ساری مصیبت اور پریشانی تو اس گروہ کے لئے ہے جو ان کلمات کے معانی کو جانتے ہوتے ہیں جنہیں زبان سے پڑھتے ہیں حالانکہ وہ تو ان اذکار و ادعیہ کے پڑھنے کے لائق ہی نہیں (کیونکہ جن اذکار و ادعیہ میں اپنے خدا کو اپنے حالات کی خبر دیتے ہیں ان میں دروغ کہہ رہے ہوتے ہیں) اور اس مقام کی تفصیل ضروری تھی۔ لیکن اس رسالہ کے مناسب نہیں۔

حکمِ تقسیمِ ہشتم:۔ پس وہ دروغ جو اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اس کا حرام ہونا مسلمات سے اور واضح

ہے۔ اور جو دروغ شرعی معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اس کا حکم مقام نہم میں آجائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حکم تقسیم نہم:۔ پس اس دروغ کی تینوں قسمیں (۱) خدا تعالیٰ یا پیغمبرؐ یا امامؑ کے قول یا فعل کو خلاف واقع نقل کرنا (۲) اپنے کئے یا نہ کئے کے خلاف پر خدا یا رسولؐ یا امامؑ کو گواہ بنانا (۳) اپنے دروغ کو صدق ثابت کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کے صفات یا اسماء کے ساتھ قسم کھانا یا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ یا کسی امام علیہ السلام کی قسم کھانا گناہان کبیرہ میں سے ہیں۔ اور خداوند عزوجل کے ساتھ جھوٹی قسم کھانے کی برائی کے بارے میں بہت سی آیات اور اخبار ہیں جن میں سے اس طرح بھی وارد ہے کہ جھوٹی قسم گھروں کو برباد اور ویران کرتی ہے۔ اور جھوٹی قسم کھانے والا اپنی اس قسم کا وبال مرنے سے پہلے دیکھ لیتا ہے۔ اور جھوٹی قسم نسل کو قطع کرتی ہے۔ اور جھوٹی قسم کھانے والے سے خدا بیزار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص پر بہشت کو حرام کر دیا ہے۔ اور ایسا آدمی ان تین آدمیوں میں سے ہے جن کے بارہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ولا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم یوم القیمۃ ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم۔ پ۳ ع۱۶۔ اور قیامت کے دن خدا ان سے بات تک تو کریگا نہیں اور نہ ان کی طرف نظر (رحمت) ہی کریگا اور نہ ان کو (گناہوں کی گندگی سے) پاک کریگا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔ اور خداوند عالم نے فرمایا کہ میں ان لوگوں پر اپنی رحمت نازل نہ کرونگا جنہوں نے مجھے اپنی جھوٹی قسموں کا نشانہ بنایا ہے۔

حکم تقسیم دہم:۔ پس پوشیدہ نہ رہے کہ ہر فعل (چاہے وہ کان کے ساتھ ہو۔ آنکھ کے ساتھ ہو سر کے ساتھ ہو وغیرہ وغیرہ) جس کے ذریعہ آدمی کسی آدمی کو کسی امر کی خبر دینے کا قصد کرے تو اس فعل کا حکم اس قول کی طرح ہے جو اس مقام میں زبان سے بولا جاتا ہے۔ اگر ایسے مقام میں اس کا قول (جسے وہ استعمال نہیں کر رہا بلکہ فعل سے کام لے رہا ہے) سچا ہوتا تو فعل بھی سچا، اگر قول جھوٹا ہوتا تو فعل بھی جھوٹا ہے۔ اگر قول حرام ہوتا تو فعل بھی حرام ہے، اگر قول مکروہ ہوتا تو فعل بھی مکروہ ہے، اگر قول جائز ہوتا تو فعل بھی جائز ہے۔ اور اس کے علاوہ ان جیسے اور احکام (غرضیکہ اگر ایسے مقام میں بولتا تو جو حیثیت اس کے قول کی ہوتی اس وقت وہی حیثیت اس کے فعل کی ہے) چنانچہ علماء کی ایک جماعت نے اس کی تصریح بھی فرمائی ہے۔ اور اس قسم کے دروغ (دروغ فعلی) کی نظیر و مثل غیبت حرام ہے۔ نیز علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قول اور فعل کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اور شیخ شہید ثانی قدس سرہ نے کتاب کشف الریبہ میں فرمایا ہے کہ غیبت حرام اور مومن برادر کو برائی کے ساتھ یاد کرنا زبان کے ساتھ مقصور اور مختص نہیں۔ بلکہ زبان سے غیبت کرنے کو اس وجہ سے حرام کیا گیا ہے۔ کیونکہ زبان کے ذریعہ دوسرے آدمی کو برادر مومن کا نقصان سمجھایا جاتا ہے اور دوسرے آدمی کو ایسی چیز بتائی جاتی ہے جس کو برادر مومن بُرا محسوس کرتا اور ناخوش و ناراض ہوتا ہے۔ پس اس برادر مومن کے نقصان یا عیب کے ساتھ تعریض بھی مثل تصریح کے ہے اور اس غیبت میں فعل مثل قول کے ہے (غیر کو فعل کے ذریعہ مومن بھائی کے عیب سے آگاہ کرنا زبان کے ساتھ آگاہ کرنے کی طرح ہے)

اور اشارہ و ایماء، آنکھ مارنا، دمرو کنایہ اور حرکت یا کوئی ایسی عادت جس کے ذریعہ مغتاب ودوسروں کو اپنا مقصود (مومن بھائی کے عیب سے آگاہ کرنا) سمجھائے۔ اس قسم کی تمام حرکات غیبت میں داخل ہیں اور یہ تمام افعال اس معنی و مقصد میں مساوی ہیں جس مقصد کے لئے زبان کے ساتھ غیبت کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور وہ روایت اسی مضمون سے ملتی جلتی ہے جو بی بی عائشہ سے کی گئی ہے۔ کہ بی بی عائشہ نے کہا کہ میرے پاس ایک عورت آئی۔ جب وہ واپس ہوئی تو میں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا یعنی وہ عورت کوتاہ قد ہے۔ پس پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا "تو نے اس کی غیبت کی"۔ اور اسی طرح محاکات دیرادر مومن کی اس کے کسی عیب میں نقل کرنا) بھی ہے۔ جس طرح کہ کوئی آدمی اس طرح لنگڑا بن کر چلے جس طرح وہ لنگڑا (مومن) چلتا ہے بلکہ یہ غیبت سے سخت تر ہے۔ کیونکہ یہ اس عیب کا فوٹو پیش کرنے میں غیر کو زبان کے ذریعہ بتانے سے ایک بڑا طریقہ ہے۔ انتہی۔ اور اسی مضمون کے قریب اُستاد اعظم انصاری طاب ثراہ نے بھی کتاب مکاسب میں فرمایا ہے۔ اگرچہ انہوں نے ان کلمات کو باب غیبت میں ذکر فرمایا ہے لیکن اس وجہ مذکورہ کے لحاظ سے غیبت اور کذب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ غیبت حقیقت میں "خبر صادق" کے اقسام میں سے ہے۔ کیونکہ اگر اس میں دروغ ہو تو اسے غیبت نہیں کہا جاتا بلکہ وہ تو "بہتان" ہوتا ہے۔ پس بہتان تو دو وجہ سے حرام ہو جائیگا۔ ایک دروغ، دوسرے غیبت۔ پس واضح ہو گیا کہ کسی عضو کو ایسا مطلب سمجھانے کے لئے حرکت دینا جس کی کوئی اصلیت اور واقعیت ہی نہ ہو دروغ ہے۔ اور اس طرح کرنے والا جھوٹوں کی قطار میں شمار ہے۔ اور عمل کے ذریعہ خلاف واقع مطلب سمجھانا ایسے ہی ہے جیسے زبان کے ساتھ بولا ہوا ہوتا ہے۔

حکم تقسیم یازدہم:۔ پس اس دروغ کا حکم جس کے کہنے والے کا مخاطب زندہ سامع عاقل ہو واضح ہے (اس کی حرمت واضح ہے) اور اسی طرح وہ مخاطب جس کا شمار ظاہر میں اگرچہ زندوں سے نہیں ہے جیسے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ اور خلفاءِ راشدین (ائمہ معصومین) صلوات اللہ علیہم۔ مگر بمقتضائے اصول مذہب و اخبار کثیرہ اور ان معصومینؑ کے مشاہد مشرفہ میں اذنِ دخول کے ان فقرات کے اعتبار سے جو وہاں کہے جاتے ہیں۔ جیسے:۔

اشهد انك تشهد مقامی و تسمع کلامی و ترد سلامی۔ — میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ میرے مقام کو دیکھتے ہیں اور میرے کلام کو سُنتے ہیں اور میرے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

معصومینؑ کی قبور مطہرہ کے پاس معصومین علیہم السلام سے خطاب ایسے ہوتا ہے جیسے زندہ حاضرین سامعین صاحبان عقل کے ساتھ خطاب کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس حکم (صاحبان قبور کو ایسے خطاب کرنا جیسے زندوں سے کیا جاتا ہے) میں مومنین کی قبور بھی معصومین علیہم السلام کی مراقد منورہ کے ساتھ ملحق ہیں۔ چنانچہ یہ بات صاحبان قبور مومنین کی

زیارت کے بعض فقرات سے معلوم بھی ہوتی ہے۔

ابن طاؤس علیہ الرحمۃ نے صدوق رحمہ کی کتاب مدینۃ العلم سے اپنی کتاب فلاح السائل میں نقل کیا ہے۔ اس کتاب (مدینۃ العلم) میں محمد بن مسلم سے روایت کی گئی ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ ہم مرے ہوئے لوگوں کی زیارت کریں؟ فرمایا ہاں۔ تو میں نے عرض کی۔ جب ہم ان کے پاس جاتے ہیں تو کیا وہ ہماری باتوں کو سنتے ہیں؟ فرمایا ہاں۔ خداوند عالم کی قسم۔ یقیناً وہ تمہارے وہاں جانے کو جانتے ہیں۔ اور تمہارے وہاں جانے سے وہ خوش ہوتے ہیں۔ اور تمہارا وہاں جانا انہیں مانوس ہوتا ہے۔ اور نیز اس جگہ (کتاب مذکور میں) صفوان بن یحییٰ سے روایت کی گئی ہے۔ اس نے کہا میں نے حضرت ابی الحسن علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی۔ کیا مُردہ اس آدمی کے سلام کو سُنتا ہے جو اس پر سلام کرتا ہے؟ فرمایا ہاں جماعت اموات باتیں سنتی ہے اگرچہ وہ صاحبان قبور کفار ہی کیوں نہ ہوں اور کیا مومنین نہیں سُن سکتے؟ یعنی مومنین باتیں سننے کے لحاظ سے کفار سے زیادہ سزاوار ہیں۔ اور حضرت نے اپنے اس کلام شریف میں جنگ بدر کے ان مقتولین کفار کے قصہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن کو ایک کنوئیں میں ڈالا گیا تھا۔

چنانچہ شیخ مفید قدس سرہ نے کتاب عقائد صدوق رحمہ کی شرح میں اور ان کے علاوہ دیگر حضرات نے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ چاہِ بدر کے کنارے پر تشریف لائے۔ پس آپ نے ان مشرکین سے فرمایا جو اس دن قتل کئے گئے تھے اور انہیں کنوئیں میں ڈالا گیا تھا: "تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے کیسے بُرے ہمسائے تھے۔ تم نے اس رسول کو شہر بدر کر دیا اور انہیں ان کے وطن سے نکال دیا۔ پھر تم سب جمع ہو گئے اور اس رسول کے ساتھ تم نے محاربہ کیا۔ پس میں نے تو وہ چیز درست پالی جس کا خدا نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ یعنی مجھے تم پر فتح وظفر ہوئی۔ اور تم ہلاک ہو گئے۔" پس حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ یہ کیسی گفتگو ہے۔ آپ ان بوسیدہ کھوپریوں سے فرما رہے ہیں؟ فرمایا اے پسر خطاب چُپ رہ۔ خدا کی قسم تو ان (مشرکین مقتولین) سے جو زیادہ سننے والا نہیں ہے۔ اور ان کے قتل ہونے کے درمیان اور اس بات میں کچھ دیر نہ گذری کہ فرشتوں نے ان کو لوہے کی گرزوں کے ساتھ پکڑ لیا۔ مگر اتنی ہی کہ جس طرح میں اپنے چہرہ کو ان سے پھیر لوں۔

اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ جب آپ اہلِ بصرہ کی جنگ سے فارغ ہوئے تو آپ صفوف لشکر میں پھر رہے تھے کہ آپ کا گذر کعب بن سور کے پاس سے ہُوا۔ اور یہ کعب بصرہ میں قاضی تھا۔ بصرہ کا عہدۂ قضا عمر بن خطاب نے اس کے سپرد کیا تھا اور یہ بصرہ میں مقیم رہا۔ اور عمر و عثمان کے زمانہ میں اہل بصرہ کے درمیان قضایا کا فیصلہ کرتا رہا۔ اور جب بصرہ میں فتنہ کا شعلہ مشتعل ہُوا۔ تو اس نے قرآن کو اپنی گردن میں معلق کیا اور اپنی بیوی اور بچوں کو ساتھ لے کر بصرہ سے باہر نکلا اور امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ مقاتلہ کیا۔ یہاں تک

کہ کعب اور اس کے لڑکے تمام قتل ہو گئے تو امیر المومنین علیہ السلام اس کے سر کی جانب کھڑے ہو گئے جبکہ یہ دوسرے مقتولین میں گرا پڑا تھا پس آپ نے لوگوں سے فرمایا۔ کعب بن سورہ کو بٹھا دو۔ پس لوگوں نے اُسے بٹھا دیا۔ اور دو آدمی اُسے پکڑے ہوئے تھے۔ پس آپ نے فرمایا۔ اے کعب بن سورہ:۔

قد وجدت ما وعدنی ربی حقا جو کچھ میرے پروردگار نے مجھ سے نصرت وظفر کا وعدہ
فهل وجدت ما وعد ربك حقا فرمایا اُس وعدہ کو میں نے حق پایا۔ کیا تو نے بھی اپنے پروردگار کے اس وعدہ کو حق پایا جو اس نے تیرے ساتھ کیا تھا یعنی وہ عذاب و نکال جو اللہ تعالےٰ نے ناکثین کے لئے مہیا فرمایا ہے۔

پس آپ نے فرمایا کعب کو لٹا دو۔ پس حضرت کچھ تھوڑا سا چلے کہ آپ طلحہ بن عبداللہ کے پاس سے گزرے وہ بھی گرا پڑا تھا۔ آپ نے فرمایا طلحہ کو بٹھا دو۔ پس لوگوں نے اس کو بٹھا دیا تو جو کلام حضرت نے کعب سے کیا تھا وہی طلحہ سے کیا۔ پس آپ کے اصحاب میں سے ایک آدمی نے عرض کی۔ یا امیر المومنین! آپ کی یہ گفتگو مقتول سے کیسے تھی حالانکہ مقتول کچھ سُن نہیں سکتا؟ فرمایا خداوند عالم کی قسم یہ لوگ یقیناً میرے کلام کو سن رہے ہیں چنانچہ اہل قلیب یعنی چاہِ بدر والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کا کلام سُنا۔ اور صفوان کی گزشتہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کا حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ کے کلام کو سننا از روئے اعجاز اور ان کفار کے اجسادِ خبیثہ میں تصرفِ نبوی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ عوالمِ غیب و شہادت میں ان اجساد کے حالات و تطورات کے اتصال کی وجہ سے تھا۔ اسی واسطے تو معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ مومن اپنی قوتِ وجود اور صفائے روح کی وجہ سے اس مرتبہ کا زیادہ حقدار اور سزاوار ہے۔ اور نیز ہمارے اس دعویٰ مذکورہ کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو کتاب نوادر علی بن اسباط میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ کہ آپ نے ایک آدمی سے فرمایا۔ جب تم اپنے مرے ہوئے لوگوں کی زیارت طلوعِ آفتاب سے پہلے کرو تو وہ تمہاری باتیں سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔ اور جب تم ان کی زیارت طلوعِ آفتاب کے بعد کرو تو وہ تمہاری باتیں تو سنتے ہیں اور تمہیں جواب نہیں دیتے۔ پس واضح ہُوا کہ جو بھی مرا ہُوا مومن ہو تو اس کی زیارت کے وقت اسے مخاطب حاضر زندہ کی طرح جاننا چاہیئے۔ اور اس کے ساتھ اس طرح بات کرنی چاہئے کہ وہ جانتا ہے اور سنتا ہے اور جواب دیتا ہے۔ بلکہ کبھی تو مرا ہُوا مومن زیارت کرنے والے کے کان تک اپنا جواب بھی پہنچا دیتا ہے۔ چنانچہ علماء کی ایک جماعت جیسے صاحب کتابِ عروس وغیرہ نے اسانید معتبرہ کے ساتھ حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن کچھ مقابر کے پاس سے گزرے پس آپ نے اس وقت ان مقابر میں کھڑے ہو کر کہا۔

السلام علیکم یا اهل الدیار فنعم دار اے گھروں والو تم پر سلام ہو۔ گروہ مومنین کا گھر کیسا

قوم مومنین یا اھل الجمع ھل علمتم ان الیوم الجمعۃ۔

اچھا ہے اے اہلِ جمع (اہلِ محشر) کیا تم جانتے ہو۔ کہ آج جمعہ ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا اس وقت سلمان فارسی واپس آئے۔ جب بستر پر سو گئے تو کوئی شخص ان کے پاس آیا اور اس نے ان سے کہا۔ اے عبداللہ آج تو ہمارے پاس آیا اور تو نے ہم پر سلام کیا اور ہم نے تجھے جواب سلام دیا۔ اور تو نے ہم سے کہا تھا کہ اے اہلِ دیار کیا تم جانتے ہو کہ آج جمعہ ہے۔ تحقیق ہم بر وقت جانتے ہیں کہ جمعہ کے دن پرندے کیا کہتے ہیں۔ یعنی روز جمعہ کے جاننے کے علاوہ ہم روز جمعہ میں ان پرندوں کی تسبیح کو بھی جانتے ہیں۔ حضرت (امام جعفر صادق علیہ السلام) نے فرمایا کہ اس شخص نے کہا کہ پرندے کہتے ہیں۔

سبوح وقدوس رب الملٰئکۃ والروح سبقت رحمتك غضبك ماعرف عظمتك من حلف باسمك کاذبًا۔

اے ملائکہ اور روح کے پروردگار تو پاک و پاکیزہ ہے تیری ذات مقدس ہے۔ تیری رحمت تیرے غضب سے سبقت کر گئی۔ جس نے تیرے مبارک نام کے ساتھ جھوٹی قسم کھائی۔ اُس نے تیری عظمت کو نہیں پہچانا۔

اور اگر دروغ کہنے والے کا دروغ کہنے کے وقت کوئی مخاطب نہ ہو۔ اور اگر ہو بھی تو وہ تمیز اور ادراک نہ رکھتا ہو تو ایسا دروغ بظاہر حرام نہ ہوگا۔ کیونکہ جس بات میں افادہ غیرہ نہ ہو اسے خبر شمار نہیں کیا جاتا اور صدق وکذب اوصاف خبر میں سے ہیں۔ پس جب وہ بات خبر نہ ہوئی تو صفت کذب کے ساتھ متصف نہ ہوئی۔ پس جب متصف بالکذب نہ ہوئی تو حرام نہ ہوئی۔ لیکن شیخ اعظم خاتمہ فقہاء و محققین شیخ مرتضٰی اعلی اللہ مقامہ کتاب نجاۃ العباد کی کتاب صوم کے حاشیہ پر ماہِ رمضان کے روزہ میں خداوندِ عالم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ پر کذب کے مسئلہ میں ان دو صورتوں میں کہ یا تو بالکل کوئی مخاطب ہو ہی نہیں یا ہو بھی تو ادراک نہ رکھتا ہو۔ ان دو مذکورہ صورتوں میں مصنفؒ نے تو کتاب مذکور کے متن میں صحتِ روزہ کا حکم فرمایا ہے لیکن اس مقام کے حاشیہ میں شیخ اعظم لکھتے ہیں کہ "ان دو صورتوں میں روزہ کا فاسد ہونا خالی از قوت نہیں ہے" اور روزہ اتنے تک فاسد نہیں ہو سکتا جتنے تک وہ دروغ حرام نہ ہو۔ اور جب ایسا دروغ بھی حرام ہوا تو اس کا اختصاص صرف صائمؒ کے ساتھ نہ رہا بلکہ اس کی حرمت عام ہو گئی۔ اور واضح ہے کہ جب اس مقام میں خدا و رسول پر کذب ثابت ہو گیا تو ان کے علاوہ دوسرے لوگوں پر بھی مخاطب کے نہ ہونے کے باوجود کذب ثابت ہو جائے گا۔ پس ان دو مذکورہ صورتوں میں ہر کذب (چاہے خدا و رسولؐ پر ہو یا کسی اَور پر) حرام ہے۔ اور روضہ خوانوں کا جو گروہ تدرب و تمرین اور ملکہ روضہ خوانی کی تقویت کے لئے خالی مساجد میں جبکہ ان میں کوئی سننے والا آدمی نہیں ہوتا بالائے منبر رسمی طریقہ سے پڑھتے ہیں ان کی تکلیف (یہ لوگ اس طریقہ سے دروغ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس سے اجتناب ضروری ہے) بھی معلوم

ہو گئی۔ واللہ العالم۔

حکم تقسیم دوازدہم:- پس مخفی نہ رہے کہ محقق نراقی نے کتاب مستند میں جہاں کہ خداوند عالم اور رسولؐ و ائمہ صلوات اللہ علیہم پر روزِ صیام میں جھوٹ کہنے کے فروع اور معصومین علیہم السلام کی طرف جو اقوال، اشعار اور مراثی وغیرہ میں ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں جن اقوال کے متعلق ہمیں یقین ہوتا ہے کہ معصومین علیہم السلام نے اس طرح نہیں فرمایا، کا ذکر کیا تو محقق مذکور اس کے بعد کہتے ہیں۔ پس اگر معلوم ہو جائے کہ معصومین علیہم السلام کی طرف اس کلام کی نسبت ازروئے مبالغاتِ شعر اور ان اغراقاتِ متعارفہ کے لحاظ سے ہے جو اشعار میں پسندیدہ ہوتے ہیں تو بظاہر اس بات کا کوئی ڈر نہیں۔ اور اگر اس طرح نہ ہو (جو اقوال معصومینؑ کی طرف منسوب کئے جا رہے ہیں وہ مبالغاتِ شعر اور اغراقاتِ متعارفہ کے لحاظ سے نہ ہوں) تو اس دروغ کو ان کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے روزہ باطل ہو جائے گا۔ اور اس قسم کی تمام باتوں سے اجتناب احوط ہے الخ مؤلف (صاحب کتاب) کہتے ہیں کہ عمل علماء و سیرت شائعہ اور بعض دوسرے قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشعار یا وہ نثر جو مشابہ بشعر ہو میں اس چیز (معصومینؑ کی طرف غیر منقولہ اقوال کو بطور مبالغات شعر منسوب کرنا) کی فی الجملہ اجازت ہے۔ اور بصورتِ ظاہر علماء نے اس چیز پر کذبِ حرام کا حکم جاری نہیں کیا ہے۔ یا تو اس وجہ سے جس کی طرف مستند میں محقق نے اشارہ کیا ہے کہ بہت سی ایسی باتیں ہیں جو شعراء اشعار و مراثی اور دیگر مقامات میں کہتے ہیں۔ اور گفتار یا کردار کو کسی آدمی کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ مبالغہ و اغراق اور تشبیہ و استعارہ پر مبنی ہوتی ہیں جن میں ظاہر لفظ جو کذب ہے مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ ان میں مطلب دیگر (مبالغہ و اغراق وغیرہ) مقصود ہوتا ہے۔ اور اس مطلب کے لحاظ سے کلام کذبِ قبیح کی آلائش سے منزہ و مبرّیٰ ہو جاتا ہے۔ اور اس بات کا سمجھنا آسان ہے کہ کلام مبالغہ و اغراق اور تشبیہ و استعارہ کی وجہ سے فصاحت و بلاغت کی خوبیوں کا حامل ہو کر عمدہ کلام میں محسوب ہو جاتا ہے۔ جس طرح کہ ملک الشعراء کاشیؒ نے حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کا جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ جبکہ عمرو بن عبدود میدان میں مبارزہ طلب کر رہا تھا اور اسے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے سوا کسی نے جواب نہ دیا تھا رشتۂ نظم میں اس طرح پرویا ہے ؎

پیمبرؐ سرودش کہ عمرو است ایں — کہ دستِ یلے آختہ ز آستیں
پیغمبرؐ نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے۔ — گویا پہلوان کا ہاتھ آستین سے نکلا ہوا ہے۔
علیؑ گفت اے شاہ اینک منم — کہ یک بیشہ شیر است در جوشنم
جناب علی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بھی ایسا بہادر ہوں۔ — کہ شیروں کا ایک پورا بیشہ میری زرہ میں ہے۔

اور ہم یقین سے کہتے ہیں کہ جناب سے اس قسم کا کلام نہ تو زبانِ عربی میں صادر ہوا اور نہ ہی فارسی میں اور اس کے باوجود

یہ کلام دروغ محرّم سے محسوب نہیں۔ کیونکہ متن خبر یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا۔ اے علیؑ یہ عمرو بن عبدود ہے فارس یلیل تو امیر المومنین علیہ السلام نے عرض کی کہ میں علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ اس مقام شریف میں اس اسم مبارک جو کہ ذاتِ مقدس علوی ہے (علیؑ) کے معنی میں شجاعت، سخاوت، زہادت، شہامت اور باقی وہ پسندیدہ صفات مستور ہیں جن کا کسی مخلوق میں پایا جانا ممکن ہے یا جو کسی کے تصور میں آسکتی ہیں۔ پس جو شخص بھی کسی شجاع کو کسی مورد میں جس چیز کے ساتھ تشبیہ دے یا دے سکے۔ پس یہ مقام اس تشبیہ کا واضح صادق مورد ہے۔ پس مثال کے طور پر حضرت کے کلام "میں علیؑ ہوں" سے مراد یہ ہوگا کہ میں اس شجاع دل والا ہوں جو تمام قوتوں اور شیرانِ بیشہ کی شجاعتوں کا مجمع ہے۔ اور اسی طرح ہر وہ کلام ہوگا جو اس نسق پر بولا جاتا ہے اور یہ باب (مبالغہ اور تشبیہ وغیرہ) وسیع اور متعارف ہے۔ اور یہ چیز تو کلامِ خدا میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور (معصومین علیہم السلام کی طرف غیر منقولہ اقوال کو منسوب کرنا) یا دوسری وجہ کے اعتبار سے ہو اور یہ وجہ بھی نظم میں متعارف اور مرسوم ہے۔ بلکہ نثر میں بھی۔ اور وہ یہ ہے کہ کوئی انسان یا حیوان یا نبات یا جماد کوئی ایسی حالت اور صفت رکھتا ہو کہ اس حالت اور صفت پر مطلع ہونے کے بعد بالفاظِ دیگر یہ کہا جا سکتا ہو کہ اگر اس حالت یا صفت کے رکھنے والا بولنے والی زبان رکھتا ہوتا اور ذوی العقول میں سے ہوتا اور ان امور کی خبر دینا چاہتا تو اس طرح خبر دیتا جس طرح کہ اس وقت ناقل اس سے وہ خبر نقل کر رہا ہے۔ اور کہہ رہا ہے کہ فلاں انسان یا غیر انسان نے اس طرح کہا۔ اور اس قسم کا کلام صدق ہے اور ناقل کا اس خبر کو اس انسان یا غیر انسان کی طرف منسوب کرنا دروغ نہیں ہے۔ کیونکہ کہنے والے (ناقل) کی غرض یہ ہے کہ فلاں انسان یا غیر انسان جو فلاں صفت رکھنے والا ہے اس کی وہ صفت ان امور کی کاشف ہے اور اس چیز کو زبانِ حال کہا جاتا ہے۔ اور اسی مطلب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ ہر موجود، صانع قادر عالم حکیم رازق کے وجود کی شہادت دیتا ہے اور شہادت، خبر ہے اور یہ خبر ہر ذی شعور صاحب انصاف کے نزدیک اخبارِ صادقہ میں سے ہے۔ اور اسی بیان کے ساتھ علم الہدیٰ۔ سید مرتضیٰؒ اور متکلمین کی جماعت جو حیوانات کے لئے ادراک و شعور اور نطق کے قائل نہیں ہیں نے ان آیات و اخبار کی تاویل کی ہے۔ جو حیوانات میں ادراک و شعور اور نطق کے پائے جانے پر دلالت کرتی ہیں۔ اور سید نے مسائل طرابلسیات میں جناب سلیمان علیہ السلام کے ساتھ چیونٹی کی حکایت جو خدا تعالیٰ نے کلام مجید میں ذکر فرمائی ہے کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب پہلی چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر دیکھا تو اس سے ایک ایسی آواز نکلی جو اس کے ڈر جانے اور دوسری چیونٹیوں کو ڈرا دینے کی علامت تھی۔ اور اس چیز کی نظیر تمام حیوانات میں مرسوم و متعارف ہے۔ پھر آخر میں سید مذکور نے فرمایا ہے:-

وتلك الحكاية البليغة الطريفة لا تجب ان تكون النملة قائلة لها ولا هبة الهها وانها لما خوفت من الضرر الذي اشرفت النمل عليه جاز ان يقول الحاكي لهذا الحال تلك الحكاية البليغة المونقة لانها لو كانت قائلة ناطقة ومخوفة بلسان و بيان لما فات الا مثل ذالك۔

یعنی یہ حکایت بلیغہ طولانی جس کو خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکایت کیا ہے جو کہ جناب سلیمان علیہ السلام اور چیونٹی میں گذری ہے۔ یہ واجب نہیں کہ چیونٹی نے اسی طرح دوسری چیونٹیوں سے کہا ہو اور ان کی طرف گئی ہو۔ بتحقیق جب اس چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں کو اس ضرر سے ڈرایا جو ان کو عساکر سلیمانیہ کے نزدیک آنے کی وجہ سے پہنچنے والا تھا تو جو آدمی اس چیونٹی سے اس کی اس حالت کو نقل کرے تو اس کیلئے جائز ہے کہ وہ اس طولانی حکایت کو اسی ترتیب کے ساتھ کہے۔ کیونکہ اگر وہ چیونٹی بولنے والی ہوتی اور بولتا اور اپنی زبان کے ساتھ ڈرانا چاہتی تو ضرور اسی طرح کہتی جس طرح قرآن میں اس سے حکایت کی گئی ہے۔

نیز انہوں نے کتاب غرر و درر میں اس مطلب کو وضاحت سے بیان کیا ہے اور آخر میں فرمایا ہے کہ بولنے کو چیونٹی کی طرف منسوب کرنے میں **مجاز و استعارہ** ہے۔ اور اس جگہ اس وجہ (زبان حال) میں اور وجہ اول (مبالغہ) میں فرق ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ وجہ اول میں قول کی اصلی نسبت مطابق واقع اور حقیقی ہے اور اس کے کہنے میں مبالغہ و تشبیہ اور استعارہ ہوا ہے۔ اور اس جگہ (زبان حال) میں اس کا عکس ہے جس طرح کہ اہل دانش پر مخفی نہیں ہے۔ اور جو کچھ سید جلیل وغیرہ نے چیونٹی اور ہدہد وغیرہ کے تفسیر میں جو تاویل فرمائی ہے۔ اگرچہ وہ تاویل بہت سی نصوص اور محققین کی تحقیق کے خلاف ہے۔ مگر اس جگہ ان کے کلمات کو صرف اس بات پر شاہد بنانے کیلئے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کلام کی اس قسم کو دائرہ کذب سے خارج کیا ہے جو کذب حرام سے ظاہری صورت میں کوئی امتیاز نہیں رکھتی اور ہمیشہ علماء اعلام نے نظم و نثر میں اس قسم کی گفتگو بلکہ اپنے بیانات کو بھی رونق بخشی ہے۔ اور ایسے کلام میں اپنے دعاوی کو منصۂ قبول تک پہنچایا ہے۔ لیکن چونکہ نظم میں یہ چیز (زبان حال) زیادہ اور اس قدر شدا ول ہے کہ وہ ایسے قرینہ کی محتاج نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ اس گفتگو سے مراد زبان حال ہے کہ زبان قال بخلاف نثر کے کیونکہ اس میں مقتضی درایت یہ بات ہے کہ اس (نثر) میں کوئی قرینہ قائم کیا جائے تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے ظاہر کو دیکھ کر کہنے والے (نثر میں حکایت کرنے والا) کی طرف دروغ کی نسبت[۱] دی جائے۔ اور اسی چیز (زبان حال) سے وہ حکایت متعلق ہے جو امیر المومنین علیہ السلام اپنے خطبہ میں الهكم التكاثر کے پڑھنے کے بعد مرنے والوں کے حالات کے بیان میں فرماتے ہیں۔

ولئن عميت آثارهم وانقطعت اخبارهم لقد رجعت فيهم ابصار العبر وسمعت عنهم اذان العقول وتكلموا من غير جهات النطق فقالوا

اگرچہ ان کے نشانات مٹ چکے ہیں اور ان کی خبروں کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ لیکن چشم عبرت انہیں دیکھتی اور گوش عقل و خرد ان کی آواز سنتے ہیں۔ وہ بولے مگر گفتگو و کلام کے طریقہ پر

۱؎ جلیل جادہ سے ذاکرین و روضہ خوان اس کیفیت سے اپنی نظم و نثر میں اقوال کو حضرت سید الشہداء اور مخدرات عصمت کی طرف منسوب کرتے ہیں جو احصاد سے باہر ہیں اور جن کے متعلق پوری طرح یقین ہوتا ہے کہ یہ اقوال ان سے منقول نہیں ہیں تو ایسے مقام میں ذاکرین کیلئے ضروری ہے کہ بیان کرتے وقت اس طرح بیان کریں کہ اگر حضرت سید الشہداء یا مخدرات عصمت ایسے مقام میں کچھ فرمانا چاہتے تو اس طرح فرماتے یا ذاکرین اس طرح کہیں کہ زبان حال اس طرح کہتی ہے۔ ۱۲ منہ

كلحت الوجوه النواضر وخوت الاجساد النواعم ولبسنا ادراس البلى وتكأدنا ضيق المضجع وتوارثنا الوحشة وتهممت علينا الربوع الصموت فانمحت محاسن اجسادنا وتنكرت معارف صورنا وطالت في مساكن الوحشة اقامتنا فلم نجد من كرب فرجا ولا من ضيق مخرجا۔

نہیں۔ بلکہ انہوں نے زبانِ حال سے کہا۔ شگفتہ چہرے بگڑ گئے۔ نرم و نازک بدن مٹی میں مل گئے۔ اور ہم نے بوسیدہ کفن پہن رکھے ہیں۔ اور قبر کی تنگی نے ہمیں عاجز کر دیا ہے اور ہم نے خوف و دہشت کا ایک دوسرے سے ورثہ پایا ہے۔ اور ہماری خاموش منزلیں ویران ہو گئیں۔ ہمارے جسموں کی رعنائیاں مٹ گئیں۔ ہماری جانی پہچانی ہوئی صورتیں بدل گئیں۔ ان وحشت کدوں میں ہماری مدتِ رہائش دراز ہو گئی۔ نہ بے چینی سے چھٹکارا نصیب ہے اور نہ تنگی سے خلاصی حاصل ہے۔

اور سید السالکین علی بن طاؤس طاب ثراہ نے کتاب ملہوف کے آخر میں فرمایا ہے کہ جب حضرت سجاد علیہ السلام نے شام سے مراجعت فرمائی اور آپ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ تو جب آپ نے اپنے اقربا یعنی پدر بزرگوار اور بھائیوں کے گھروں میں نزولِ اجلال فرمایا تو آپ نے ان گھروں کو ایسی حالت میں پایا کہ وہ زبانِ حال سے نوحہ کر رہے ہیں۔ اور ان گھروں کی زبانِ حال سے سوزناک طولانی کلمات نقل کئے گئے ہیں۔ لیکن ان کلمات کے بارے میں اوّلی کلام میں تنبیہ کی گئی ہے۔ اور جو کچھ ہم (صاحبِ کتاب) نے کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو صاحبِ مستند نے مبالغاتِ شعریہ کے علاوہ دیگر صورتوں میں مطلقاً فسادِ روزہ کا حکم دیا ہے وہ صحیح نہیں۔ بلکہ زبانِ حال کی صورت بھی صورت (مبالغاتِ شعریہ) کے حکم میں ہے جس طرح ابھی معلوم ہوا ہے۔ واللہ العالم وعلیہ التکلان۔

مقامِ پنجم:- اس چیز کے بیان میں کہ اخبار و قصص کے نقل کرنے کے مقام میں صدق سے کیا مراد ہے جو نقل کرنا شغلِ روضہ خواں کا اصلی سرمایہ ہے۔ کیونکہ اس روضہ خوانی کے ذریعہ کبھی تو روضہ خواں متاعِ آخرت کو حاصل کر لیتے ہیں اور کبھی دنیا و مال و جاہ کو، جس طرح کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور اس صدق کا مقابل کذب بھی اس مقام میں معلوم ہو جائے گا۔ اور یہاں صدق کے معانی کی شرح مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ محل و مقام کے اعتبار سے صدق کے بہت سے معانی ہیں۔ کیونکہ کبھی اس صدق کا محل و مقام قول ہوتا ہے اور کبھی فعل اور کبھی قلب اور ارادہ و عزم وغیرہ ہوتا ہے۔ اور مجاہدین فی سبیل اللہ کی ہمت کے مطابق اس (صدق) کے مختلف درجات ہیں۔ اور صدق کا جو محل و درجہ فرض کیا جائے تو اس کا مقابل و مخالف کذب ہوگا۔ اور ان مطالب کی شرح بعض کتبِ اخلاقیہ اور معانی، بیان اور اصول کی بعض کتب میں کی گئی ہے۔ اور یہاں اس شرح کا ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔ اور جو بات اس مقام میں ضروری ہے وہ یہ ہے کہ صدق کے مراتب کی طرف اشارہ کیا جائے۔ اور یہ بات بتائی جائے کہ جو کچھ آیات و اخبار سے مستفاد ہوتا ہے اس کے اعتبار سے صدق سے کیا مراد ہے۔ پس ہم (مصنف علام) کہتے ہیں مخفی نہ رہے صدقِ حقیقی واقعی مقاماتِ انسانیت کا آخری درجہ اور کمالاتِ نفسانیہ

میں سے اشرف صفت ہے۔ کیونکہ صادق حقیقی وہ ہے کہ وہ جو کچھ معارف، دین و مذہب کے اصول، صفات حسنہ قلبیہ، اخلاق ذمیمہ نفسانیہ اور اعمال جوارحیہ، واجبات اور محرمات وغیرہ میں سے جو کچھ کہے ان کی حقیقت اس کے دل میں ہو۔ اور اس کی گفتار صادقانہ اس کے مکنونِ دل کا پتہ دے رہی ہو نہ کہ ان لوگوں کی طرح ہو جن کے حق میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم پ ۴ ع ۸ - وہ لوگ اپنے مونہوں سے ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔

پس اگر وہ ان لوگوں کی طرح ہوا تو وہ ان منافقوں کے زمرہ میں داخل ہو جائے گا جو اپنی زبان سے تو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ نشھد انک لرسول اللہ پ ۲۸ ع ۱۳ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو کچھ زبان سے کہتے ہیں اس کا اعتقاد اپنے دل میں نہیں رکھتے۔ خدا تعالیٰ ان کے بارہ میں فرماتا ہے۔

واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون پ ۲۸ ع ۱۳ - اور خدا شہادت دیتا ہے کہ منافقین اپنی اس شہادت میں یقیناً دروغ گو ہیں جس کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اس بات کو از روئے دل اور اعتقاد کہتے ہیں۔ لہٰذا واعظ و ذاکر حضرات کیلئے ضروری ہے کہ وہ جو کچھ کہیں اس کے مطابق عمل کریں اور اپنے اعضاء و جوارح کے کردار کو گفتارِ زبان کے ساتھ برابر کر دکھائیں اور اپنے افعال کو اپنے اقوال کے راست ہونے پر شاہد بنائیں۔ اس طرح کہ زبان سے کہیں اور اپنے اعمال و کردار کو اپنی گفتار کے خلاف کر کے اپنی آپ تکذیب کریں۔ کیونکہ جو بات قائل کہہ رہا ہے۔ اگر یہ اس کے نزدیک راست ہوتی تو خود اس کے خلاف عمل نہ کرتا۔ اور جب خود ہی اپنی گفتار کے خلاف عمل کر رہا ہے تو معلوم ہوا کہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اس کے نزدیک راست نہیں ہے۔ اور اس مقام (صدق) کے تمام و کمال میں سے یہ بات ہے کہ واعظ جس چیز کا وعدہ دے اس کی وفا کرے۔ اور جو عہد خالق یا کسی مخلوق سے کرے اُسے پورا کرے اور اپنے وعدہ کو سچا بنائے۔ اور بعض محققین نے کہا ہے کہ آیہ مبارکہ

یاایھا الذین اٰمنوا لم تقولون مالا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون پ ۲۸ ع ۹ - اے ایمان والو تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے۔ خدا کے نزدیک یہ بڑی ناراضگی کی بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جو خود کرو نہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کی حالت کے بیان میں ہے جو خلافِ وعدہ کرتے ہیں اور یہ تمام تہدید و وعید اور سرزنش ان لوگوں کے لئے ہے جو وعدہ کرتے ہیں اور اس کی وفا نہیں کرتے اور خدا وند عالم نے اسی جماعت (خلافِ وعدہ کرنے والے) کو دوسرے مقام میں کاذبین سے شمار کیا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

ومنھم من عاھد اللہ لئن اٰتٰنا من فضلہ لنصدقن ولنکونن من الصالحین فلما اٰتٰھم من فضلہ بخلوا بہ وتولوا وھم معرضون فاعقبھم نفاقا فی قلوبھم الی یوم یلقونہ بما اخلفوا اللہ ما وعدوہ وبما کانوا یکذبون۔ پ ع

اور ان (منافقین) میں سے ایسے بھی ہیں جو خدا سے قول و قرار کر چکے تھے۔ کہ اگر ہمیں اپنے فضل و کرم سے کچھ مال دیگا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور نیکوکار بندے ہو جائیں گے۔ تو جب خدا نے اپنے فضل و کرم سے انہیں عطا فرمایا تو لگے اس میں بخل کرنے۔ اور اعراض کرنے لگے۔ پھر اس بخل نے اس کے خمیازہ میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے دن (قیامت) تک ان کے دل میں نفاق ڈال دیا۔ اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے جو خدا سے وعدہ کیا تھا اُس کے خلاف کیا اور اس وجہ سے کہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

اور ہم نے اس جماعت کے حالات کو جس کے متعلق خدا تعالیٰ نے اس آیۂ شریفہ میں اشارہ فرمایا ہے کتاب کلمہ طیبہ کے سولھویں باب میں مبسوط لکھا ہے۔ اور اس کتاب میں بہت سے فوائد ہیں۔ جو شخص اس کتاب کی طرف رجوع کریگا فائدہ اُٹھائے گا۔ **پس ان دو مرحلوں کے حاصل کرنے کے بعد۔**

جاننا چاہئے کہ جو کچھ آدمی کے دل میں سپرد اور اس کے قلب میں ودیعت ہے وہ واقع سے یکساں ہو اور واقع ہر لحاظ سے اس چیز کے مطابق ہو جو کچھ اس کے دل میں ہے۔ اور یہ بات **باب معارف** میں اس طرح ہے کہ آدمی جس چیز کے وجود اور صفات و افعال کا معتقد ہے اس کا اعتقاد اس طرح ہونا چاہئے جو اس موجود کے لائق و مناسب ہو جیسے کہ ذاتِ اقدس باری جل جلالہ اور انبیاء عظام و اوصیاء کرام علیہم السلام اور ملائکہ و روزِ قیامت اور بہشت و دوزخ ان تمام کا اسی طرح معتقد ہے کہ جس طرح اس کو ان کا علم ہے اور ان کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اور مرحلہ **اخلاق** میں اس طرح ہے کہ آدمی جس صفت کا رکھنے والا ہے۔ وہ صفت اس کی گفتار اور اعتقاد کے لحاظ سے راست ہو۔ یعنی اس صفت کی حقیقت و اصلیت اس میں پائی جاتی ہو۔ محض دعویٰ ہی دعویٰ نہ ہو۔ اور وہ صفت اس پر مشتبہ نہ ہو۔ ورنہ وہ آدمی اس مرحلہ میں کاذب ہو جائے گا۔ چنانچہ مقام دوم میں امیر المومنین علیہ السلام کے اس قول ایاکم والکذب فان کل راج طالب وکل خائف ھارب۔ تم کذب سے احتراز کرو۔ کیونکہ ہر چیز کا امیدوار اس کے اسباب کو طلب کرنے والا ہے۔ اور کسی چیز سے ڈرنے والا اس کے اسباب سے بھاگنے والا ہے۔ کی شرح میں اسی مطلب مذکورہ سے متعلق کچھ بیان گزرا ہے اور جناب امیر المومنین علیہ السلام کا یہ فقرہ شریفہ اگرچہ مقام خوف و رجا میں میزانِ صدق و کذب کے سمجھنے کے بیان میں ہے۔ لیکن آپ کے اس فقرہ میں ایک دستور العمل ہے۔ جو کہ تمام صفاتِ حمیدہ جیسے توکل و محبت اور رضا و تسلیم وغیرہ اور ان تمام صفات کے واسطے ہے جو اس وجہ (صدق و کذب) سے ایک دوسری کی شریک ہیں۔ اور ان تمام صفات کے لئے کچھ ایسے آثار و علامات ہیں کہ ان میں سے ہر ایک صفت اپنے آثار و علامات کے لحاظ سے لوگوں کو اس خصلت میں سچا یا جھوٹا ہونے میں تمیز دیتی ہے۔

باقی رہا صدق و کذب زبان اور باقی اعضاء کے لحاظ سے۔ پس اس کا معنی معلوم ہے۔ اور عوام الناس اس معنی کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ آدمی زبان اور باقی اعضاء کے ذریعہ جس چیز کی خبر دے۔ اگر وہ خبر اسی طرح ہے جس طرح اس نے خبر دی ہے۔ تو اس کو صدق ورنہ کذب کہتے ہیں۔ اور مجاہد فی اللہ کو چاہئے کہ ان تمام مقامات میں موحد ہو اور کسی مقام میں کسی کو بھی حق تعالیٰ کا شریک نہ بنائے اور جو بات کہے اور جو عمل کرے اور جس چیز کا اعتقاد رکھے وہ صرف ذات مقدس احدیت کے تقرب کیلئے تمام مفاسد سے خالی اور پاک ہو۔ چنانچہ آیہ مبارکہ ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین جو کہ شروع نماز میں پڑھی جاتی ہے۔ اور اس کا ترجمہ فصل اول میں گزرا ہے میں اسی مقام (جو کام کرے محض قربۃً الی اللہ کرے) کی طرف اشارہ ہے۔ اور صدق اس مرحلہ میں اپنی حقیقت اور راستی کے لحاظ سے دیگر صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ مخلوط نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ اس میں محض ذات اقدس تعالیٰ شانہٗ کی طاعت کا قصد ہو۔

اور آدمی یہ کر سکتا ہے کہ اس قسم کے صدق کو مرحلہ اخلاص میں رکھ کے اس کے شجرہ طیبہ کو دل میں لگائے اور اس درخت کی تکمیل کرے۔ اور اس سے گوناگوں ثمر حاصل کرے۔ اور صدق کامل کی یہ قسم صاحبانِ عصمت وطہارت صلوات اللہ علیہم کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں ان (معصومین علیہم السلام) کو صادقین کہا ہے اور فرمایا ہے۔ کونوا مع الصادقین۔ اور حکم دیا ہے کہ ہر آدمی اقوال وافعال اور عقائد اخلاق واطوار میں سے اپنے تمام حالات میں اپنی ہمت وطاقت کے مطابق ان (صادقین) کے ساتھ ہو۔ پس اُمّت مرحومہ میں دو قسم کے لوگ ہوئے۔ ایک قسم صادقین ہیں۔ اور دوسری قسم وہ لوگ ہیں۔ جنہیں ان (صادقین) کی متابعت کا حکم ہے۔ اور یہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں اس آیہ مبارکہ میں صادقین سے مراد وہ لوگ ہوں جو محض زبان کے ساتھ راست سچ کہتے ہوں۔ اگرچہ وہ دل میں منافق یا عمل جوارح میں عاصی ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ یہ بات محال ہے کہ خدا تعالیٰ کسی منافق یا عاصی کی متابعت اور معیت کا حکم دے۔ بلکہ اس جگہ صدق سے مراد یہ ہے کہ صدق ان تمام مقامات میں ہو جن کی طرف پہلے اشارہ ہوا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس مرتبہ تک سوائے اس آدمی کے کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی جس کو خدا تعالیٰ برگزیدہ بنائے اور جس کی خود تربیت کرے۔ اور اللہ تعالیٰ اس آدمی کو تکمیل اخلاق اور تزکیہ نفوس وتربیت عباد کے لئے تمام بندوں کی طرف بھیجے۔ اور ان (صادقین) کے ساتھ تمسک اور مصاحبت ومعیت کے سوا کسی کو چارہ نہ ہو اور اس طرح بھی نہیں ہو سکتا کہ حق تعالیٰ کسی ایسی جماعت کی متابعت اور اطاعت کا حکم دے جس کی معرفت کی راہ لوگوں پر مسدود یا مشکل ہو۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان صادقین کے لئے کچھ ایسے اوصاف بیان فرمائے ہیں کہ جو آدمی ان اوصاف کو جس شخص میں دیکھے گا اُسے اپنا متبوع اور مطاع بنائیگا۔ پس فرمایا ہے۔

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق یہ نیکی نہیں ہے کہ تم اپنے مونہوں کو مشرق اور مغرب کی

والمغرب ولکن البرّ من اٰمن باللّٰہ والیوم الاٰخر والملائکۃ والکتاب والنّبیّین واٰتی المال علیٰ حبّہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصابرین فی الباسآء والضرآء وحین الباس اُولٰئک الذین صدقوا واُولٰئک ھم المتقون پ۲ ع۶۔

طرف پھیر لو۔ بلکہ نیکی تو اس کی ہے جو اللہ اور روزِ آخرت اور فرشتوں اور خدا کی کتاب اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور خدا کی محبت میں اپنا مال قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں اور لونڈی غلام کے گلو خلاصی میں صرف کرے اور پابندی سے نماز پڑھے اور زکوٰۃ دیتا رہے۔ اور جب وہ عہد کریں تو اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہوں اور فقر و فاقہ، رنج و سختی اور تکلیف کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہ لوگ وہی ہیں جو دعویٰ ایمان میں سچے نکلے اور یہی لوگ پرہیز گار ہیں۔

اور دوسرے مقام میں فرمایا ہے۔

انما المومنون الذین اٰمنوا باللّٰہ ورسولہٖ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللّٰہ اولٰئک ھم الصادقون۔

سورۂ حجرات پ۲۶ ع۱۴۔

مومن تو بس وہی ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر انہوں نے اس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہ کیا۔ اور اپنے مالوں اور جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ (دعویٰ ایمان میں) سچے ہیں۔

اور یہ بات متامل آدمی پر پوشیدہ نہیں کہ یہ دو آیہ کریمہ ان تمام چیزوں کو متضمن ہیں جو مراتب صدق میں بیان کی گئی ہیں۔ پس اُمّت کو جن صادقین کی متابعت کا حکم دیا گیا ہے وہ لوگ ہوں گے جو ان تمام اوصاف و اعمال کے رکھنے والے ہوں گے۔ اور یہ بات اس منصف مزاج شخص پر مستور اور مخفی نہیں جو سابقین کے احوال پر مطلع ہے کہ سوائے حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور آپ کے گیارہ فرزندوں صلوات اللہ علیہم کے کوئی اور آدمی ان تمام اوصاف کے رکھنے والا نہ دیکھا گیا ہے اور نہ ہی سنا گیا ہے۔ چنانچہ یہ بات کتب امامت میں بالتشریح لکھی گئی ہے۔ اور یہ اوراق اس کا محل ذکر نہیں ہیں۔ اور یہاں تو مقاماتِ صدق کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا۔ اور اس بات کا ذکر کرنا ضروری تھا۔ کہ صدق کا یہ بلند درجہ ان بزرگواروں (معصومین علیہم السلام) کے ساتھ مختص ہے۔ اور باقی بندے تقسیم الٰہی کے مطابق ہر درجہ میں کچھ تھوڑا سا حصہ اور نصیب رکھتے ہیں۔ اور اس صدق کا پست ترین درجہ صدقِ لسان ہے جس کے علاوہ عام لوگ تو کوئی اور مرتبہ جانتے ہی نہیں۔ چہ جائیکہ اس صدقِ لسان کے علاوہ کسی اور مرتبہ کو پالیں یا اس کے حاصل کرنے کے درپے ہوں اور لوگوں کے فہم و ہمت تو اس قدر قاصر ہیں کہ اس پست اور سہل و آسان مقام (صدقِ لسان) کو انہوں نے اتنی اہمیت بھی نہیں دی ہوئی کہ اپنے مکالمات و مخاطبات اور مباحثات و مکاتبات میں اس پر مواظبت اور پابندی کریں اور جس چیز کو دیکھیں یا سنیں تو اس کو نقل کرتے وقت کچھ تغیر

کرکے اس میں کچھ کمی یا زیادتی نہ کریں اور اپنے آپ کو کاذبین کے زمرہ میں داخل نہ کریں۔ اور اپنے آپ کو دروغگو کی ان عقوبات اور مفاسد میں جو پہلے گزر چکی ہیں مبتلا نہ کریں۔ بلکہ (یہاں تو معاملہ اُلٹ ہے) مقام نقل میں تو اس دروغ کے قبح کو آہستہ آہستہ لوگوں کے درمیان سے اس طرح اُٹھا یا گیا ہے کہ لوگ نقل اخبار میں دروغ کو گناہان صغیرہ سے تو کجا بلکہ مکروہات سے بھی شمار نہیں کرتے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر کوئی بیچارہ آدمی اپنی غذا میں لہسن کھائے تو جس آدمی کے پاس سے اس کا گزر ہوگا اُس کے منہ کی تھوڑی سی بُو کی وجہ سے اُسے ہر آدمی زجر کرے گا اور اُسے بُرے الفاظ کے ساتھ سرزنش کرے گا۔ اسے شرمندہ کرے گا اور ادھر روضہ خوان حضرات مجالس و محافل اور مساجد و منابر اور مشاہد مقدسہ میں ایک دوسرے کیلئے ہزارہا دروغ کہتے ہیں۔ اور بعض گزشتہ اخبار و احادیث کے مطابق اس دروغگو سے ایک عفونت اُٹھتی ہے جو قائمہ عرش الٰہی تک جاتی ہے۔ اور وہ دروغگو ملائکہ کو اپنے سے ناراض اور دُور کرتا ہے۔ تو وہ (ذاکرین و روضہ خواں) کبھی اس بات کی پرواہ ہی نہیں کرتے۔ اور کبھی کسی کے دل میں یہ بات گزرتی ہی نہیں کہ ہم قبیح کام کر رہے ہیں۔ اور اس سلسلۂ کلام کے لئے ایک تتمہ ہے جو انشاءاللہ تعالےٰ آگے آجائیگا۔ اور غرض اہم اس مقام پنجم میں صدق و کذب کا معنیٰ بیان کرنا ہے۔ چاہیئے کہ روضہ خوان اور اس قسم کے دوسرے لوگ اس معنی کو سمجھیں اور عمل کے مقام میں اس معنی کی رعایت کریں۔ اور اپنی تکلیف (فریضہ) کو سمجھیں کہ اخبار و قصص کو کس طرح نقل کریں۔ اور صدقِ لسان کی رعایت اور کذب زبان سے تحرز کے علاوہ یہ (اخبار و قصص کو شرعی دستور العمل کے بغیر نقل کرنا) جس طرح تجھے معلوم ہے (کتاب پڑھنے والے سے خطاب ہے) گناہانِ کبیرہ میں سے ہے۔ اور تمام مکلفین اس (اجتناب از کبائر) میں شریک ہیں۔ اور ہم بعض علماء اعلام کی متابعت میں صدق و کذب کی اس قسم کو شرعی صدق و کذب کہتے ہیں۔

توضیح مراد یہ ہے کہ جب ناقل کسی خبر اور قصہ کو کسی واسطہ سے نقل کرے اور وہ واسطہ کسی دوسرے آدمی سے [یہا]ں تک کہ یہ سلسلہ اصل خبر و قصہ تک پہنچ جائے تو غالباً ناقل کے نزدیک یہ چیز جس کو وہ نقل کرتا ہے جزمی اور قطعی نہ ہوگی کیونکہ اس تک اس کے ذریعہ خبر پہنچی ہے جس سے سُن رہا ہے۔ بلکہ اس بات کے راست اور دروغ ہونے [کا] برابر کا احتمال ہو سکتا ہے۔ ہاں بعض اخبار و قصص میں ایک طرف کا ظن غالب ہوتا ہے۔ لیکن اس ظن و گمان کی کوئی [انت]ہا نہیں ہے۔ مگر ان اخبار و قصص میں بعض ایسی ہوتی ہیں جو کسی مخصوص راہ سے حاصل ہوتی ہیں یا کسی شخص معین [س]ے پہنچتی ہیں۔ چنانچہ یہ بات اپنے مقام میں ذکر کی گئی ہے۔ اور اس جگہ یہ بھی مذکور ہے کہ بنی آدم کے تمام امور [مع]اش اور ان لوگوں کی معاد کے اکثر امور نقل ناقلین اور راویوں کی روایت کے ساتھ متعلق اور مربوط ہیں۔ [ا]سی واسطے شرع مطہر میں اس امر (نقل اخبار و قصص) کے لئے ایک میزان مقرر کی گئی ہے تاکہ شرع کے ماننے [وال]ے اس میزان کے مطابق چلیں اور اس کو محکم پکڑیں۔ اور قاعدہ و قانون الٰہی سے تجاوز نہ کریں۔ کیونکہ اگر

کسی شخص نے اس قانونِ الٰہی سے تجاوز کیا تو شرع میں اس کو کاذب کہا جاتا ہے۔ پس اس جگہ (نقل اخبار وقصص کے مقام میں) کذب سے مراد حق کی مخالفت اور خداوندِ عالم کی رضا اور شرع میں مقرر شدہ قانون کی مخالفت کرنا ہے۔ اور یہ کذب (میزانِ شرع کے خلاف اخبار کو نقل کرنا) کذب لغوی وعرفی جس میں کلام محض واقع کے مخالف ہوتا ہے، کا مقابل ہے۔ بلکہ کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے کہ جو کچھ ناقل بتا دے کہہ رہا ہوتا ہے وہ درست ہوتا ہے اور ناقل نے بچشمِ خود وہ واقعہ دیکھا ہوتا ہے جسے وہ بیان کر رہا ہے۔ لیکن اس نقل واقعہ کے لئے شرع میں جو کچھ شروط مقرر ہیں اگر وہ شرطیں نہ پائی جاتی ہوں تو ناقل کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس واقعہ کو نقل نہ کرے۔ کیونکہ اگر وہ نقل کرے تو اس کو بھی کاذب کہا جاتا ہے۔ باوجودیکہ وہ ناقل جو کچھ نقل کر رہا ہے راست ہی کیوں نہ ہو۔ جس طرح کہ اگر کسی شخص نے اپنی عورت کو زنا کی نسبت دی۔ اگرچہ وہ شخص جس قدر بھی عادل۔ متقی۔ راست گو ہو اور اس نے یہ چیز بچشمِ خود دیکھی ہو تو وہ اس چیز کو اتنے تک نقل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کے پاس اس بات پر ایسے چار گواہ نہ ہوں جنہوں نے اس چیز کو ایسے ہی دیکھا ہو جس طرح اس نے دیکھا ہے۔ اور اگر وہ آدمی اس بات کو چار گواہوں کے بغیر نقل کریگا تو اس پر تہمتِ زنا کی حد جاری کی جائے گی۔ اور وہ آدمی خداوندِ عالم کے نزدیک کاذبین سے ہوگا۔ کیونکہ خداوندِ عالم سورۂ نور میں فرماتا ہے۔

لولا جاءو علیه باربعة شهداء فاذلم یاتوا بالشهداء فاولئك عند الله هم الکاذبون۔

ان لوگوں (قاذفین) نے اپنے دعویٰ پر چار گواہ کیوں نہ پیش کئے۔ پس جبکہ وہ ان گواہوں کو نہ لائے تو خدا کے نزدیک وہی لوگ جھوٹے ہیں۔

پ۱۸ ع۸ -

اور اس جگہ (جبکہ تہمت لگانے والوں کے پاس چار گواہ نہیں ہیں) تہمتِ زنا لگانے والے اس گروہ پر تمام احکامِ کذب جاری ہیں۔ اور اس مقام (نسبت زنا میں چار گواہ پیش کرنا) کے علاوہ دوسرے مقامات میں۔ پس ناقل کا یہ فریضہ ہے کہ وہ کسی ثقہ شخص سے اخبار کو نقل کرے۔ اور ثقہ وہ شخص ہوتا ہے کہ انسان اس کی نقل پر مطمئن ہو۔ اور اس قسم کا آدمی وہی ہو سکتا ہے جو دروغ کہنے سے احتراز کرتا ہو۔ اور اس کے نقل اخبار کی بنا راست کہنے پر ہو۔ اور یہ سیرت اس کے لئے ملکہ اور عادت بنی ہوئی ہو۔ اور جو لوگ اسے جانتے ہوں اور اس سے معاشرہ رکھتے ہوں اُن تمام کے نزدیک وہ اس صفت کے ساتھ معروف و مشہور ہو۔ اور نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ثقہ زیادہ فراموش کار نہ ہو۔ اور اس میں زیادہ سہو ونسیان نہ ہو۔ اور جس چیز کو وہ نقل کر رہا ہے اس چیز کو جاننے والا اور اس سے بصیرت رکھنے والا ہو تو جب وہ اس قسم کا آدمی ہوگا تو اس سے سننے والا ہر آدمی اس کی نقل پر مطمئن ہوگا۔ اور تمام زمانوں اور صدیوں میں تمام عقلاء کے نظامِ امور کا مدار اسی قسم کے اشخاص کی اخبار اور نقل پر ہے بغیر اس کے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس کا مذہب کیا ہے۔ کیا وہ حق پر ہے یا باطل پر۔ اور اس مقام میں اس کی نقل اور روایت کے درمیان اس بات کا کوئی فرق نہیں ہے کہ اس نے وہ نقل اور روایت زبان سے کی ہو یا کتاب میں لکھی ہو یا کسی

کاپی میں ثبت کی ہو۔ اور اگر کوئی آدمی کسی غیر ثقہ سے روایت نقل کرے گا۔ تو وہ بھی شرع مطہر میں دروغگو کے حکم میں ہوگا۔ لیکن اس (غیر ثقہ سے نقل کرنے والا) میں اور قسم اول (نقل روایت میں قانون الٰہی سے انحراف کرنے والا) میں کچھ تھوڑا سا فرق ہے جو انشاء اللہ معلوم ہو جائے گا۔ اور ہمارے اس دعوئی پر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا وہ کلام معجز نظام دلالت کرتا ہے جو آپ نے اپنے ان وصایا کے ضمن میں فرمایا جو آپ نے اپنے فرزند جناب امام حسن علیہ السلام کو کیں۔ اور وہ وصیتیں طولانی ہیں۔ اور لوگوں نے جناب کی ان وصیتوں کو لکھا ہے۔ اور ان میں سے اکثر سید رضی رضی اللہ عنہ نے نہج البلاغہ میں نقل کی ہیں۔ اور وہ تمام وصیتیں سید رضی الدین علی بن طاؤس قدس سرہ نے ثقۃ الاسلام کلینی کے رسائل سے کتاب کشف المحجۃ میں نقل کی ہیں۔ کہ انہوں نے بسند خود حضرت باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ اور ان وصایا کے فقرات میں سے ایک یہ فقرہ بھی ہے۔

ولا تحدث الاعن ثقۃ فتکون کذابا والکذب ذل۔ تو حدیث نقل نہ کر مگر کسی ثقہ سے۔ ورنہ یعنی اگر تو نے غیر ثقہ سے حدیث کو نقل کیا۔ تو تو دروغگو ہو جائے گا۔ اور دروغگوئی ذلت اور خواری ہے۔

یعنی دروغگوئی دنیا و آخرت میں ذلت اور خواری کا سبب ہے یا دروغگوئی آدمی کی دنائت طبع اور پستی فطرت کی علامت ہے۔ اور اسی خبر کے قریب قریب وہ روایت ہے جو امیر المومنین علیہ السلام سے نہج البلاغہ میں مروی ہے۔ جو مکتوب شریف آپ نے حارث ھمدانی کو لکھا۔ اُس میں فرمایا۔

ولا تحدث الناس بکل ما سمعت فکفیٰ بذالک کذبا۔ لوگوں کیلئے ہر وہ چیز نقل نہ کر جس کو تو نے سنا ہو۔ کیونکہ ہر سنی ہوئی چیز کو نقل کرنے میں بے پرواہی کرنا تیرے دروغگو ہونے کے لئے کافی ہے۔

اور ان دو مذکورہ روایتوں کی مؤیدہ وہ روایت ہے جس کو شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے کتاب معانی الاخبار میں عبد الاعلیٰ بن اعین سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا۔ میں نے حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں وہ حدیث پیش کی جس کو لوگ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا۔ بنی اسرائیل کے متعلق واقعات بیان کر۔ یعنی بنی اسرائیل کی حکایات اور قصے بیان کر کہ اس میں کوئی حرج اور منع نہیں ہے۔ تو آپ (حضرت صادق علیہ السلام) نے فرمایا ہاں یہ حدیث درست ہے۔ تو میں نے عرض کی۔ کیا ہم جو کچھ بنی اسرائیل کے متعلق سنیں اُسے نقل کریں تو ہمارے اوپر کوئی حرج نہیں ہے؟ فرمایا کیا تو نے یہ نہیں سنا کہ آدمی کے جھوٹا بننے کیلئے یہ بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو نقل کرے۔ اور علامہ مجلسی قدس سرہ نے بحار میں اس خبر مذکور کی شرح میں فرمایا ہے کہ یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ اس آدمی سے نقل کلام درست نہیں ہے جس کی نقل کا اطمینان نہ ہو۔ اور اسی باب سے وہ حدیث ہے جو گزری ہے۔ کہ مصلح (لوگوں میں اصلاح کرنے والا) دروغگو نہیں ہے۔ کیونکہ

اس کا کلام موافق حق اور مطابق رضاءِ الٰہی ہے۔ اور ان تمام اخبارِ معتبرہ کا ماحصل یہ ہے کہ مکلف مقامِ نقل میں چاہے کوئی دینی مطلب رکھتا ہو یا کوئی دنیاوی مطلب جبکہ وہ نقل کی وجہ سے اپنے غیر کو کسی امر واقعی کا فائدہ پہنچانا چاہتا ہے تو جب وہ اس امر واقعی کو کسی واسطہ سے یا کسی کتاب سے نقل کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ ایسے شخص ثقہ سے نقل کرے جس کی نقل پر اسے اطمینان ہے۔ تو پس اگر اس فرمان کو مانتے ہوئے کوئی خطا ظاہر بھی ہوگئی یا واقع اس طرح نہ ہوا جس طرح کہ اس نے سنا ہے یا کسی کتاب سے نقل کیا ہے تو اس کی یہ خطا خداوند عالم کے نزدیک قابلِ مواخذہ اور لوگوں کی توبیخ وملامت کا سبب نہیں ہوگی۔ نیز یہ خطا اس ثقہ سے اس خبر کو نقل کرنے کی وجہ سے ناقل کی ندامت کا سبب اور موجب نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ ناقل اس امر میں خالق جل وعلا کے نزدیک معذور ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اسے شخص ثقہ سے نقل کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور وہ (ناقل) اس صورت میں لوگوں کے نزدیک بھی معذور ہوگا۔ کیونکہ لوگوں کے امور زندگی کا مدار شخص ثقہ سے نقل کرنے اور اس کی اخبار پر اعتماد کرنے پر ہی ہے۔ پس اگر کہیں ناقل نے مقامِ نقل میں تساہل کیا۔ اور ثقہ وغیر ثقہ میں کوئی فرق نہ رکھا جو کچھ جس سے سنا اور ہر مؤلف کی کتاب سے جو کچھ دیکھا نقل کردیا۔ تو اس صورت میں اگر دروغ ظاہر ہوگیا تو جو اس دروغ پر مفسدہ مرتب ہوگا اس کے علاوہ وہ ناقل، خداوند جل جلالہٗ کے نزدیک معذور نہ ہوگا۔ اور نہ ہی اس کا کوئی عذر لوگوں کے ہاں قابلِ قبول ہوگا۔ تو پس جو کچھ مذمت وملامت جھوٹوں کے بارہ میں وارد ہوئی ہے۔ اور جو عقوبت اور عذاب ان کیلئے ہیں۔ اس ناقل کے لئے بھی جاری ہوجائیں گے۔ اور وہ ناقل یہ عذر نہیں کرسکتا کہ مجھے تو اس کے دروغ ہونے کا پتہ نہ تھا۔ میں نے تو یہ خیال کیا کہ یہ راست ہے۔ تو میں نے اُسے نقل کردیا۔ کیونکہ اسے کہا جائے گا کہ ہم نے تجھے یہ بتایا نہیں تھا کہ ہر شخص سے جو کچھ تو سُنے اُسے نقل نہ کرنا اور ہر جگہ سے جو کچھ تو دیکھے اسے بیان نہ کرنا اور اس راہ پر نہ چلنا۔ کیونکہ اگر تو کسی کنوئیں میں گر پڑا یا کسی ڈاکو نے تجھے پکڑ لیا تو تیرا کوئی فریادرس اور نجات دینے والا نہ ہوگا۔ پس تو دروغ کہنے کے عذاب میں معذب ہوگا اور اس دروغ پر مرتب ہونے والے مفاسد کا تجھ سے مواخذہ کیا جائیگا۔ اور تجھ کو ان مفاسد کی وجہ سے (ملائکہ عذاب) پکڑ لیں گے۔ اگرچہ تجھے بیان کرتے وقت یہ علم نہ تھا کہ یہ دروغ ہے۔ (کیونکہ تو نے شرعی دستور العمل کے خلاف اخبار کو نقل کیا) اور مثال صادق سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ آیہ مبارکہ

یا ایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین۔ حجرات پ۲۶ ع۱۳۔

اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تم اس خبر کی تحقیق کر لو۔ کہیں اپنی جہالت کی وجہ سے کسی قوم کو کوئی نقصان نہ پہنچا دو پھر (ایسا کرنے سے) اپنے کئے پر پشیمان ہونا پڑے۔

میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے ابھی ابھی کہی ہے۔ کیونکہ وہ تعلیل جو اس آیہ شریفہ میں فاسق کی خبر پر عمل کرنے سے روکنے کیلئے ذکر ہوئی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس کام کا علم نہ ہو اس کام کو کرنا عقلاً اور شرعاً مذموم اور ممنوع ہے۔ کیونکہ اس صورت میں جو برا انجام اور نتیجہ اس عمل پر مترتب ہوگا۔ وہ عامل کا دامنگیر ہوگا۔ اور وہ عامل اپنے کئے پر

پشیمان ہوگا۔ پس بنابریں وہ ناقل حدیث جو نہ خود ہی اس خبر و حدیث کے صدق پر علم و اطلاع رکھتا ہے اور نہ ہی اس کے پاس منجانب شرع کوئی دستور العمل ہے کہ اس خبر و حدیث کے ساتھ صدق کا معاملہ کرے تو پس اس کا مقام نقل میں خبر ثقہ پر اعتماد کرنا جہالت اور نادانی ہوگی۔ تو جو مفسدہ اس نقل کی وجہ سے پیدا ہوگا وہ اس ناقل کا دامن گیر ہوگا۔ اور عاقبت میں اپنی نقل سے پشیمان ہوگا۔ بخلاف اس شخص کے جس نے روایات کو ثقہ سے نقل کیا اگرچہ اُسے خود ان روایات کے صدق کا علم نہ تھا۔ لیکن چونکہ اس کے پاس شرع انور کی طرف سے دستور العمل ہے تو اسے چاہیئے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے اور شخص ثقہ سے نقل کرتا ہے اس میں صدق کا معاملہ کرے۔ پس جبکہ اس نے شرع شریف کے اس دستور العمل کے مطابق عمل کیا اور شخص ثقہ سے نقل کیا۔ تو یہ کام اُس نے جہالت اور نادانی کی صورت میں نہیں کیا۔ اور بالفرض اگر ثقہ کی بیان کی ہوئی بات خلاف واقع ہوئی اور ثقہ کی نقل پر کوئی مفسدہ یا کئی مفاسد مترتب بھی ہو گئے تو چونکہ اس کا کام شرع مطہر کے دستور العمل کے مطابق تھا۔ لہٰذا ان مفاسد کے نتائج کسی وجہ سے بھی اس شخص کے دامن گیر نہ ہوں گے۔ اور نہ ہی یہ اپنے اس عمل سے پشیمان ہوگا اور یہ آدمی خداوند جل وعلا اور مخلوق کے نزدیک معذور ہوگا۔ اس کی مثال وہ حاکم شرع مثل ہے جس نے دو مومن عادل کی شہادت کی وجہ سے کسی چور کا ہاتھ قطع کر دیا ہو۔ اور قطع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ حد غیر محل میں جاری ہوئی ہے۔ اور چور کوئی دوسرا آدمی تھا۔ تو اس صورت میں حاکم کے اوپر کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ شرع مطہر میں ایسے مقام میں جو میزان اور دستور العمل مقرر کیا گیا حاکم نے اس کے مطابق عمل کیا ہے۔ ہاں اس خرابی کا تدارک دوسری جگہ سے کیا جائے گا۔ اور اس مقام میں تمام پشیمانی اور وبال اس آدمی کے لئے ہوگا۔ کہ جس تک یہ دروغ بالآخر منتہی ہوتا ہے۔ کہ اس نے یہ دروغ عمداً کہا ہے۔ یا مقدمات نقل میں کوتاہی کی ہے۔ اور اسی سے متعلق وہ قول ہے جو امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ جیسا چہ کافی میں ہے۔

اذا حدثتم بحدیث فاسندوہ الی الذی حدثکم فان کان حقا فلکم وان کان کذبا فعلیہ۔

جبکہ تم کسی آدمی کے لئے کوئی حدیث نقل کرنا چاہو۔ پس جس آدمی نے تمہارے لئے یہ حدیث نقل کی ہے اور تمہارا مستند ہے نقل کرتے وقت اس کا نام ذکر کرو۔ یا اگر کسی شخص نے تمہارے لئے کوئی حدیث نقل کی ہو۔ اور تم اس حدیث کو کسی دوسرے آدمی کے لئے نقل کرنا چاہو۔ تو اُس آدمی کا نام لو۔ مثلاً کہو" فلاں شخص نے کہا کہ حضرت صادق علیہ السلام نے اس طرح فرمایا"۔ اگر یہ حدیث راست ہوئی تو اس حدیث کی روایت اور اس پر عمل کرنے کا ثواب تم تمام کے لئے ہوگا۔ اور اگر اس کا یہ کہنا دروغ ہوگا۔ تو اس کا ضرر صرف اسی ناقل پر ہوگا کہ جس نے تمہارے لئے یہ نقل کیا ہے۔

اور اخبار گزشتہ و قانون مقرر کے اعتبار سے اس "ناقل" سے مراد وہ شخص ہے جو ثقہ ہو۔ پس اس ناقل ثقہ کے کلام کا جھوٹ ہونا کہ جس کلام کو دوسرے کے لئے نقل کر رہا ہے اس کی کیفیت وہی ہوگی جس کی طرف ابھی ابھی اشارہ کیا گیا ہے (حاکم شرع مطاع کا قصہ) یا اس کی کیفیت کوئی اور ہوگی جس کی طرف عنقریب انشاء اللہ اشارہ کیا جائے گا۔ اور اس مقام بلکہ

تمام گزشتہ مقامات کے لئے چند تنبیہات ہیں جن کے متعلق ہمیں اشارہ کرنا ضروری ہے۔

تنبیہہ اوّل:۔ جبکہ تجھے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ناقل کے اپنے امور دین و دنیا ہوں یا دوسرے لوگوں کے دین و دنیا کے امور ہوں۔ ان امور کی نقل میں ناقل کی تکلیف (فریضہ) یہ ہے کہ ان امور کو کسی ثقہ سے اسی اعتبار سے نقل کرے کہ جس طرح وہ امور ذکر کئے گئے ہیں۔ چاہے وہ امور ثقہ کی زبان سے نقل کئے گئے ہوں یا اس کی کتاب اور مؤلفات سے کیونکہ اس زمانہ میں روضہ خوان اور اس جیسے دوسرے لوگوں کی نقل غالباً کتب اور مؤلفات میں منحصر ہے۔ اور یہ بات بھی تجھے معلوم ہوگئی ہے کہ شخص ثقہ سے نقل کرنے میں کوئی ڈر بھی نہیں ہے۔ اور ایسی صورت (شخص ثقہ سے نقل کرنا) میں اگرچہ اس کی خبر اور نقل خلاف واقع بھی ہو تو اس ناقل پر کوئی حرج اور ملامت نہیں ہے۔ پس جاننا چاہیئے کہ شخص ثقہ اکثر اوقات ایک خبر کو نقل کرتا ہے لیکن دوسرے ثقات اسی خبر کے خلاف کو نقل کرتے ہیں۔ اور کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے کہ وہ جس خبر کو نقل کرتا ہے وہ مذہب کے بعض قواعد و اصول کے منافی ہوتی ہے اور شخص ثقہ بلکہ مومن عادل کا اس قسم کی خبر کو نقل کرنا اس کی وثاقت اور عدالت کے منافی نہیں ہوتا کیونکہ زمانہ قدیم میں احادیث و اخبار اور قصص و حکایات کے اختلاف کے اسباب بہت زیادہ ہوتے تھے۔ جن کو علماء اعلام نے ضبط بھی کیا ہے اور ائمہ طاہرین علیہم السلام نے ان اختلافات کے معالجہ اور فعلِ مکلّف کی تکلیف (فریضہ) کے لئے کئی بار دستور العمل اور قوانین کو ذکر فرمایا ہے۔ اور ان قوانین میں بھی اختلاف پیدا ہوا ہے۔ اور علماء عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس بارہ میں بہت ہی محنتیں اٹھائی ہیں۔ اور تکالیف کو برداشت کیا ہے۔ یہاں تک کہ علماء کے ہر طائفہ نے مبانی فقہ میں اپنے مشرب و مذاق کے مطابق کوئی نہ کوئی معین طریقہ اور ایک سلسلہ پیش نظر رکھا ہے۔ جس کا ذکر کرنا یہاں مناسب نہیں ہے۔ اور یہاں جو ہماری غرض مناسب ہے، وہ یہ ہے کہ بصیر متقی روضہ خوان کو اس بات پر تنبیہہ کی جائے کہ اگر وہ کوئی خبر یا حکایت کسی عالم کی کتاب میں سے دیکھے تو اگرچہ خبر و حکایت کو وہاں سے نقل کرنے میں روضہ خوان پر کوئی ڈر نہیں ہے۔ لیکن اسے چاہیئے کہ وہ اس خبر و حکایت میں غور و فکر اور تامّل کرے۔ اس کے صحیح و غلط ہونے کی طرف ملتفت ہو بلکہ اس خبر و حکایت کی جستجو اور تجسس کرے کہ کہیں علماء نے اس خبر کے خلاف کو اس طریقہ سے تو نہیں ذکر کیا کہ اس خبر اول کا خلاف واقع ہونا ظاہر اور واضح ہو جائے بایں طور کہ کلام اول کے ظاہر کی تاویل کی گئی ہو پس ایسے مقام میں ناقل روضہ خوان کے لئے ضروری ہے کہ اوّلاً وہ اپنی نقل کے مستند کا ذکر کرے اور ایسی خبر کو اپنے جزم و یقین کے ساتھ بیان نہ کرے کہ مثلاً امام علیہ السلام اس طرح تھے یا انہوں نے اس طرح فرمایا اور اس طرح کیا۔

ثانیاً۔ اس خبر میں دیگر علماء کی مخالفت کا ذکر بھی کرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سامعین کے کان دھوکا کھا جائیں خصوصاً اگر اس کتاب کے مؤلف، بزرگ علماء سے ہوں تو (کتاب اور اس کے مؤلف اور اس خبر و حکایت میں دیگر علماء کی مخالفت کا ذکر کرے) اور ہم اس مطلب کی توضیح کے لئے دو مثالیں ذکر کرتے ہیں۔

مثال اول۔ عالم جلیل بے نظیر و عدیل شیخ مفید رحمہ اللہ نے کتاب ارشاد میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام

کے معجزات قاہرات اور آپ کی آیات باہرات کے ذکر کرنے کے سلسلہ میں فرمایا ہے۔

ومن اٰیات اللہ الخارقۃ للعادۃ فی امیر المؤمنین علیہ السلام انہ لم یعہد لاحد من مبارزۃ الاقران ومنازلۃ الابطال مثل ما عرف لہ علیہ السلام من کثرۃ ذالک علی مر الزمان ثم انّہ لم یوجد فی ممارسی الحروب الا من عرتہ بشرۃ ونیل منہ بجراح او شین الا امیر المومنین علیہ السلام فانہ لم ینلہ مع طول زمان حروبہ جراح من عدو ولا شین ولا وصل الیہ احد منہم بسوء حتی کان من امرہ مع ابن ملجم علی اغتیالہ ما کان وھذہ اعجوبۃ افردہ اللہ بالاٰیۃ فیہا وخصّہ بالعلم الباھر فی معناھا ودلّ بذالک علی مکانہ منہ وتخصصہ بکرامتہ التی بان بفضلہا من کافۃ الانام۔

حاصل ترجمہ یہ ہے "کہ میدانِ جنگ میں جتنی مدت حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے دشمنوں سے محاربہ و مجادلہ کرتے ہوئے گزاری۔ اس قدر مدت محاربہ دیگر شجاعانِ زمانہ اور دلیرانِ روزگار میں سے کسی بہادر اور دلیر کو پیش نہیں آئی۔ اور جو دلیر ہمیشہ جنگ کرنے میں مشغول رہے ان میں سے کوئی ایسا بہادر نہیں مگر اُسے اپنے دشمن کی طرف سے کوئی نہ کوئی صدمہ ضرور پہنچا اور اس نے زخم کھایا ہے۔ یا اس کے اعضاء میں کوئی ایسا عیب اور نقص ضرور ظاہر ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ دلیر بدشکل ہو گیا۔ یا اس کے جسم میں کوئی نشان بن گیا۔ مگر امیر المومنین علیہ السلام باوجودیکہ آپ نے مقاتلہ و محاربہ میں کافی طولانی مدت گزاری۔ مگر اس طولانی ایامِ مقاتلہ کے باوجود دشمن کی طرف سے آپ کے بدن مبارک میں کوئی زخم نہیں لگا۔ اور آپ کے جسم مبارک میں کوئی عیب اور نقص ظاہر نہیں ہوا اور نہ ہی آپ نے کسی دشمن سے کوئی صدمہ اُٹھایا سوائے ابن ملجم کی ضربت کے جو آپ کو اُس کے مکر و حیلہ کے ساتھ لگی۔ اور یہ آیتِ باہرہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس امر عجیب کے ساتھ تمام دلیرانِ روزگار سے صرف آپ ہی کو ممتاز فرمایا ہے۔

اور شیخ مفید رحمہ اللہ کی اس بات کی مویدہ وہ روایت ہے جو شیخ شاذان بن جبرئیل ؒ نے کتاب فضائل میں ولادتِ امیر المؤمنین کے واقعہ میں نقل کی ہے۔ کہ جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تو حوا و مریم علیہما السلام اور ان کے علاوہ دو اور عورتیں حاضر ہوئیں۔ اور انہوں نے آپ کو معطر کیا اور ایک پارچہ میں لپیٹا۔ پس جناب ابوطالب نے چاہا کہ عرب کی عادت کے مطابق اسی حالت میں ختنہ کریں جس طرح کہ وہ لوگ بچے کی کم سنی میں ہی ختنہ کرتے ہیں۔ پس ان عورتوں میں سے ایک نے کہا کہ یہ مولود پاک و پاکیزہ پیدا کیا گیا ہے۔ اور یہ مولود حرارت آہن صرف ایک ایسے آدمی کے ہاتھ سے چکھے گا جس کو خدا تعالیٰ اور اس کا رسول اور آسمان و زمین، پہاڑوں، دریاؤں کے ملائکہ دشمن رکھتے ہوں گے اور آتشِ جہنم اس کی مشتاق ہوگی۔ ابوطالب نے پوچھا وہ کون ہوگا؟ کہا ابنِ ملجم مرادی الخ اس کے باوجود شیخ مفید کے کلام مذکور کی موید روایت کے باوجود شیخ معظم مفیدؒ کے کلام مذکور اور اس خبر کے مضمون پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس کلام اور خبر کو ان کے ظاہر پر ہی رہنے دینا چاہیے۔ کیونکہ شیخ معظم کا یہ کلام بہت سی ایسی اخبار کے منافی ہے جن میں سے بعض اخبار

کو خود شیخ معظم مفیدؒ نے روایت کیا ہے۔ اور اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان روایات میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

اوّل۔ شیخ جلیل مذکور نے کتاب اختصاص میں روایت کی ہے کہ جب جناب امیر المؤمنین علیہ السلام جنگ اُحد سے واپس تشریف لائے تو آپ کے بدن مبارک پر اسّی زخم تھے۔ جب لوگ روئی کی بتیاں ایک زخم میں داخل کرتے تھے تو وہ بتیاں دوسرے زخم سے باہر نکل آتی تھیں جس طرح کہ ان دو عورتوں نے جو جراح تھیں اور معالجہ کرتی تھیں "جیسے کہ آگے آئے گا" عرض کی کہ اس قسم کی بتیاں ایک زخم سے دوسرے زخم میں چلی جاتی ہیں۔ ہمیں تو ان کی جان پر خطرہ ہے۔ اور جناب امیر المؤمنین علیہ السلام اس حالت میں درد کا اظہار نہیں فرماتے تھے ......

آخر کار آپ کو ایک چمڑے پر اٹھایا گیا۔ جب حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ کی نظر ان پڑی تو ان کی یہ حالت دیکھ کر آپؐ رونے لگے۔

دوّم۔ شیخ معظم مذکور نے نیز اس کتاب (اختصاص) میں روایت کی ہے کہ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی وفات کے بعد لوگوں نے ان زخموں کے نشان جو آپ کے سر سے لیکر قدموں تک تھے گنے تو ان نشانات کی تعداد ہزار تھی۔

سوّم۔ نیز انہی عالم کامل (شیخ مفیدؒ) نے اسی کتاب (اختصاص) میں اور شیخ صدوقؒ نے کتاب خصال میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور محمد بن الحنفیہ سے ایک طولانی حدیث کو روایت کیا ہے کہ جنگ نہروان کے بعد ایک یہودی عالم، جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو جناب نے اس کے لئے ان سات مقامات کا ذکر کیا جہاں خدا تعالےٰ نے حیاتِ پیغمبرؐ میں آپ کا امتحان لیا ہے اور اس کے علاوہ دیگر سات مقامات کا ذکر کیا۔ جہاں وفاتِ پیغمبر کے بعد خدا نے آپ کا امتحان لیا ہے۔ اور آپ نے ان تمام مقامات میں صبر کیا۔ اور پہلے سات مقامات میں سے چوتھے مقام میں جو آپ کو غزوہ اُحد میں پیش آیا۔ اس غزوہ کو اجمالاً بیان فرمایا اور اس کے آخر میں فرمایا کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ کے سامنے ستر اور کچھ زخموں کے ساتھ مجروح ہوا جن میں سے یہ اور یہ زخم ہے۔ اور آپ نے اپنی ردا کو اُٹھایا اور اپنے دستِ مبارک کو ایک ایک زخم کے نشان پر رکھا۔ الخ

چہارم۔ نیز انہی دو کتابوں (اختصاص اور خصال) میں اسی طولانی خبر شریف میں مذکور ہے کہ آپ نے پہلے سات مقامات میں سے پانچویں مقام میں غزوہ خندق کو اجمالاً بیان فرمایا اور عمر بن عبدود کے ساتھ اپنے مقابلے کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ اُس نے مجھے یہ ضربت لگائی۔ اور آپ نے اپنے سر مبارک کی طرف اشارہ کیا۔ الخ

پنجم۔ شیخ طبرسیؒ نے تفسیر مجمع البیان میں روایت کی ہے کہ لوگ جنگ اُحد کے دن علی علیہ السلام کو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ کی خدمت میں اس حالت میں لائے کہ آپ کے بدن شریف میں ساٹھ سے زیادہ زخم تھے۔ جن میں سے کچھ نیزہ کے، کچھ شمشیر کے اور بعض تیر کے تھے۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ نے اپنے دستِ مبارک کو ان زخموں پر ملا

تو وہ زخم خدا تعالیٰ کے اذن سے اس طرح ملتئم ہو گئے کہ گویا کوئی زخم ہی نہ تھا۔

ششم۔ شیخ جلیل مقدم علی بن ابراہیم قمیؒ قدس اللہ سرہٗ نے اپنی تفسیر میں جنگ اُحد کے قصہ کے ضمن میں بسند معتبر روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ کے تمام اصحاب فرار کر گئے اور امیر المومنین علیہ السلام اُن مشرکین کے ساتھ متصل مقاتلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کے روئے مبارک، سر و سینہ، شکم، دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں پر ۹۰ نوے زخم لگے۔ اس کے بعد مشرکین خائف ہو گئے اور جنگ کرنے سے باز آ گئے۔ اور انہوں نے سنا کہ ایک منادی آسمان پر سے ندا کر رہا ہے۔ "لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار"

ہفتم۔ عالم نبیل قطب راوندی نے کتاب خرائج میں روایت کی ہے کہ جنگِ احد میں امیر المومنین علیہ السلام کے بدن پر چالیس ۴۰ زخم لگے۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنے دہانِ مبارک میں پانی لیا اور ان زخموں پر چھڑکا۔ پس اس وقت ایسے معلوم ہوا کہ جناب امیر المومنین کے بدن پر کوئی زخم ہی نہ تھا۔

ہشتم۔ رشید الدین محمد بن شہر آشوب نے کتاب مناقب میں روایت کی ہے کہ جنگِ اُحد کے دن جناب علی علیہ السلام کو سولہ ۱۶ ضربیں اس وقت لگیں جبکہ آپ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ کے سامنے مشرکین کو آنحضرتؐ سے دور کر رہے تھے اور آپ ہر ضرب لگنے کی وجہ سے زمین پر تشریف لے آتے تھے۔ اور آپ کو جبرئیل آ کر اٹھاتے تھے۔

نہم۔ نیز اسی جگہ (کتاب مناقب) میں جناب امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا جنگِ احد کے دن مجھے سولہ ۱۶ ضربیں لگیں۔ جن میں سے چار ضربوں کی وجہ سے میں زمین پر گر پڑا۔ پس ایک خوبرو پاکیزہ بُو آدمی میرے پاس آیا۔ اور اس نے میرے بازو کو پکڑا اور مجھے اُٹھایا اور مجھ سے کہا "ان مشرکین پر حملہ کیجئے" کیونکہ آپ خداوند تعالیٰ اور اُس کے رسول کی اطاعت میں لڑ رہے ہیں۔ اور خدا اور رسول آپ سے راضی ہیں۔ پس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے پاس آیا۔ اور جو کچھ میں نے دیکھا تھا انہیں بتایا۔ فرمایا خدا آپ کی آنکھوں کو روشن رکھے۔ وہ آدمی جبرئیل علیہ السلام تھے۔

دہم۔ امین الاسلام شیخ طبرسی نے مجمع البیان میں بسند معتبر حذیفہ سے روایت کی ہے کہ جنگ خندق کے دن عمرو بن عبدود گھوڑے سے نیچے اترا اور اس نے شمشیر کو نیام سے کھینچا۔ گویا وہ آگ کا ایک شعلہ تھی۔ اپنے چہرہ کو غضب آلود کر کے علی علیہ السلام کی طرف بڑھا۔ اور حضور اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضور کے سر پر سپر تھی عمرو نے آپ کے سر پر ایک ضرب ماری، سپر دو ٹکڑے ہو گئی۔ اور تلوار سپر سے نکلتی ہوئی آپ کے سر مبارک پر لگی۔ اور سر کو مجروح کر دیا۔

یازدہم۔ علی بن ابراہیم قمی علیہ الرحمہ نے اپنی تفسیر میں اسی روایت کے قریب قریب ایک روایت ذکر کی ہے۔ اور اس کے بعد لکھا ہے کہ جناب علی علیہ السلام نے عمرو کو قتل کر لیا تو اس کے بعد اس کا سر کاٹا۔ اور پیغمبر صلی اللہ

علیہ وآلہ کی طرف اس حالت میں روانہ ہوئے کہ عمرو کی ضرب کی وجہ سے آپ کے سر مبارک سے خون بہہ رہا تھا اور قتل عمرو کی وجہ سے آپ کی شمشیر سے اس کا خون ٹپک رہا تھا۔

دوازدہم[۱۲]۔ نیز ابن شہر آشوبؒ نے کتاب مناقب میں روایت کی ہے کہ جنگ خندق کے دن امیر المومنین علیہ السلام کا سر مبارک عمرو بن عبدود کی ضرب کی وجہ سے مجروح ہوا۔ پس آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ نے اس زخم پر پٹی باندھی اور اس پر دم کیا۔ پس وہ زخم ملتئم ہو گیا۔ اور آپ نے فرمایا "میں اُس وقت کہاں ہوں گا جبکہ یہ اس کے ساتھ رنگی جائے گی" یعنی جناب علی علیہ السلام کے محاسن یا رخسار خون سر سے رنگے جائیں گے (جناب امیر المومنین علیہ السلام کے ابن ملجم کی ضرب سے مجروح ہونے کی طرف اشارہ ہے)

سیزدہم[۱۳]۔ ابو علی پسر شیخ طوسیؒ نے اپنی امالی میں حضرت رضا علیہ السلام سے اور آپ نے اپنے آباء کرام سے اور انہوں نے حضرت سجاد علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے ایک حدیث جو اپنے جدِ بزرگوار جناب امیر المومنین علیہ السلام کی کیفیت شہادت میں بیان فرمائی کے ضمن میں فرمایا "ابن ملجم کی ضرب آپ کو ایسی حالت میں لگی جبکہ آپ سجدہ میں تھے۔ اور آپ کے سر مبارک پر وہ ضرب اسی جگہ لگی جہاں کہ پہلے ایک ضرب کا نشان تھا۔

چہاردہم[۱۴]۔ ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب مناقب میں ابان بن عثمان کی کتاب سے نقل کیا ہے اور ابان نے روایت کی ہے کہ جنگ احد کے دن جناب امیر المومنین علیہ السلام کے بدن پر ساٹھ سے زیادہ زخم لگے۔ پس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے اُمّ سلیم اور اُمّ عطیہ کو حکم دیا کہ وہ دونوں ان زخموں کا علاج کریں۔ پس ان دونوں نے عرض کی کہ ہمیں ان پر ڈر ہے۔ یعنی ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں یہ زخم ان کی موت کا سبب نہ ہو جائیں۔ پس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ اور باقی مسلمان آپ کے پاس ایسی حالت میں آئے کہ آپ کے جسم مبارک پر ایک بہت بڑا زخم بنا ہوا تھا۔ یعنی دوسرے زخموں کے ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہونے کی وجہ سے گویا ایک زخم محسوب ہوتا تھا پس سرکار رسالت اپنے دستِ مبارک کو ان زخموں پر ملتے تھے اور فرماتے تھے: "جس شخص نے راہِ خدا میں اس قسم کے مصائب دیکھے تو اس نے اپنے اور خداوندِ عالم کے درمیان نیکی اور احسان کو انتہا تک پہنچا دیا اور اپنے عذر کو تمام کر دیا"۔ پس وہ تمام زخم ملتئم ہو گئے۔

مؤلف فرماتے ہیں۔ جنگِ احد میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کے زخموں کی تعداد میں جو اختلافات ہیں ایسی تاویل کے قابل ہیں جس سے اخبار میں اختلاف نہ رہے۔ اور اس کا اپنے محل پر ذکر کیا جانا ضروری ہے۔

پانزدہم[۱۵]۔ روایتِ معروفہ ومشہورہ جو کہ ایامِ قدیمہ میں محلِ گفتگو تھی چونکہ اس روایت کا اصلی ماخذ اس وقت زیرِ نظر نہیں ہے۔ اس لئے اس کا ماحصل لکھا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کسی جنگ میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کے پائے مبارک میں تیر ایسے پیوست ہو گیا کہ اس کا نکالنا حضور کے وجودِ مبارک پر زیادہ دشوار

وتکلیف کا باعث تھا۔ پس لوگوں نے وہ تیر نماز کی حالت میں نکالا۔ جبکہ آپ کے نفس مقدسہ کو بدن کی طرف کوئی التفات نہیں ہوتا تھا۔ اور جو کلام شیخ اجل نے کتاب ارشاد میں فرمایا ہے (امیرالمومنین علیہ السلام کو کسی جنگ میں کوئی زخم اور کوئی ضربت نہیں لگی) اور جو خبر مذکور ہے (جو شیخ شاذانؒ نے کتاب فضائل میں نقل کی ہے جس میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی ولادت کے وقت حوّا و مریم علیہما السلام کا آنا اور جناب ابوطالب کے ساتھ ان کا گفتگو کرنا مذکور ہے، کما مرّ) ان دونوں کے ظاہر کو باور نہ کرنے کے لئے اس قدر اخبار صریحہ کافی ہیں جن کو اعیانِ علماء فن نے نقل کیا ہے۔ پس ان دونوں کا (کلام شیخ اور خبر شاذان) کی ناچار تاویل کرنا ضروری ہے کہ یہاں جن زخموں کی نفی کی گئی ہے ان سے مراد وہ زخم ہیں جو قوتِ قلب اور شجاعت کے منافی ہوں۔ جیسے وہ زخم جو پس پشت ہوتے ہیں جو کہ صاحب زخم کے صف ہیجاء اور میدان معرکہ سے فرار کرنے کی علامت ہوتے ہیں۔ یا ان سے مراد وہ زخم ہیں جن سے بدن میں کوئی نقص اور عیب پیدا ہو جاتا ہے۔ اور عام طور پر اس قسم کے زخم والے آدمی کا کوئی مخصوص نام ہو جاتا ہے۔ جیسے اعلم اُس آدمی کو کہا جاتا ہے جس کا بالائی لب کٹا ہوا ہو اور اثرم اُسے جس کا دانت ٹوٹا ہوا ہو اور اقصم اس کو جس کے سامنے والے دانت ٹوٹے ہوئے ہوں۔ اور اشتر اسے جس کی آنکھ کی پلک زیریں منقلب ہو۔ اور اخرم جس کی ناک کی ایک طرف کٹی ہوئی ہو۔ اور اعور وہ جس کی ایک آنکھ کور ہو۔ اور اعمٰی وہ جس کی دونوں آنکھیں کور ہوں۔ اور اس قسم کے اور بھی بہت سے نام ہیں۔ اور غور کرنے والے آدمی کے لئے شاید اس قسم کی اور بھی تاویلات پیدا ہو سکیں۔ باقی رہی کتاب فضائل کی خبر مذکور (بوقت ولادت امیرالمومنین علیہ السلام حواء و مریم علیہما السلام کا آنا اور جناب ابوطالب کے ساتھ گفتگو کرنا) پس پوشیدہ نہ رہے کہ اس کتاب کے مولف اگرچہ اجلّ علماء سے ہیں۔ لیکن ظاہراً انہوں نے یہ کتاب اپنی عمر کے اوائل میں لکھی ہے۔ اس لئے یقین کرنے اور حکم لگانے کے قابل نہیں اور اس کتاب میں اخبارِ غریبہ منفردہ بہت پائی جاتی ہیں۔ اسی واسطے اساتذہ فن اس پر اعتماد نہیں کرتے۔ اور اس کے علاوہ اس خبر مذکور کے متن میں ایک بہت بڑا عیب بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی ولادت کا تمام قصہ اور فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی اعانت کے لئے ان خواتین معظمہ (حواء و مریم وغیرہما) کا تشریف لانا اور جناب کے تمام کرامات اور ان خواتین کے ساتھ جناب ابوطالبؑ کا گفتگو کرنا مولف کتاب فضائل نے ان تمام باتوں کا جناب ابوطالب کے گھر میں ہونا نقل کیا ہے۔ اور یہ چیز بہت سی ان اخبار، علماء اخیار کی نص اور تمام اعصار میں جو مضامین وخطب اور اشعار پڑھے جاتے رہے ہیں جن سے یہ ثابت ہے کہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی ولادت باسعادت کعبہ معظمہ کے اندر ہوئی، کے خلاف ہے۔ اور کعبہ کے اندر ولادت کا ہونا آنجناب کے خصائص میں سے ہے کہ انبیاء واوصیاء میں سے کسی کو حاصل نہیں اور نہ ہی اس فضیلت وخصوصیت میں آپ کا کوئی شریک ہے۔ اور بعید نہیں کہ یہ چیز ضروریاتِ مذہب امامیہ میں سے ہے جس کے ساتھ ہم فخر کرتے ہیں۔ اور جب اس روایت کی اصل ہی درست

نہ ہوئی تو فرع کیلئے کوئی مقام باقی نہ رہا۔ تو پھر یہ تمام اخبار معتمدہ کی معارض کیونکر ہو سکتی ہے۔

مثال دوم۔ سید جلیل علی بن طاؤس قدس اللہ سرہٗ نے کتاب **ملہوف** کے اواخر میں فرمایا ہے۔

ولما رجع نساء الحسین علیہ السلام وعیاله من الشام وبلغوا العراق قالوا للدلیل مُرّ بنا علی طریق کربلا فوصلوا الی موضع المصرع فوجدوا جابر بن عبد الله الانصاری رحمه الله وجماعة من بنی هاشم ورجالا من آل رسول الله صلی الله علیه واله قد وردوا لزیارة قبر الحسین علیه السلام فوافوا فی وقت واحد وتلاقوا بالبکاء والحزن واللطم واقاموا المآتم المقرحة للاکباد واجتمع الیهم نساء ذالك السواد فاقاموا علی ذالك ایاما۔

جب سید الشہداء علیہ السلام کے اہل و عیال نے شام سے مراجعت فرمائی اور عراق میں پہنچے تو انہوں نے راہ نما (نعمان بن بشیر) سے فرمایا۔ ہمیں کربلا کے راستہ سے لیجا۔ پس وہ سب مقتل شہداء میں پہنچے تو وہاں جابر بن عبد اللہ الانصاری رحمہ اللہ اور مردان بنی ہاشم کی ایک جماعت اور اولاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ میں کچھ لوگوں کو پایا کیونکہ وہ لوگ بھی جناب امام حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت کے لئے آئے تھے یہ سب لوگ ایک ہی وقت میں پہنچے۔ سب سے ملاقات ہوئی اور سب رونے پیٹنے میں مشغول ہوئے۔ انہوں نے جگر سوز ماتم برپا کیا اور ان کے پاس اطرافِ کربلا سے قبائلِ عرب کی عورتیں تعزیہ داری کے لئے آئیں اور وہاں کئی دن تعزیہ داری میں مشغول رہیں

اور اسی عبارت کو مختصراً جعفر بن نما علیہ الرحمہ نے کتاب مثیر الاحزان جو کہ سید مذکور کی وفات سے چوبیس سال بعد تالیف کی گئی ہے۔ میں ذکر کیا ہے۔

پس ہم کہتے ہیں کہ سید معظم مذکور (سید جلیل علی بن طاؤس قدس اللہ سرہ) تمام علمائے اعلام کے نزدیک جلیل القدر عظیم الشان صاحب کرامات باہرہ و مناقب فاخرہ ہیں۔ اور ان کی مؤلفات و تصانیف اساتذہ و ارباب فن کے نزدیک مقبول و مطبوع ہیں۔ لیکن متدبر منصف پر یہ بات مخفی نہیں کہ بزرگان دین کی مؤلفات چاہے وہ ان مطالب میں ہوں جو فکرِ صائب اور نظرِ ثاقب کی طرف محتاج ہیں اور چاہے وہ ان امور میں ہوں جو زیادتی معلومات، تتبع تام، پوری اطلاع پر موقوف ہیں۔ یہ تمام کی تمام مؤلفات اور تصانیف ان مؤلفین کی امتداد عمر کے اعتبار سے ایک ہی وتیرہ اور نسق پر نہیں ہوتیں۔ مثلاً وہ کتاب جو مؤلفین اوائل تحصیل علم اور آغازِ شباب میں لکھتے ہیں اعام طور پر ان کی اس کتاب جس کو ایام تکمیل اور اواخر عمر میں تالیف کرتے ہیں سے اتقان و ضبط اور جامعیت میں مشابہت نہیں رکھتی اگرچہ جب بھی کوئی کتاب کسی عالم کی طرف منسوب کی جاتی ہے تو اس وقت یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ انہوں نے یہ کتاب اپنے اس جلالت اور بزرگی کے زمانہ میں تالیف کی ہوگی جس تک وہ نشو و نما کے اعتبار سے تدریجاً پہنچے تھے۔ حالانکہ حقیقت میں اس طرح نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ بات اس آدمی پر پوشیدہ نہیں ہے جو مؤلفین کی ان مؤلفات کو دیکھنے والا ہے جو انہوں نے اپنے اوائل سن میں تالیف کیں۔ اور جو اواخر عمر میں لکھی ہیں۔ اور سید جلیل مذکور نے کتاب ملہوف کو اپنی عمر کے اوائل

میں تالیف فرمایا ہے۔

اور علاوہ اس دعوے پر دو چیزیں شاہد ہیں۔

اول یہ کہ سید مذکور کا اپنی ان تمام مؤلفات میں جو موجود ہیں اور جن سے علماء روایات کو نقل کرتے ہیں یہ طریقہ رہا ہے کہ انہیں جس قدر میسر ہو سکا۔ اور روایات سے واقفیت تھی انہوں نے ماخذ نقل اور سند روایت کو ذکر کیا مگر اس کتاب (ملہوف) اور کتاب مصباح الزائر میں ان کی اس سیرت کے خلاف ہوا۔ کیونکہ انہوں نے ان دو کتابوں میں ماخذ اور سند کو ذکر نہیں کیا۔ اور اس میں اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ انہیں ان دونوں کتابوں کی تالیف کے ایام میں اتقان تام حاصل نہ تھا۔ اور قلت اطلاع تھی۔ اور کتاب ملہوف سے بھی ان کی ایک مختصر تالیف ہے جیسے کتاب مجتنی۔ اور اس کتاب میں کوئی ایسی روایت نہیں جس کا ماخذ ذکر نہ کیا ہو اور جو غیر مستند ہو۔ پس اگر اس کتاب ملہوف میں نقل شدہ روایات پر کوئی اعتراض بھی ہو تو یہ چیز ان کی بزرگیٔ مقام، زیادتی معلومات اور احادیث و آثار پر ان کی کثرتِ اطلاع کے منافی نہیں کیونکہ ان کے لئے یہ درجات ان دو کتابوں کی تالیف کے بعد حاصل ہوئے۔

دوم یہ کہ سید معظم مذکور نے کتاب اجازات میں جہاں اپنی مؤلفات کو ذکر کیا ہے تو وہاں یہ تصریح کی ہے کہ "میں نے کتاب مصباح الزائر اوائل عمر میں لکھی ہے"! اور انہوں نے کتاب ملہوف کے اول میں فرمایا ہے کہ "جب میں نے کتاب مصباح الزائر کو لکھا۔ اور زائر اس کتاب کو ساتھ رکھنے کی وجہ سے زیارت کی ہر چھوٹی بڑی کتاب کے اٹھانے سے مستغنی ہے تو میں نے چاہا کہ جب زائر زیارت عاشوراء کیلئے مشرف ہونا چاہے تو اپنے ساتھ مقتل کی اس مختصر سی کتاب (ملہوف) کو لے جائے۔ جو زوار کی تنگیٔ وقت کے مناسب ہے۔ اس لئے میں نے اس کتاب ملہوف کو نقل میں لکھا ہے تا کہ زائر اس کو اسی کتاب (مصباح الزائر) کے ساتھ منضم کرلے"۔ اور سید مذکور کا یہ کلام اس بات پر صراحۃً دلالت کر رہا ہے کہ کتاب (ملہوف) کتاب مصباح الزائر کے لئے بمنزلہ متمم کے ہے۔ اور آپ نے یہ کتاب (ملہوف) اوائل تکلیف (بلوغ) میں تالیف فرمائی ہے۔ اور سید مذکور کا یہ کلام اس بات کو واضح کرنے کے لئے ہے کہ آپ کی یہ دو کتابیں اتقان و استحکام میں آپ کی باقی مؤلفات جلیلہ کی طرح نہیں ہیں۔ اور جب یہ مقدمہ واضح ہو گیا تو اب ہم (صاحب کتاب) کہتے ہیں کہ اہلبیت کا اربعین کو کربلا معلی میں پہنچنا جس طرح کہ سید مذکور نے کتاب ملہوف میں ذکر کیا ہے اکثر امور، بہت سی اخبار، علماء اخیار میں سے ایک جماعت کی تصریح کے منافی ہے۔ اور مختصراً اب ان چیزوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:۔

اول یہ کہ سید معظم مذکور خود کچھ مدت کے بعد اس روایت کی بعض خرابیوں کی طرف ملتفت ہوئے ہیں جو انہوں نے ایک مجہول راوی سے نقل کی ہے۔ اسی واسطے انہوں نے کتاب اقبال میں بیسویں صفر کے اعمال کو لکھتے ہوئے اس روایت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد جو انہوں نے سابقاً کتاب لہوف میں لکھی ہے فرمایا ہے کہ یہ چیز اہلبیت کا اربعین کو کربلا میں

پہنچا) بعید ہے کیونکہ عبید اللہ بن زیاد لعنہ اللہ نے واقعہ کربلا کو یزید ملعون کی طرف لکھا اور اہلبیت علیہم السلام کو شام بھیجنے کے لئے اس سے اجازت مانگی - اور جواب کے آنے سے پہلے ان کو شام کی طرف نہ بھیجا - اور یہ چیز (یعنی یزید سے اجازت لینا اور اس کی طرف سے جواب کا آنا) تقریباً بیس روز یا اس سے زیادہ ایام کی محتاج ہے - اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب عبید اللہ لعنہ اللہ نے اہلبیت علیہم السلام کو شام میں بھیجا تو مروی ہے کہ پورا ایک ماہ اہلبیت علیہم السلام کو ایک ایسے مکان میں جگہ دی گئی جو سردی اور گرمی سے ان کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا - اور یہ صورت اس بات کی مقتضی ہے کہ اہلبیت علیہم السلام کربلا یا مدینہ میں اربعین کے بعد پہنچے ہوں (کیونکہ بیس روز یا اس سے زیادہ ایام تو عبید اللہ کے یزید ملعون سے اجازت مانگنے اور جواب آنے میں لگ گئے - اور پھر اہلبیت علیہم السلام بھی بنا بر روایت پورا ایک ماہ شام میں مقید رہے - تو اسی سال کی بیسویں صفر کو کربلا میں کیسے پہنچ سکتے تھے) یہ سید مذکور کے اس کلام کا خلاصہ ہے جو آپ نے کتاب اقبال میں تحریر فرمایا ہے - اور تعجب کی بات یہ ہے کہ سید مذکور نے کتاب ملہوف میں پسر مرجانہ کا یزید سے اجازت لینا اور جواب کے آنے کے بعد اہلبیت علیہم السلام کو شام بھیجنا یہ سب کچھ ذکر کیا ہے اور اس کے باوجود اس روایت (روز اربعین اہلبیت علیہم السلام کا کربلا میں پہنچنا اور عزاداری سید الشہداء میں مشغول ہونا) کو اس راوی سے نقل فرمایا ہے - یہ دونوں چیزیں ہرگز جمع نہیں ہو سکتیں -

دوم یہ کہ اجلاء فن حدیث اور متقدمین اہل سیر و تواریخ میں سے کسی نے بھی ذکر مقتل کے سیاق میں اس واقعہ (روز اربعین اہلبیت علیہم السلام کا کربلا میں پہنچنا) کی طرف اشارہ نہیں کیا - حالانکہ اگر اس واقعہ کا کوئی وجود ہوتا تو کئی وجوہ کی بنا پر اس کا ذکر کرنا زیادہ مناسب اور قابل اعتناء تھا - بلکہ اجلاء فن حدیث کے سیاق کلام سے اس واقعہ کا عدم وقوع معلوم ہوتا ہے -

شیخ مفید قدس سرہ نے کتاب ارشاد میں فرمایا ہے :-

ثم امر بالنسوة ان ينزلن في دار على حدة معهن اخوهن علي بن الحسين عليهما السلام فافرد لهم دارا تتصل بدار يزيد فاقاموا اياما ثم ندب النعمان بن بشير وقال له تجهز لتخرج بهؤلاء النسوة الى المدينة الى ان قال وانفذ معهم في جملة النعمان بن بشير رسولا تقدم اليه ان يسير بهم في الليل ويكونوا امامه حيث لا يفوتون طرفه فاذا نزلوا انتحى عنهم وتفرق هو واصحابه حولهم كهيئة الحرس لهم وينزل منهم بحيث ان اراد انسان من

(مقام شاہد کی مقدار کا حاصل ترجمہ یہ ہے) یزید نے نعمان بن بشیر سے کہا - اور یہ ان دس صحابہ میں سے تھا جو معاویہ کے ساتھ تھے - سفر کی تیاری کرو اور ان مخدرات عصمت کو مدینہ لے جاؤ - اور یزید نے نعمان کو وصیت کی کہ رات کو چلنا اور اہلبیت علیہم السلام کے پیچھے پیچھے اس طرح رہنا کہ وہ تیری نظر سے اوجھل نہ ہوں - اور جب وہ کسی مقام میں منزل کریں تو ان کی منزل سے دور اترنا تا کہ اگر ان میں سے کوئی وضو یا قضاء حاجت کا ارادہ کرے تو اسے شرم دامنگیر نہ ہو - اور جہاں کہیں اتریں بشیر اور اس کے ساتھی اہلبیت علیہم السلام کے اردگرد نگہبانوں کی طرح متفرق ہو جائیں - پس نعمان اہلبیت علیہم السلام

جماعتهم وضوء او قضاء حاجة لم يحتشم نساء معهم في جملة النعمان ولم يزايلهم في الطريق وهو يرفق بهم كما وصاه يزيد ويرعاهم حتى دخلوا المدينة۔

کے ساتھ چلا۔ اور اس وصیت یزید پر عمل کیا اور اہل بیت عصمت کو آرام اور مدارات کے ساتھ لے گیا۔ یہاں تک کہ اہل بیت علیہم السلام مدینہ میں داخل ہوئے۔

اور اس طرح نہیں ہو سکتا کہ اہلبیت علیہم السلام اپنے اس سفر میں کربلا گئے ہوں اور جابر سے ملاقات کی ہو۔ اور وہاں کئی دن عزاداری سید الشہداء میں مشغول رہے ہوں۔ اور ہو سکتا ہے کہ شیخ مفید قدس سرہٗ نے اس روایت (اہلبیت علیہم السلام کا روز اربعین کربلا میں پہنچنا) کو کسی معتمد مقام میں نہ دیکھا ہو گا یا شاید دیکھا تو ہو۔ مگر اس مقام میں اس کی طرف مطلقاً اشارہ نہیں کیا۔ اور اسی مذکورہ عبارت (اہلبیت علیہم السلام کا شام سے سیدھا مدینہ میں جانا) کے قریب ابن اثیر نے کتاب کامل التواریخ میں ذکر کیا ہے۔ اور طبری نے اپنی تاریخ میں جو کہ تواریخ معتبرہ سے ہے مختصراً کہا ہے کہ کہیں بھی اہلبیت علیہم السلام کے واپس عراق میں آنے کا ذکر نہیں ہے۔

سوئم یہ کہ شیخ مفید قدس سرہٗ نے کتاب مسار الشیعہ میں وقائع ماہ صفر کے ذیل میں فرمایا ہے:۔

وفي اليوم العشرين منه كان رجوع حرم سيدنا ومولانا ابي عبد الله الحسين عليه السلام من الشام الى مدينة الرسول صلى الله عليه وآله وهو اليوم الذي ورد فيه جابر بن عبد الله بن حرام الانصاري صاحب رسول الله صلى الله عليه وآله من المدينة الى كربلاء لزيارة ابي عبد الله عليه السلام وكان اول من زاره ويستحب زيارته۔

اور صفر کی بیسویں کو حضرت ابی عبد اللہ الحسین علیہ السلام کے اہل حرم شام سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یہ وہ دن ہے جس میں جابر بن عبد اللہ انصاری مدینہ سے حضرت ابی عبد اللہ الحسین علیہ السلام کی زیارت کے لئے کربلا میں وارد ہوئے۔ اور جابر پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے آپ کی زیارت کی۔ اور جناب امام حسین علیہ السلام کی زیارت مستحب ہے۔

اور اسی عبارت کے قریب قریب شیخ طوسی رحمہ اللہ نے کتاب مصباح المتہجد اور علامہ حلی طاب ثراہ نے کتاب منہاج الصلاح میں اور کفعمی قدس سرہٗ نے اپنی مصباح کے دو مقام میں ذکر کیا ہے اور ظاہر عبارت یہ ہے کہ اہلبیت علیہم السلام اربعین کے دن شام سے باہر تشریف لائے۔ نہ یہ کہ روز اربعین وارد مدینہ ہوئے۔ چنانچہ بعض علماء نے توہم بھی کیا ہے۔ کیونکہ دمشق سے لیکر مدینہ تک کسی قافلہ کی سیر متعارف ایک ماہ سے کم نہیں ہو سکتی خصوصاً وہ قافلہ جو اس دستور العمل کے مطابق جائے جو یزید نے نعمان کو دیا ہو کہ وہ انہیں اس دستور العمل کے مطابق لے جائے اور ان دو شہروں (دمشق اور مدینہ) کے مابین دو سو فرسخ سے زیادہ فاصلہ ہے۔ اگر دونوں (اہلبیت علیہم السلام و جابر بن عبد اللہ) کی کیفیت ایک ہوتی۔ تو شیخ مفیدؒ اس عبارت میں اختلاف نہ فرماتے۔ کیونکہ آپ نے جابر کے بارے میں جن کے روز اربعین کو

کربلا میں آنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ورُود کی لفظ اور اہلبیت علیہم السلام کے بارے میں رجوعؑ کی لفظ استعمال کی ہے۔
بہرحال یہ کلمات اس بات پر صریح دلالت کرتے ہیں کہ اہلبیت علیہم السلام کربلا میں نہیں آئے۔ ورنہ اس بات کو ۲۰ تاریخ ماہ صفر میں ذکر کرنا کئی وجوہ کے اعتبار سے اولیٰ تھا۔

چہارم یہ کہ جابر کے کربلائے معلیٰ میں وارد ہونے کی تفصیل دو معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ اور وہاں اہلبیت طہارت کے کربلا میں وارد ہونے اور جابر سے ملاقات کرنے کا بالکل ذکر نہیں ہے۔ اوّل شیخ جلیل القدر عماد الدین ابو القاسم طبری آملی جو کہ ابو علی پسر شیخ طوسی رضوان اللہ علیہم کے تلامذہ میں سے ہیں۔ نے کتاب بشارۃ المصطفیٰ جو کہ کتب نفیسہ موجودہ سے ہے میں اعمش سے سنداً روایت کی ہے۔ اور یہ اعمش بزرگ محدثین میں سے ہیں۔ اور اس اعمش نے عطیہ بن سعد بن جنادہ عوفی کوفی جدلی سے۔ اور یہ عطیہ بھی رواتِ امامیہ میں سے ہیں۔ اور اہلسنت نے اپنی کتب رجال میں تصریح کی ہے کہ "عطیہ راست گو تھا" اور اس نے ۱۱۱ھ میں وفات پائی ہے۔ اس عطیہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "میں جابر کے ساتھ حسین بن علی صلوات اللہ علیہما کی زیارت کیلئے باہر گیا" یہ بیان کرتے ہوئے عطیہ نے جابر کے کربلا میں وارد ہونے کی کیفیت کو شرح ذکر کیا ہے۔ اور اس کا اجمال یہ ہے کہ جابر نے غسل کیا اور اپنے آپ کو احرام حج باندھنے والوں کے مشابہ بنایا۔ اور سعد (خوشبو کی ایک قسم ہے) خوشبو لگائی اور چونکہ جابر نابینا تھے لہذا عطیہ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور قبر مطہر تک پہنچایا۔ پس جابر بیہوش ہو گئے۔ عطیہ نے ان پر پانی چھڑکا تو وہ ہوش میں آئے۔ پس جابر نے سوزِ دل کے ساتھ آنحضرتؑ کی خدمت میں کچھ جگر سوز کلمات عرض کئے۔ اور اس وقت شہداء پر سلام کیا اور اپنے آخر کلام میں عرض کی۔ "ہم بھی اس امر میں شریک تھے جس میں تم داخل ہوئے" یعنی مجادلہ و مقاتلہ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ کی ذریت کی نصرت اور شہادت میں۔ عطیہ نے عرض کی۔ ہم نے کوئی تکلیف نہیں اُٹھائی اور نہ ہی ہم نے اعداءِ دین کو کوئی تلوار ماری۔ اور اس گروہ (شہداء) کے سر بدنوں سے جدا ہوئے۔ ان کی عورتیں بیوہ ہو گئیں اور ان کے بچے یتیم ہو گئے۔ ہم اجر میں ان کے ساتھ کیسے شریک ہو سکتے ہیں؟ جابر نے جواب میں یہ حدیث نبوی ذکر کی جسے انہوں نے سرکارِ رسالت سے خود سُنا تھا کہ "جو شخص کسی قوم کے عمل کو دوست رکھے تو وہ اس عمل کے ثواب میں ان لوگوں کے ساتھ شریک ہوگا" پھر جابر نے کہا کہ میری اور میرے ساتھیوں کی وہی نیت ہے جو حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کی تھی۔ اس وقت جابر نے فرمایا کہ مجھے کوفہ والے گھروں کی طرف لے چلو۔ جب راہ کی کچھ مسافت طے ہو گئی۔ تو فرمایا اے عطیہ کیا میں تجھے کچھ وصیت نہ کروں؟ اور مجھے یہ گمان نہیں کہ اس کے بعد کسی دوسرے سفر میں تیرے ساتھ ملاقات کروں۔ پس جابر نے عطیہ کو محبانِ آلِ محمد علیہم السلام کی دوستی اور ان کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی کا حکم دیا۔ اور اس خبر شریف معتبر سے معلوم ہوتا ہے کہ جابر نے کربلا میں چند ساعت سے زیادہ قیام اور تاخیر نہیں کی۔ اور نہ ہی جابر نے کسی آدمی سے ملاقات کی۔ اس روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اہلبیت علیہم السلام کربلا میں وارد ہوئے ہوں اور انہوں

جابر سے ملاقات کی ہو۔ کیونکہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ عطیہ جابر کے ساتھ سفر زیارت کا ذکر تو کرے۔ لیکن ورود اہلبیت عصمت اور ملاقات جابر کی طرف بالکل کوئی اشارہ بھی نہ کرے۔

دوم۔ سید جلیل مذکور طاب ثراہ نے کتاب مصباح الزائر میں اعمال روز اربعین کے ذیل میں عطاء سے روایت کی ہے۔ "ظاہراً یہ شخص وہی عطیہ ہے جو خبر سابق میں مذکور ہے"۔ اس نے کہا۔ میں بیسویں صفر کو جابر کے ساتھ تھا جب ہم غاضریہ میں پہنچے۔ اس وقت اس عطا نے غسل، سعد، بیہوش کا قصہ ذکر کیا پھر جابر کے افاقہ کے بعد اس نے جابر سے وہ زیارت نقل کی ہے کہ جس کے ساتھ جابر نے آنحضرت کو سلام کیا اور وہ زیارت، زیارت آل اللہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور نیز جابر نے ایک مختصر زیارت علی بن الحسین علیہما السلام کیلئے پڑھی۔ اور نیز ایک مختصر زیارت شہداء کے لئے۔ پھر اس وقت جابر ابی الفضل علیہ السلام کی قبر کے سرہانے آئے اور زیارت کی۔ نماز بجالائے اور پھر چلے گئے۔ اور اس خبر میں بھی بالکل اس واقعہ (ورود اہلبیت علیہم السلام و ملاقات جابرؓ) کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ لہذا ہمیں اس بات میں گمان نہیں کہ کوئی صاحب عقل سلیم اس بات کو مان لے کہ حضرت سجاد علیہ السلام اس دن کربلا میں تشریف لائے ہوں۔ کیونکہ اگر آپ تشریف لاتے تو آپ سے منقول زیارت اول میں پڑھی جاتی۔ اور اس طرح نہیں ہو سکتا کہ اس چیز کی طرف کوئی اشارہ ہی نہ ہو۔ اور نہ ہی راوی آنحضرتؑ سے کوئی زیارت اور کوئی کلمہ نقل کرے۔ حالانکہ راوی حضرت جابر سے وہ زیارت نقل کرتا ہے جس پر اب تک شیعیان علیؑ بیسویں صفر کو عمل کرتے ہیں۔

پنجم یہ کہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ جو کہ بزرگان محدثین میں سے اور ارباب سیر و تواریخ کے معتمد ہیں۔ ان کی مقتل کا درجہ اعتبار کی نہایت تک پہنچا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعاظم علماء قدیم نے اس مقتل سے اور ان کی دیگر مؤلفات سے روایات کو نقل کیا ہے۔ لیکن افسوس کہ اصل مقتل جو صحیح اور بے عیب ہے وہ لوگوں کے پاس موجود نہیں۔ اور یہ مقتل جس کو لوگ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں بعض ایسے مطالب منکرہ پر مشتمل ہے جو اصول مذہب کے مخالف ہیں۔ البتہ ان مطالب کو بعض اغراض فاسدہ کی وجہ سے اعداء اور جہال نے اس کتاب میں داخل کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ کتاب حد اعتبار و اعتماد سے گر گئی ہے۔ اور اس کے منفردات پر کوئی وثوق نہیں ہے۔ اسی واسطے ہم نے اہل بیت علیہم السلام کے روز اربعین کو کربلا میں وارد ہونے کے واقعہ کو مقتل ابو مخنف کی طرف منسوب نہیں کیا ہے۔ حالانکہ اس مقتل کی یہ عبارت کتاب ملہوف کے قریب قریب ہے۔ اور عالم جلیل شیخ خلف آل عصفور نے اپنے کسی رسالہ میں جس میں "تیس مسائل کے جوابات" ہیں۔ اس مقتل کے اعظم منکرات کو اصول مذہب پر تطبیق دینے میں کافی زحمت و مشقت اٹھائی ہے۔ لیکن اس رسالہ میں تامل کرنے والے آدمی سے پوشیدہ نہیں کہ تطبیق کرنے میں سوائے تکلف کے کوئی نتیجہ نہیں۔ بہر حال ان اعصار و ازمنہ میں اس مقتل کے مختلف نسخے کمی و زیادتی کے ساتھ دیکھے گئے ہیں۔ اور وہ نسخے اس بات کے مقتضی ہیں کہ جب اہلبیت جلالت نے کوفہ سے سفر کیا تو اعداء دین ان کو تکریت، موصل، نصیبین اور حلب کے راستہ

سے شام لے گئے۔ اور یہ راستہ شاہی راستہ ہے اور غالباً آبادی اور بہت سے دیہات اور معمور شہروں کو عبور کرتے گئے ہیں۔ اور اس راستہ سے کوفہ سے لیکر شام تک تقریباً چالیس۴۰ منزلیں ہیں۔

جن ایام میں اہلبیت علیہم السلام نے اس راستہ سے سفر کیا ہے تو ان کی وجہ سے اس راستہ میں متعدد واقعات اور بعض کرامات ظاہر ہوئی ہیں۔ اور اس طرح نہیں ہو سکتا کہ وہ تمام واقعات وکرامات اور معجزات، وضاعین کی من گھڑت باتیں ہوں۔ خصوصاً ان میں سے کچھ ایسے معجزات اور کرامات ہیں جن کی وضع پر کوئی داعی اور محرک نہیں ہے۔ اور اس کے علاوہ اس اصل مطلب کی صداقت پہ اکثر کتب معتبرہ سے بہت سے ایسے شواہد پائے جاتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلبیت عصمت علیہم السلام کا سفر کرنا اسی مذکور راستہ سے تھا۔ جیسے راہب قنسرین کے دیر کا قصہ اور وہاں سید الشہداء علیہ السلام کے سر مبارک سے کرامت باہرہ کا ظاہر ہونا۔ چنانچہ ابن شہر آشوب نے اپنی مناقب میں نقل کیا ہے۔ اور قنسرین، حلب سے ایک منزل کے فاصلہ پہ واقع ہے۔ اور یہ شہر ۳۵۱ھ میں رومیوں کی غارتگری کی وجہ سے ویران ہوگیا۔ اور اس کے علاوہ یحیٰی یہودی حرانی کا واقعہ، اور اس کا سید الشہداء کے سر منور سے تلاوت قرآن کا سُننا جبکہ سر کا وہاں سے گزر ہوا۔ اور یحیٰی کا اسلام لے آنا اور اس کی شہادت۔ چنانچہ جمال الدین عطاء اللہ بن السید غیاث الدین فضل اللہ بن السید عبدالرحمٰن محدث معروف نے یہ واقعہ کتاب روضۃ الاحباب میں نقل کیا ہے۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ یحیٰی کی قبر وہاں موجود ہے۔ اور یحیٰی، یحیٰی شہید کے نام سے مشہور ہیں۔ اور اس یحیٰی کی قبر کے سرہانے دعا مستجاب ہوتی ہے۔ اور حران بلاد جزیرہ میں فرات کی شرقی جانب ایک شہر تھا۔ اور بلاد جزیرہ وہ شہر ہیں جو فرات اور دجلہ کے درمیان ہیں اور نیز حران مضافات حلب میں سے ایک قریہ بھی ہے۔ اور ان دونوں (حران شہر ہو یا قریہ) میں سے ہر ایک کا احتمال ہو سکتا ہے۔ اور نیز مؤلف روضۃ الاحباب نے ان منازل سے اکثر کا نام ذکر کیا ہے اور معجزات وکرامات کو بھی نقل کیا ہے۔ لیکن جو کچھ ان کرامات کے بارہ میں ابو مخنف نے کہا اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور عالم جلیل بصیر عماد الدین حسن بن علی طبرسی جو مؤلفاتِ رائقہ جیسے اسرار الامامۃ وغیرہ کے مؤلف ہیں۔ نے کتاب کامل السقیفہ جو کہ کامل بہائی کے نام سے مشہور ہے میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ اہلبیت علیہم السلام نے اپنے اس سفر (کوفہ سے شام) میں شہر آمد۱ موصل۲ نصیبین۳ بعلبک۴۔ میا فارقین۵ اور شیرز۶ کو عبور کیا۔ شہر آمد موصل کی طرح دجلہ کے کنارے پر واقع ہے۔ اور چہارم (بعلبک) شام سے تین منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور پنجم (میا فارقین) دیار بکر کے نزدیک ہے۔ اور دیار بکر، بلاد جزیرہ میں سے ہے اور ششم (شیرز) شہر حماۃ کے قریب حلب اور شام کے درمیان ہے۔ اور ان مقامات کے لئے کچھ قصص وحکایات اور معجزات نقل کئے گئے ہیں۔ اور شہر معرۃ میں سے سید الشہداء علیہ السلام کے سر مبارک کا گزرنا اور یہ معرۃ، حلب سے دو۲ فرسخ کے فاصلہ پہ واقع ہے۔ اور حلب کی بستیوں میں سے ہے۔ چنانچہ بعض علماء اعلام نے یہاں کے واقعات کو بھی نقل کیا ہے۔ اور اس منزل (مع

کا ذکر، اور یہ کہ وہاں کے رہنے والوں نے ابنِ زیاد کے لشکر کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ یہ تمام واقعات کتب مقاتل میں موجود ہیں۔ اور نیز، ملا حسین کاشفی نے اہلبیت علیہم السلام کے ان تمام مذکورہ منازل سے گزرنے کے وقت جو واقعات پیش آئے، کتاب روضۃ الشہداء میں نقل کئے ہیں۔ اور ان مواضع کے علاوہ اور بھی بہت سے مقامات ہیں۔ جو اس وقت پیشِ نظر نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ان کو پیش کرنا اور ان میں سے ہر ایک کو بطور استشہاد لکھنا مقصود ہے۔ بہر حال ان میں سے بعض مقامات کے حالات و واقعات نہایت اعتبار تک پہنچے ہوئے ہیں۔ بلکہ ان تمام مذکورہ مقامات کے واقعات سے منصف آدمی اطمینان حاصل کر سکتا ہے کہ اہلبیت علیہم السلام کا کوفہ سے شام تک سفر کرنا اسی راستہ سے تھا۔ اور اب تک اس چیز (اہلبیت علیہم السلام کا کوفہ سے شام تک سفر کرنا اسی راستہ سے تھا جس کے متعلق مصنف علام نے اوپر لکھا ہے) کا کوئی معارض اور اخبار، کلمات اصحاب سے کوئی خلاف میری نظر سے نہیں گزرا۔ اور جب عاقل شخص، اہلِ بیت علیہم السلام کے کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک سفر کرنے میں تامل کرے، اور اُن کے ان دونوں شہروں میں کم از کم ایام توقف کا اندازہ لگائے، اور پھر شام سے کربلا تک کے سفر میں تامل کرے تو ان تمام سفروں اور قیام کے چالیس روز کی مدت میں ختم ہونے کو ممتنعات اور محالات میں سے شمار کرے گا۔ اور جو کچھ ہم نے کہا ہے، اگر اس سے ہم چشم پوشی کریں اور فرض کر لیں کہ اہلبیت علیہم السلام کا یہ سفر بریۂ اور غربی فرات کی طرف سے تھا تو تامل صادق کے بعد اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ چیز بھی پہلی کی نظیر و شبیل ہے۔ کیونکہ خطِ مستقیم سے کوفہ سے لیکر شام تک ایک سو چھتر فرسخ ہیں۔ اور اہلبیت علیہم السلام محرم کی بارھویں تاریخ کو کوفہ میں وارد ہوئے۔ اور تیرہ محرم کو ابن زیاد مشوم نے ایک مجلس منعقد کی۔ پھر قاصد کا شام جانا اور شام سے یزید کا جواب لیکر واپس کوفہ میں آنا بھی بیس روز سے کم ایام میں نہیں ہو سکتا۔ جس طرح کہ کتاب اقبال میں سید معظم علی بن طاؤس نے کہا ہے۔ اور ابن زیاد کا یزید سے اجازت لینا اور جواب آنے کے بعد اسیرانِ کربلا کو شام بھیجنا سید نے کتاب ملہوف میں نیز ذکر کیا ہے۔ اور ابنِ اثیر نے کتاب کامل میں نقل کیا ہے۔ کہ جب حسین علیہ السلام کی آل کوفہ میں پہنچی تو ابن زیاد نے ان کو محبوس و مقید رکھا اور ایک قاصد کو یزید کی جانب روانہ کیا تاکہ اُس کو ان اسیرانِ کربلا کے متعلق خبر دے۔ اسی دن اس مجلس میں ایک پتھر گرا۔ جس کے ساتھ ایک مکتوب بندھا تھا۔ اور اس میں یہ لکھا ہوا تھا "ایک قاصد تمہارے (اسیرانِ کربلا سے خطاب ہے) معاملہ کیلئے یزید کے پاس گیا ہے۔ اور وہ قاصد فلاں دن وہاں پہنچے گا اور فلاں دن واپس آئے گا۔ پس اگر تم تکبیر کی آواز سنو تو یقین کر لینا کہ ابن زیاد تمہیں قتل کرے گا۔ اور اگر تکبیر کی آواز نہ سنو تو پھر یہ لوگ تمہیں امان دیں گے۔ پس ابھی قاصد کے واپس آنے سے دو یا تین روز باقی تھے کہ ایک دوسرا پتھر جس کے ساتھ ایک مکتوب بندھا تھا گرا۔ جس میں لکھا تھا۔ "اپنی وصیتیں کر لو کیونکہ قاصد کے یہاں پہنچنے کا زمانہ قریب آگیا ہے" پس جب قاصد واپس آیا تو معلوم ہوا کہ یزید نے حکم دیا ہے۔ کہ اسیرانِ کربلا کو اس کی طرف بھیجا جائے۔

اور جو احتمال بعض افاضل نے مزار بحار کے حواشی میں پیدا کیا ہے کہ ابن زیاد کا یزید سے اجازت لینا اور اس کے جواب کا آنا کبوتر کے توسط سے تھا کیونکہ ملوک سابق کبوتروں کی تربیت قاصد بنانے اور خط کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جانے کے لئے کیا کرتے تھے، وہ احتمال فاسد ہے۔ کیونکہ یہ کام بنی امیہ کے عصر اور بنی عباس کی حکومت کے اوائل میں متداول اور متعارف نہ تھا۔ بلکہ شہاب الدین احمد بن یحییٰ بن فضل اللہ العمری نے کتاب تعریف میں تصریح کی ہے کہ کبوتروں کی یہ قسم جس کو لوگ حمام ھدیٰ اور حمام رسائلی کہتے ہیں اصل میں شہر موصل میں ہوتی تھی۔ اور ملوک فاطمیین ان کبوتروں کے ساتھ بہت زیادہ اعتنا رکھتے تھے۔ اور اس نے محی الدین ابن عبد الظاہر کی کتاب تمائم الحمائم سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جس بادشاہ نے ان کبوتروں کو موصل سے منتقل کیا وہ نور الدین محمود ابن زنگی ہے۔ اس نے ۵۶۵ھ میں ان کبوتروں کو شہر موصل سے دیگر شہروں میں منتقل کرادیا۔

اور کتاب اقبال سے یہ بات پہلے ذکر کی گئی ہے کہ اہلبیت عصمت ایک ماہ زندان شام میں رہے اور زندان سے نکلنے کے بعد سات دن عزاداری میں مشغول رہے۔ چنانچہ کتاب کامل بہائی میں ہے۔ اور محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں کہا ہے۔ کہ یزید نے اہلبیت عصمت و طہارت کو دس روز اپنے گھر میں حفاظت سے رکھا۔ اور اس کے بعد ان کو روانہ کیا۔ اور اہلبیت علیہم السلام اپنی مراجعت میں نہایت اجلال و اکرام اور سکینہ و وقار کے ساتھ رات کو سفر کرتے تھے۔ چنانچہ کلام شیخ مفیدؒ سے یہ بات پہلے گزری ہے۔ اور دوسرے مؤرخین علماء سے بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر اہلبیت علیہم السلام اسی خطِ مستقیم پر ہر شب میں آٹھ فرسخ طے کرتے (اور کربلائے معلی میں آتے) تو ان کے اس سفر کی مدت بائیس روز ہوتی ہے۔ حالانکہ آب اور سائر مایحتاج کی قلت کی وجہ سے اس راستہ سے سفر کرنا میسر نہ تھا۔ بالخصوص وہ قافلہ جس میں مستورات اور بچے اور کمزور آدمی ہوں (معلوم ہوا کہ اہلبیت علیہم السلام شام سے واپس کربلا میں نہیں آئے۔ کیونکہ اگر خطِ مستقیم سے بھی کربلا میں آتے تو بھی بائیس روز کی مدت صرف ہوتی۔ حالانکہ اس راستہ میں قلتِ آب وغیرہ کی وجہ سے انہیں سفر کرنا میسر نہیں تھا۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ اہلبیت علیہم السلام نے شام سے کربلا کی طرف مراجعت نہیں فرمائی۔

ششم یہ کہ اگر حضرت سجاد علیہ السلام اور مردانِ بنی ہاشم کی ایک جماعت اس روز (روزِ اربعین) کربلا میں پہنچے ہوں اور جابر کے ساتھ ایک ہی دن بلکہ ایک ہی وقت میں حضرت ابی عبد اللہ علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے ہوں تو مناسب نہ تھا کہ لوگ جابر کو حضرت سید الشہداء کا اول زائر کہتے۔ حالانکہ اس چیز کو جابر کے مناقب سے شمار کیا کرتے ہیں۔ شیخ مفیدؒ نے کتاب مسار الشیعہ میں کہا ہے جس طرح کہ پہلے گزرا ہے وکان اوّل من زارہ۔ سب سے پہلے جس نے سید الشہداء علیہ السلام کی زیارت کی وہ جابر ہیں۔ اور شیخ طوسی نے

کتاب مصباح میں فرمایا ہے۔ وکان اول من زارہ من الناس۔ لوگوں میں سے جس نے سب سے پہلے سید الشہداء علیہ السلام کی زیارت کی وہ جابر ہیں۔ اور شیخ ابراہیم کفعمیؒ نے اپنی کتاب جُنّۃ کی اکتالیسویں فصل میں کہا ہے۔

وانما سمیت زیارۃ الاربعین لان وقتہا یوم العشرین من صفر وذالک لاربعین یوما من مقتل الحسین علیہ السلام وھو الیوم الذی ورد فیہ جابر بن عبد اللہ الانصاری صاحب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ من المدینۃ الی کربلا لزیارۃ الحسین علیہ السلام وھو اوّل من زارہ من الناس۔

"جو زیارت متن کتاب میں مذکور ہے" اسے زیارت اربعین اس لئے کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا وقت بیسویں صفر کو ہے۔ اور بیسویں صفر حضرت ابی عبد اللہ علیہ السلام کی شہادت سے چالیس روز گزرنے کے بعد ہے۔ اور بیسویں صفر وہ روز ہے جس میں جابر انصاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ کے صحابی جناب امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لئے مدینہ سے کربلا وارد ہوئے۔ اور لوگوں میں سے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے آپ کی زیارت کی۔

اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

زائر اوّل جناب جابر است جاں فدائی آں کہ اوّل زائر است

ہفتم یہ کہ جس شخص نے بھی کتب مقاتل کو دیکھا ہے اُس پر یہ بات مخفی نہیں کہ جب رجس پلید یزیدؔ نے ندامت ظاہر کی اور عذر چاہا اور آل رسول اللہ کو اس چیز میں اختیار دیا کہ وہ شام میں رہیں یا اپنے اصلی وطن مدینہ طیبہ میں واپس چلے جائیں۔ اور اس وقت اہل بیتؑ نے مدینہ کے عزم میں مراجعت کو اختیار کیا تو اس کے بعد شام سے باہر تشریف لے آئے تو وہاں کہیں بھی عراق اور کربلا کا ذکر نہیں آیا اور نہ ہی عراق کے راستہ پر سفر کرنے کا کہیں تذکرہ آیا ہے۔ اور جو راستہ شام سے عراق جاتا ہے وہ اس راستہ سے بالکل جدا ہو جاتا ہے جو شام سے حجاز جاتا ہے۔ اور ان دونوں راستوں میں کوئی قدر مشترک نہیں ہے۔ چنانچہ اس طرح مترددین اور مسافرین سے سنا گیا ہے۔ اور ان تینوں شہروں (شام۔ عراق۔ حجاز) کے ایک دوسرے کے ساتھ طول بلد کے اختلاف کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے۔ پس جو آدمی شام سے عراق جانا چاہے تو شام سے ہی عازم راہ عراق ہوگا اور عراق کے راستہ سے ہی سفر کرے گا (یہ نہیں ہو سکتا کہ کچھ سفر راہ حجاز سے کرے اور پھر اس راہ کو بدل کر راہ عراق پر آجائے۔ کیونکہ ان شہروں کے طول بلد میں اختلاف ہے) اور اگر اہلبیت علیہم السلام شام سے اس عزم (کربلا میں جانا) کے ساتھ رخصت ہوتے۔ چنانچہ کتاب ملہوف کی ظاہر عبارت اس طرح ہے کہ اُس خبیث (یزیدؔ) کو اطلاع دیئے اور اس سے اجازت لئے بغیر اہلبیت علیہم السلام کیلئے یہ بات (کربلا جانا) ممکن اور میسر نہ ہو سکتی تھی اور اگر اہلبیت علیہم السلام کا ارادہ کربلا میں آنے کا ہوتا تو یزیدؔ کی مجلس میں اس عزم کا ذکر آتا اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اگر اہلبیت علیہم السلام کربلا میں آنے کا عزم کرتے تو سفر عراق کو اختیار

کرنے میں تربتِ مقدسہ کی زیارت کے سوا ان کا کوئی اور مقصد نہ تھا۔ اور یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ اگر اہلبیت علیہم السلام عزمِ عراق کا اظہار کرتے بھی اور اُس سے اس بات کی اجازت چاہتے تو یزید اپنی اس بدباطنی اور فطرت کی پلیدی کی وجہ سے اس بات پر راضی ہو جاتا اور مصارفِ سفر کو دو چند کر دیتا۔ کیونکہ اس میں تو اس قدر دنائتِ طبع اور بیحیائی تھی کہ اُس نے دو سو دینار دیئے اور کہا "یہ ان چیزوں کے عوض میں ہیں جو تم سے ضائع ہوئیں"۔ بہر حال یہ ایسا استبعاد ہے (اہلبیت علیہم السلام کا شام سے کربلا میں جانا) جو اس راوی مجہول کے کلام سے وثوق کو بالمرہ لے جاتا ہے۔ جس سے کتاب ملہوف میں یہ روایت (اہلبیت کا شام سے کربلا میں آنا اور جابر سے ملاقات کرنا) نقل کی گئی ہے۔ البتہ وہ راوی اہلِ سیر و تواریخ میں سے ایک مؤرخ ہے۔ اور جب اس روایت (اہلبیت علیہم السلام کے شام سے کربلا میں آنے والی روایت) کو شواہدِ متقدمہ سے منضم کیا جائے تو اس احتمال کی اساس اور بنیاد اصل سے ہی خراب ہو جاتی ہے اور اس کے باوجود محض کلامِ مذکورہ (جو کتاب ملہوف سے سید جلیل کا کلام تحریر کیا گیا ہے جس میں اہلبیت علیہم السلام کے شام سے کربلا میں آنے اور وہاں جابر سے ملاقات کرنے کا ذکر ہے) کی وجہ سے روضہ خوانوں کا اس واقعہ کے وقوع کو جزماً اور بطورِ یقین بیان کرنا ان کی انتہائی جہالت اور جرأت کا کاشف ہے اور کاش کہ ذاکرین و روضہ خوان کتاب ملہوف یا مقتل ابی مخنف کی انہی چند سطور پر قناعت کرتے اور اس روایت کو رشیدہ درخت کی مانند قلب ویران کی شور وار زمین میں کاشت نہ کرتے۔ اور پھر اس سے بہت سی شاخ و برگ نہ اگاتے اور اس کے بعد اس سے اکاذیب کے گوناگوں میوے نہ چنتے اور خداوندِ عالم کی حجت بالغہ حضرت سجاد علیہ السلام کی زبان سے جابر کے ساتھ خیالی ملاقات کے وقت بہت سے دروغ نقل نہ کرتے۔ ان روضہ خوانوں کا یہ کلام اس حد تک پہنچا کہ انہوں نے عطیہ کوفی محدث تابعی کو جابر انصاری کا غلام مملوک مدنی بنایا کہ جابر نے اس کو اس وقت آزاد کیا۔ جب وہ جابر کے لئے ورودِ اہلبیت کا مژدہ لایا۔ ولنعم ما قیل ؎

چہ خوش گفتست سعدی در زلیخا	الا یا ایہا الساقی ادر کاسا وناولہا
سعدی نے "زلیخا" میں کیا خوب کہا ہے	اے ساقی جام شراب بھر اور مجھے دے

ما اجراہم علی الرحمٰن وعلی انتہاک حرمۃ الرسول وآلہ علیہ السلام۔ یہ لوگ (روضہ خوان) اللہ رحمٰن اور رسول کریم اور آپ کی آل کی ہتک پر کس قدر جرأت اور جسارت کرنے والے ہیں!

تنبیہہ دوم:- مخفی نہ رہے کہ ثقہ آدمی کی خبر اور نقل سے بلکہ مومن عادل کی نقل سے انتہائی بات جو سامع کے لئے پیدا ہوتی ہے وہ صدقِ خبر کا ظن یا اطمینان ہوتا ہے۔ کیونکہ اس قسم کا ناقل (ثقہ آدمی یا مومن عادل) عمداً دروغ نہیں کہتا اور اس قسم کا ناقل جن امور محسوسہ کے متعلق خبر دیتا ہے ان میں نسیان اور خطا کا احتمال بھی بعید ہے۔ بلکہ اگر اس ناقل کے بعد کوئی واسطہ نہ ہو تو احتمال مذکور کی کوئی انتفا نہیں کی جاتی۔ اور اگر اس ناقل کے بعد ایک

واسطہ یا وسائط عدیدہ ہوں بلکہ وسائط کا سلسلہ زیادہ ہو۔ اور عہدِ طولانی ہو اور عالمِ ثقہ کی کتاب سے نقل ہو۔ اور اس عالمِ ثقہ نے کسی دوسری کتاب سے روایت نقل کی ہو۔۔۔ جس طرح کہ ان اعصار سے لیکر ائمہ علیہم السلام کے عصر تک کے ناقلین اور روات وارباب سیر و تواریخ ہیں اس طبقہ کے مؤلفین ہیں۔ تو اس قسم کے ناقلین اور مؤلفین کی خبر کے ساتھ عدم اطمینان کے حسب ذیل اسباب ہو سکتے ہیں:۔

خطا و نسیان کا کثرت سے پایا جانا۔ لکھنے میں کچھ عبارت کا حذف ہو جانا۔ کاتب کا اپنی طرف سے کچھ گھٹا بڑھا دینا۔ لوگ جن مؤلفات کی طرف خبر کو منسوب کرتے ہیں اُن میں سے محولہ کتاب کا معلوم نہ ہونا۔ ناقل جس صاحب کتاب پر اپنی عدم بصیرت وخبر کی وجہ سے اطمینان رکھتا ہے اسے اس صاحب کتاب کی عدم وثاقت کا معلوم ہو جانا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اسباب ہوتے ہیں۔

لہٰذا ناقل متدین درست کار کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ جب ہی وہ کسی خبر و حکایت کو کسی ایسی کتاب میں دیکھے جس کتاب کو لوگ کسی عالم کی طرف منسوب کرتے ہوں تو اس پر قناعت کرلے۔ کیونکہ اکثر اس طرح بھی ہوتا ہے کہ وہ کتاب اس عالم نے اپنی عمر کے اوائل میں لکھی ہوتی ہے۔ اور ابھی وہ صحیح روایت کو سقیم سے اور ثقہ آدمی کو غیر ثقہ سے تمیز دینے کے مقام تک نہیں پہنچا ہوتا۔ چنانچہ گزشتہ تنبیہ (تنبیہ اوّل) میں اس چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ایسی کتاب میں روایاتِ ضعیفہ اور وہ روایات جو بے اصل و بے ماخذ اور روایاتِ ثقات کی مخالف ہوتی ہیں۔ بلکہ اخبار کا ذبہ بھی یقینی طور پر پائی جاتی ہیں جیسے کہ کتاب محرق القلوب تالیف عالم جلیل اخوند ملا مہدی نراقی جو کہ افاضل علماء دہر میں سے اور عصر کے مہدیین خمسہ[1] میں سے ایک ہیں۔ اس کے علاوہ بزرگان دین نے ان کے علم وفضل کے علو مقام کا اعتراف بھی کیا ہے۔ اور ان کی مؤلفات رشیقہ فقہ وغیرہ میں جیسے لوامع اور مشکلات العلوم وغیرہ خود اس مرام و مقصد کے شاہد صادق اور دوانی ہیں۔ اس کے باوجود اس کتاب (محرق القلوب) میں ایسے ایسے مطالب منکرہ پائے جاتے ہیں۔ کہ ناظر بصیر ایسے عالم کے اس قسم کے مطالب کو دیکھنے سے متعجب ہوتا ہے۔

مثلاً انہوں نے کسی عالم یا کتاب کی طرف نسبت دیئے بغیر روزِ عاشورا کے قضایا و واقعات میں جزمی بیان کے ساتھ لکھا ہے کہ جب سید الشہداء علیہ التحیۃ والثناء کے بعض اعوان و انصار میدانِ جنگ میں شہید ہو گئے تو ناگاہ ریگستان سے ایک کمل اور مسلح سوار ظاہر ہوا جو ایک مرکب کوہ پیکر پر سوار تھا، خودِ عادی فولاد سر پر رکھے

[1] مخفی نہ رہے کہ ایک عصر میں پانچ جلیل علماء گزرے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کا نام مہدی تھا۔ اوّل علامہ طباطبائی سید مہدی بحر العلوم طاب ثراہ۔ دوم سید جلیل میرزا مہدی شہرستانی۔ سوم عالم نبیل میرزا مہدی خراسانی شہید جد آقایان عظام شہید مقدس۔ چہارم فقیہ نبیہ ملا مہدی تبریزی۔ پنجم عامل کامل اخوند ملا مہدی نراقی۔ ۱۲ محشی۔ (محمد مرتضیٰ)

ہوئے تھا۔ سپر مدور شانے پر لٹکائے ہوئے تھا۔ تیغ یمانی جوہر دار جو کہ برق لامع کی طرح تھی حمائل کیے ہوئے تھا۔ اور نیزہ بجدو وزرہ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھا۔ اور تمام اسباب حرب کو اپنے اوپر آراستہ کیے ہوئے تھا۔ کالبرق اللامع والبدر الساطع چمکتی ہوئی بجلی اور بدر منیر کی طرح میدان کے درمیان پہنچا۔ اعدائے دین کو بھگانے اور اپنے گھوڑے کو جولان دینے کے بعد اس نے اپنا منہ سپاہ مخالف کی طرف کیا اور کہا "جو مجھے نہیں پہچانتا ہیں پہچان لے کہ میں ہاشم بن عتبہ ابن ابی وقاص پسر عم عمر سعد ہوں۔ پھر اس نے اپنا منہ امام حسین علیہ السلام کی طرف کیا اور کہا السلام علیك یا ابا عبد اللہ اگر میرا پسر عم عمر سعد آپ کے ساتھ جنگ کے لیے آیا ہے تو میں اپنی جان کو آپ پر نثار کرنے کے لیے آیا ہوں۔ تا آخر اس کے مبارزہ اور قتل ہونے کا قصہ کہ یہ تمام کا تمام یقیناً و جزماً دروغ ہے۔ کیونکہ ہاشم مشہور و معروف بہادروں میں سے تھا۔ اسی لیے تو لوگ اُسے مرقال کہتے تھے۔ اور یہ ہاشم حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے خاص ملازمان رکاب ظفر انتساب میں سے تھا۔ اور اس کی جلالت کی وجہ سے جنگ صفین میں عساکر منصورہ کا بڑا علم اور رایت عظمیٰ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اور اسی روز کہ جس میں جناب عمار یاسر اور ایک اور جماعت نے درجہ شہادت پایا۔ اور لشکر معاویہ سے ذوالکلاع معروف اور عبید اللہ پسر عمر ہلاک ہوئے تو ہاشم بھی باتفاق علمائے رجال و مؤلفین غزوہ صفین شہید ہوئے۔ اور کتاب صفین میں نصر بن مزاحم نے بروایت عدیدہ ہاشم کی کیفیت شہادت اور اس کی شجاعت، قوتِ ایمان اور دلیری کو ذکر کیا ہے۔ یہاں تک کہ نصر بن مزاحم نے ہاشم کیلئے بعض مراثی بھی ذکر کئے ہیں جو لوگوں نے ان کے لیے کہے ہیں۔ لہٰذا جو کچھ کتاب محرق اور اس سے پہلے کتاب روضۃ کاشفی میں ہے۔ اس کے کذب ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

اور اس سے زیادہ عجیب یہ بات ہے جو مؤلف محرق القلوب نے لکھی ہے کہ جب پسر سعد نے ہاشم (مرقال) کے مقابلہ کے لیے ایک ہزار سوار بھیجا تو حضرت سید الشہداء نے اپنے بھائی فضل کو اپنے انصار میں سے دس آدمیوں کے ساتھ ہاشم کی مدد کے لیے روانہ کیا الیٰ آخر قصہ مجعولہ۔ ضروری ہے کہ اس قصہ کو کتاب سے محو کیا جائے۔

سبحان اللہ! علمائے انساب اور مؤلفین حالات ائمہ علیہم السلام نے اس بات میں انتہائی رنج و تعب اور محنت و مشقت کی ہے۔ اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے فرزندان کو ذکور و اناث میں سے ضبط و شمار میں لائے ہیں اور اگر کسی نادر راوی نے جناب امیرؑ کے کسی دیگر فرزند کا نام بھی لیا ہے تو مؤلفین نے اس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ لیکن فضل نامی اب تک اس شمار میں نہیں دیکھا گیا۔ اور اس قسم کی باتیں اس کتاب (محرق القلوب) میں کم ہیں۔ بلکہ کہیں تو عبارت عربی کے ترجمہ میں اعتراض ہے (یعنی ترجمہ صحیح نہیں) جو کہ اس بات کا کاشف ہے کہ ملا مہدی نراقی کی یہ تالیف ان کے اوائل عمر میں لکھی گئی ہے۔ اور انہوں نے یہ کتاب مقاماتِ علمیہ میں داخل ہونے سے پہلے لکھی ہے۔ جیسے کہ انہوں نے کہا ہے کہ عابس کا ایک غلام تھا۔ جس کا نام شوذب تھا۔ یہاں تک کہ صاحب کتاب کہتے ہیں کہ

"غلام نے کہا اے مولا الخ" حالانکہ متن خبر یہ ہے وجاء عابس بن شبیب الشاکری ومعہ شوذب مولیٰ شاکر حالانکہ شاکر طائفہ ہمدان میں سے ایک قبیلہ ہے جو یمن میں رہتا تھا۔ اور یہ ہمدان، شاکر بن ربیعہ بن مالک کی اولاد میں سے تھا۔ اور عابس قبیلہ شاکر ہی سے تھا۔

اور لغتِ عرب میں مولیٰ کے کئی معانی ہیں۔ جو معنی جس جگہ مناسب ہو وہاں وہی مراد لیا جاتا ہے۔ لیکن جب اس لفظِ مولیٰ کو کسی طائفہ اور قبیلہ کی طرف نسبت دی جائے۔ جیسے کہ کہا جائے مولیٰ بنی اسد، مولیٰ ازد، مولیٰ ثقیف تو عام طور پر ان مندرجہ ذیل دو معنوں میں سے کوئی ایک معنی مراد ہوتا ہے۔

اوّل۔ "حلیف" یعنی ہم قسم۔ بایں طور کہ کسی طائفہ سے کوئی شخص تقویت کے لئے اور دشمنوں سے اپنی حفاظت کے لئے کسی باقوت وشوکت قبیلہ کے پاس چلا جاتا ہے۔ اور وہ اس قبیلہ کے ساتھ اس طرح ہم قسم ہوتا ہے جس طرح کہ جاہلیت اور اسلام میں قبائل عرب کے درمیان مرسوم طریقہ تھا۔ پس وہ قبیلہ شدّتِ دشمنی اور ہجوم اعادی کے وقت اس کی مدد کرتا ہے

دوّم یعنی اس طرح کہ کوئی شخص بعض اغراض جیسے وسعتِ معاش یا ناملائم حالات کی وجہ سے مثلاً اپنے قبیلہ سے ہجرت کرتا ہے اور کسی دوسرے قبیلہ میں قیام کرتا ہے اور اسی قبیلہ کی رفتار وکردار اور رسوم زندگی کے مطابق عمل کرتا ہے اور ہر قبیلہ کے موالی اکثر قواعد مرسومہ میں اپنی دو معنوں (حلیف اور نزیل) کے ساتھ اس قبیلہ کے حکم میں ہوتے ہیں۔ اور شوذب مولیٰ شاکر کا مطلب یہ ہے کہ شوذب عابس کے قبیلہ کا حلیف یا نزیل تھا۔ لہٰذا اس سفر مبارک میں وہ شوذب اس عابس کا مصاحب تھا نہ کہ وہ عابس کا غلام اور تابع تھا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ شوذب کا مقام ومرتبہ عابس سے بالاتر ہو کیونکہ شوذب کے حق میں علماء نے کہا ہے کہ وکان متقدما فی الشیعۃ اور شوذب شیعوں میں پیش پیش تھا۔ اور مثال کیلئے صرف یہی ایک مورکافی ہے۔

اور کبھی ہوتا ہے کہ مؤلف کتاب اپنی زیادتی علم، کثرتِ تجربہ، زیادتی معلومات کے اظہار کی وجہ سے اور یہ بات جتانے کے لئے کہ میرے پاس کتب کا بے انتہا ذخیرہ ہے۔ اور جس شخص نے جس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے میں نے اسے ضبط کیا ہے اور میری کتاب ہر چیز کو جامع ہے اور اس کتاب میں سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ اور اپنی اس بے پرواہی (جس کتاب میں جو کچھ دیکھا اُسے لکھ دیا) پر مترتب مفاسد عظیمہ کو ظاہر کرتا ہے۔ اور ان تمام مفاسد میں سے آسان تر مفسدہ بیگانے لوگوں کا دین وایمان سے تمسخر اور استہزاء ہے جو اس کتاب میں جمع شدہ متناقضات اور اکاذیب واضحہ کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ اور بیگانے لوگ اس کتاب میں موجود قابلِ استہزاء اخبار کی خرابی کو بطور حوالہ پیش کر کے تمام اخبار امامیہ کو بے وقعت بناتے اور ان کی خرابی پر اس چیز کو دلیل بناتے ہیں۔ چنانچہ کبھی بیگانے لوگوں کی یہ جماعت خود، ائمہ طاہرین علیہم السلام کی قبور مطہرہ کے متعلق کچھ کرامات جعل کر کے شہرت دیتے ہیں۔ پھر کچھ مدت کے بعد ان کرامات کا دروغ اور بے اصل ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ اور اس افتراء اور نشر وظہور خلاف سے عوام کالانعام کو

دکھانا مقصود ہوتا ہے کہ تمام کرامات و معاجز جو شیعہ لوگ اپنے ائمہ علیہم السلام کے متعلق نقل کرتے وہ تمام اسی جعل (خود ساختہ - بے اصل) سے ہیں۔ پس اس قسم کے مطالب واہیہ اور بے اصل و بے پایہ اخبار کو کتاب میں درج کرنا اور خود اپنے ہاتھ سے دشمن کو اپنے اوپر مسلط کرنا خلاف عقل و دیانت ہے۔

اور اسی قبیل کتاب سے آقایان برغانی قزوینی رحمہم اللہ کی تمام مؤلفات ہیں۔ لیکن ان آقایان برغانی نے اپنی بعض مؤلفات میں اس کام کو ناظر بصیر پر سہل کر دیا ہے۔ کیونکہ ان بعض مؤلفات میں روایات و حکایات کے ماخذ کو ذکر کرتے ہیں۔ لہذا اس کتاب کی معتبر روایت اور غیر معتبر معلوم اور صحیح روایت سقیم سے جدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کتاب میں جو روایتیں بے ماخذ ہیں یا آقایان برغانی جس روایت کی بے بنیادی کی زیادتی کی وجہ سے ماخذ کو ذکر کرنے سے شرم کرتے ہیں تو اس روایت کو بروایتے، ایک روایت میں، بعض نے کہا ہے۔ اور اس قسم کے الفاظ سے بیان کرتے ہیں لیکن بہتر یہ تھا کہ بالکل اس قسم کی روایت کے متعرض اور درپے نہ ہوتے۔ کیونکہ ہر ناظر، روایات و حکایات کے درمیان تمیز نہیں کر سکتا۔ اسی واسطے علمائے درست کار تمام عمر تالیف میں مشتغل رہنے اور ماخذ کو پانے یا دیکھنے کے باوجود اس قسم کی روایات سے اعراض فرماتے رہے ہیں۔

اور کبھی ہوتا ہے کہ مؤلف کتاب اپنے اخلاص کی کثرت اور فضائل اہلبیتؑ کو نشر کرنے اور سادات انام علیہم السلام کے مصائب پر رونے کے شوق کی وجہ سے صحیح روایت کو سقیم سے تمیز دینے کی قوت کے باوجود ان روایات کی طرف بالکل کوئی التفات نہیں کرتا۔ اور نہ ہی اس نے ان کے درمیان کوئی فرق رکھا ہے۔ کیونکہ اس کی غرض ان مصائب کو عظیم دکھانا اور بہت بڑا اشعار کرنا اور قلوب کو رقیق کرنا ہوتی ہے۔ پس اس طائفہ (روضہ خوان اور اس قسم کے مؤلفین) کے بعض ظرفاء کے بقول "جو روایت اس چیز (رونے رلانے) کا سبب ہو گی وہ اس قسم کے آدمی کو پسند آئے گی" بلکہ ان لوگوں نے اس کام کو اس نوبت تک پہنچا دیا کہ اخبار واہیہ اور حکایات کاذبہ کو کچھ اعتبارات ضعیفہ اور نکات سخیفہ اور استحسانات باردہ کو ذکر کر کے اپنے اعتقاد کے مطابق محکم کیا۔ اور ان اخبار واہیہ اور حکایات کاذبہ کو احادیث معتبرہ کی گنتی میں درج کر دیا۔

مجھے یاد ہے کہ جب میں کربلا معلی کا مجاور تھا اور اپنے عصر کے علامہ شیخ عبد الحسین طہرانی طاب ثراہ جو کہ تبحر علم اور فضل و اتقان میں اپنا عدیل و مثیل نہیں رکھتے تھے استفادہ کر رہا تھا تو ایک سید عرب روضہ خوان حلہ شہر سے آیا اور اس کا باپ مشہور و معروف روضہ خوانوں میں سے تھا۔ اور اس سید مذکور کے پاس اپنے باپ کی میراث سے ایک کتاب کے کچھ کہنہ اجزاء تھے۔ ان اجزاء کو شیخ استاد کی خدمت میں لایا۔ اور اس سید کی غرض یہ تھی کہ علامہ طاب ثراہ اسے اس کتاب کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کے متعلق بتائیں اور اس کتاب کے کہنہ اجزاء کا نہ اول تھا اور نہ ہی آخر۔ اور ان اجزاء کتاب کے حاشیہ پر لکھا تھا کہ "یہ کتاب فلاں شخص کی مؤلفات میں سے ہے" اور لفظ فلاں کی جگہ جبل عامل کے ایک عالم جو محقق صاحب معالم کے تلامذہ میں سے تھا، کا نام لکھا ہوا تھا۔ لہذا

جن تراجم میں جبل عامل کے اس عالم کے حالات مذکور تھے۔ شیخ استاد طاب ثراہ نے ان تراجم کی طرف مراجعہ فرمایا تو اس عالم کی مؤلفات میں بالکل کسی "مقتل" کا نام نہیں لکھا ہوا تھا۔ اور جب علامہ نے خود ان اجزاء کتاب کا مطالعہ کیا تو ان اجزاء کتاب کے کثرت سے اکاذیب واضحہ اور اخبار واہیہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ احتمال نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یہ کتاب کسی عالم کی مؤلفات میں سے ہو۔ پس علامہ نے اس سیدِ عاملِ اجزاء کو اس کتاب سے روایات کو نشر کرنے اور نقل کرنے سے منع فرمایا۔ لیکن چند روز کے بعد کسی مناسبت کی وجہ سے مرحوم فاضل دربندی اخوند ملا آقا اس کتاب پر مطلع ہوئے تو انہوں نے ان اجزاء کو سید سے لے لیا۔ چونکہ وہ کتاب اسرار الشہادۃ میں مشغول تھے تو انہوں نے ان اجزاء کی روایات کو اس کتاب اسرار الشہادۃ میں متفرقاً درج کر دیا۔ اور ان کو اس کتاب اسرار الشہادۃ کی بے شمار اخبار واہیہ اور مجعولہ پر بڑھا دیا۔ اور مخالفین کے لئے طعن و سخریہ اور استہزاء کے دروازے کھول دیئے اور ان کو ان کی یہ ہمت اس حد تک لے آئی کہ انہوں نے کوفیوں کے لشکر کی تعداد کو چھ لاکھ سوار اور ڈیڑھ کروڑ پیادہ تک پہنچایا۔ اور روضہ خوانوں کی جماعت کے واسطے ایسا وسیع میدان مہیا کر دیا کہ جس قدر بھی لوگ اپنی کیفیتِ نظر اس میدان میں دوڑائیں اس کے آخر تک نہیں پہنچا سکتے۔ اور روضہ خوان بالائے منابر بہایت قوت قلب کے ساتھ مستند ذکر کرتے ہیں کہ فاضل دربندی نے اس طرح فرمایا۔" فاضل مذکور علماءِ مبرزین اور افاضل معروفین میں سے تھے۔ اور خامس آلِ عبا علیہ آلاف التحیۃ والثناء کے ساتھ اخلاص میں بے نظیر تھے۔ لیکن ان کی یہ کتاب (اسرار الشہادۃ) علماءِ فن اور نقادینِ احادیث و سِیَر کے نزدیک بے وقعت اور بے اعتبار ہے۔ اور اس کتاب پر اعتماد کرنا کارِ ناقل (جو آدمی اس کتاب سے روایات کو نقل کرنے والا ہے) کی خرابی کا کاشف ہے۔ اور امورِ دیگر میں بھی اس ناقل کی قلتِ بصیرت کو ظاہر کرنے والا ہے۔ کیونکہ فاضل دربندی نے خود اس کتاب اسرار الشہادۃ میں اِن اجزاءِ کتاب کی روایات کے ضعف اور ان میں علاماتِ کذب و وضع کے ظاہر ہونے کے متعلق تصریح کی ہے۔ لیکن ان اجزاء کو کتاب اسرار الشہادۃ میں نقل کرنے کے واسطے ایک ایسا عذر پیش کیا ہے جو خرابی میں روایات اجزاء کے ساتھ شریک ہے۔ اور مطالب عجیبہ میں سے یہ بات ہے کہ مرحوم مذکور فاضل دربندی نے خود میرے لئے یہ روایت نقل کی ہے کہ "میں نے ایامِ سابقہ میں یہ بات سنی ہے کہ فلاں عالم نے کہا یا یہ روایت نقل کی کہ روزِ عاشورا ستر گھنٹے کا تھا۔ تو میں (فاضل دربندی) نے اس وقت اس روایت کو عجیب شمار کیا اور میں اس آدمی کی اس نقلِ روایت سے متعجب ہوا۔ لیکن اب جبکہ میں نے روزِ عاشورا کے واقعات میں تامل کیا تو میں نے یقین کر لیا کہ اس عالم کا اس روایت کو نقل کرنا راست ہے کیونکہ وہ تمام واقعات اتنے ہی وقت میں پیدا ہو سکتے ہیں۔"

یہ فاضل دربندی کے زمودہ کا حاصل ہے۔ اور فاضل دربندی نے اس کتاب اسرار الشہادۃ میں نیز اس روایت سے بھی تقویت کر دی ہے اور اس فقرہ سے ان کے سلیقہ کا اندازہ لگا لینا چاہئے۔

اور کبھی ہوتا ہے کہ مؤلف کتاب کی بنا اتقان اور کتب معتمدہ سے نقل کرنے پر ہوتی ہے لیکن عدم مہارت اور علماء دار باب سیر اور مؤرخین کے حالات سے واقفیت اور خبرہ نہ ہونے اور علماء میں سے ثقات کو غیر ثقات سے تمیز دینے کی قوت نہ رکھنے کی وجہ سے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ سیر و تواریخ کی کسی کتاب پہ اعتماد کر بیٹھتا ہے۔ اور اپنے اکثر منقولات کو نقل کرنے کا مدار اسی کتاب پر چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن وہ کتاب اہل خبرہ کے نزدیک اتنی معتبر نہیں ہوتی۔ حالانکہ اس کتاب میں بہت سے مطالب واہیہ پائے جاتے ہیں۔ لہذا اس مؤلف (جس کی بنا اتقان اور کتب معتمدہ سے نقل کرنے پر تھی) کی کتاب میں بہت سے منکرات پائے جائیں گے باوجودیکہ اس کی بنا اور دعویٰ بلکہ افتخار کے ساتھ یہ تھا کہ میں روایات کو کتب معتمدہ سے نقل کرتا ہوں۔ اور دوسرے مؤلفین پر طعن تھا یعنی دوسرے مؤلفین کتب معتمدہ سے روایات کو نقل نہیں کرتے) اور اسی مضمون کی بعض کتب مقاتل پائی جاتی ہیں۔ چونکہ ان بعض کتب مقاتل کا ذکر کرنا خالی از مفسدہ نہ تھا۔ اس لئے ہم نے ان کی طرف اشارہ نہیں کیا۔

اور ان تمام کلمات کا نتیجہ یہ ہے کہ جو روضہ خوان اچھے کام پر بنا رکھنا چاہتا ہے۔ اور اس بات کا مشتاق ہے کہ اپنے آپ کو سید الشہداء علیہ السلام کے ملازمان خاص کی لڑی میں پرو دے حالانکہ اپنے اندر کتاب معتمد کو چاہے وہ ثقہ غیر عالم کی ہو، کتاب غیر معتمد سے چاہے وہ عالم متقی کی ہو تمیز دینے کی قوت نہیں دیکھتا اور نہ ہی قوت تمیز کے مقام تک پہنچا ہوا ہے۔ تو اسے چاہئے کہ وہ اساتذہ اہل فن سے اس بات (کتاب معتمد کو کتاب غیر معتمد سے تمیز دینا) کا متلاشی ہو۔ اور ان اساتذہ کے قرائن سے تجاوز نہ کرے ورنہ وہ اغواء شیطان کی وجہ سے تازہ گوئی کی رسم جاری کر رہا ہے۔ اور ہر کتاب سے اگرچہ وہ لغویات کی بیاض ہو نقل کرتا ہے۔ اور ان کو بصورت جزم و یقین بیان کرتا ہے تو اس نے اپنے آپ کو مقامات گزشتہ میں تمام مذکورہ مفاسد کے لئے مہیا کر دیا ہے۔

شہر کرمان شاہ میں ایک شخص عالم کامل جامع فرید آقا محمد علی، صاحب مقامع وغیرہ قدس اللہ روحہ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی کہ میں خواب میں کیا دیکھا کرتا ہوں کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے بدن مبارک کا گوشت اپنے دانتوں سے کاٹتا ہوں۔ آقا محمد علی اسے نہیں پہچانتے تھے۔ آقا نے اپنا سر جھکایا اور متفکر ہوئے۔ پس اس سے فرمایا "شاید تو روضہ خوانی کیا کرتا ہے؟" اس نے عرض کی "جی ہاں۔" آقا نے فرمایا یا تو روضہ خوانی ترک کر دے۔ یا روایات کو کتب معتبرہ سے نقل کیا کر۔

تنبیہ سوم - مخفی نہ رہے کہ علماء یہود اس طرح کا اعتقاد رکھتے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ جن چالیس شب و روز میں جناب موسےٰ علیہ السلام نے بالائے کوہ طور سینا میں خداوند تبارک و تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ کیا - تو ان پر تورات کی الواح نازل ہوئیں اور ان الواح تورات میں چھ سو تیرہ احکام سے زیادہ کوئی حکم نہ لکھا تھا - اور نیز حضرت موسےٰ علیہ السلام پر قانون اور مطالب عدیدہ لساناً القا ہوئے - اور آپ کے سینہ میں ثبت ہوئے - اور لسانی قانون اور مطالب عدیدہ اس مکتوبی قانون کے لئے بطور معانی اور شرح کے تھے - اور جب حضرت موسےٰ علیہ السلام مناجات سے فارغ ہوئے اور کوہ طور سے مراجعت فرمائی تو ہارون کو خیمہ میں بلوایا - اولاً ان کو قانون مکتوب یعنی تورات کی تعلیم دی - اس کے بعد انہیں قانونِ زبانی اور روایات لسانی کی تعلیم دی - پس ہر دو قانون کے تعلم کے بعد ہارون اٹھے اور جناب موسےٰ علیہ السلام کی دائیں جانب بیٹھ گئے -

اس کے بعد ہارون کے دو بیٹے الیعازار اور اتبامار داخل ہوئے اور انہوں نے بھی اپنے باپ کی طرح ہر دو قانون کو سیکھا - اس کے بعد ہارون کا ایک بیٹا جناب موسےٰ کی بائیں جانب بیٹھ گیا اور دوسرا جناب ہارونؑ کی دائیں جانب -

اس کے بعد وہ ستر شیخ آئے جنہیں لوگ مشائخ سبعین کہتے ہیں - اور انہوں نے بھی ہر دو قانون کو یاد کیا اور خیمہ میں بیٹھ گئے -

اس کے بعد وہ لوگ آئے جو تعلم کے مشتاق تھے - اور انہوں نے اس طریق سے ہر دو قانون کو یاد کیا کہ ہارون اٹھے اور ہر دو قانون کو ان لوگوں پر پڑھا - پھر ہارون کے ہر دو بیٹے اٹھے اور انہوں نے ان ہر دو قانون کو ان لوگوں پر پڑھا - پھر مشائخ سبعین نے ان ہر دو قانون کو پڑھا - اور ان تعلم کے مشتاق لوگوں نے ان دو قانون کو چار مرتبہ سنا اور حفظ کر کے چلے گئے -

اور یہود کہتے ہیں کہ جناب موسےٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اس قانون مکتوبی کے تیرہ نسخے لکھے اور ہر فرقہ کو ایک نسخہ دیا - اور جو روایات زبانی تھیں وہ جناب موسےٰ علیہ السلام نے یوشع کو تفویض کیں - اور یوشع کا جب وقتِ وفات قریب آیا تو اس نے وہ روایات زبانی مشائخ کے سپرد کیں - اور مشائخ نے پیغمبروں تک پہنچائیں - یہاں تک کہ وہ روایات جناب ارمیا داد تک پہنچیں اور انہوں نے بارخ کو دیں - بارخ نے عزرا کے سپرد کیں اور عزرا نے شمعون صادق کو اور شمعون نے ایتینی کونس کو اور اس نے یوئی بن یحنان کو اور اس نے موسلی بن یوسیر کو اور اس نے تنہان اربلی کو اور یوشع بن برخیا کو - اور ان دونوں نے یھودا بن یحیا اور شمعون بن

ہلل کو اور اُس نے
شطاہ کو اور ان دونوں نے شمایا اور ابی طلیون کو اور ان دونوں نے
اپنے بیٹے شمعون کو اور اُس نے اپنے بیٹے کملائیل کو جو کہ جناب عیسےٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا
اور اس نے اپنے بیٹے شمعون کو اور اُس نے اپنے بیٹے کملائیل کو اور اُس نے اپنے بیٹے شمعون
کو دیں۔
کو اور اُس نے اپنے بیٹے یہوداحق دوش یعنی مقدس کو دیں۔
پس اس طولانی مدت کے بعد وہ روایات اور قانون سینہ بہ سینہ چلتے رہے۔ اور اسی یہودا
نے ان روایات وقانون کو چالیس سال کی مدت میں نہایت مشقت ومحنت کے ساتھ ایک کتاب
میں جمع کر دیا۔ اور اُس کتاب کا نام "مسنا" رکھا۔ اور یہود اس کتاب کی انتہائی تعظیم کرتے ہیں۔
اور اس بات کے معتقد ہیں کہ یہ سب کچھ خداوند عالم کی طرف سے اور واجب التسلیم ہے۔ اور یہ
کتاب یہودیوں کے درمیان درس وتدریس کی وجہ سے رائج ہو گئی۔ بلکہ یہودی کہتے ہیں کہ قانون
مکتوب یعنی تورات بمنزل آب ہے اور "مسنا" بمنزلہ شراب ہے جس میں مناسب بیج تلے ہوئے ہوں۔ اور کبھی اول (تورات)
کو نمک سے تشبیہ دیتے ہیں اور دوم (مسنا) کو فلفل سے اور مناسب بیجوں سے۔
اور یہود کے بزرگ علماء نے مسنا کی دو تفسیریں لکھی ہیں۔ ایک تفسیر تیسری صدی میں اور شلیم
یعنی بیت المقدس میں اور دوسری تفسیر چھٹی صدی کے آغاز میں شہر بابل میں۔ اور ان تفسیروں کو
"کمرا اور شلیم" اور "کمرا بابل" کہتے ہیں۔ اور کمرا بمعنی کمال ہے۔ یعنی ان تفسیروں میں سے ہر تفسیر
کمالِ تورات ہے۔ اور ان دونوں تفسیروں کے مجموع کو "کمرالان" کہتے ہیں۔ اور جب یہ تفسیریں مسنا کے
ساتھ جمع ہو جائیں تو پھر اس کو "طالموت" کہتے ہیں۔ اور ان دونوں تفسیروں میں تمیز دینے کیلئے کبھی
"طالموت اور شلیم" اور "طالموت بابل" کہتے ہیں۔ چونکہ ان دونوں تفسیروں میں سے پہلی تفسیر
مغلق تھی اور دوسری سہل تھی۔ اس لئے یہود کی رغبت دوسری تفسیر کی طرف کثرت سے ہے۔ اور
اس کی طرف اعتماد زیادہ ہے۔ اس مقام میں یہودیوں کے اعتقاد کا یہ خلاصہ ہے۔
اس ساری بات کا حاصل یہ ہے کہ شب طور میں خداوند تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جناب موسیٰ علیہ السلام
کے قلب پر بہت سے کلمات نازل ہوئے۔ یہاں تک کہ تقریباً دو ہزار سال ان کلمات کا محل ومقام صدور
انبیاء واوصیاء علیہم السلام رہے۔ اور یہ کلمات سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے چلے آئے۔ اور جب منزل آخر
میں یہوداحق دوش کے سینہ میں پہنچے تو یہودا نے ان کلمات کو اپنے سینہ سے باہر نکالا۔ اور ایک کتاب میں
جس کا نام "مسنا" تھا۔ ان کلمات کو لکھ دیا۔
اور اس تمام اعتقاد اور دعویٰ کا صدق وکذب یا اس اعتقاد ودعویٰ کے بعض کا صدق اور بعض کا

کذب ہمیں معلوم نہیں ہے۔ اور اہل بیت عصمت علیہم السلام کی طرف سے اس بارے میں کوئی چیز ہماری نظر تک نہیں پہنچی۔ ہاں صدوقؒ نے کتاب "خصال" میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ خداوند عزوجل نے کچھ راز کہے اور وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کلمے تھے جو خداوند عالم نے سہ شبانہ روز میں حضرت موسےٰ علیہ السلام سے فرمائے اور حضرت موسےٰ علیہ السلام نے کھانا اور پانی نہ کھایا اور نہ پیا۔ اور جب بنی اسرائیل کی طرف واپس آئے تو اپنے کانوں میں کلام حق تعالےٰ کی حلاوت کے جاگزین ہونے کی وجہ سے لوگوں کی باتوں سے تنگدل ہوئے۔ اور یہ خبر (جو کتاب خصال میں ہے) یہودیوں کے اصل دعویٰ کی فی الجملہ تصدیق کرتی ہے۔

بہرحال اخوان مومنین پر مخفی نہ رہے کہ ان اخبار کا ملاحظہ کرنے کی وجہ سے جو مسلمانوں کے درمیان متواتر ہیں کہ "رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ جو کچھ پہلی اُمتوں میں گذرا ہے اُس کی نظیر اس اُمت (اُمت محمدیہ) میں واقع ہوگی۔ اور علماء نے اہلبیت علیہم السلام کی اخبار میں اس اُمت (اُمت محمدیہ) کے بعض واقعات اور قصص کو گذشتہ امتوں کے واقعات پر منطبق کیا ہے۔ خصوصاً اس اُمت محمدیہ کے بعض واقعات اور قصص بنی اسرائیل کے واقعات اور قصص سے ملتے جلتے ہیں۔ تو ان اخبار متواترہ کا ملاحظہ کرنے سے بنی اسرائیل کے اس قصہ مذکورہ کی کوئی نظیر اس امت محمدیہ میں بھی ہونی چاہئے۔ یہاں تک کہ ہمارے عصر کے قریب تک یہ تطبیق نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی کسی ایسے آدمی کو ہم نے دیکھا ہے جس نے اس چیز کی طرف اشارہ کیا ہو۔ لیکن روضہ خوانوں کی جماعت نے "چشم ما روشن وروئے ما را سفید" اور اخبار نبویہ کی صداقت کو مورد مذکور میں واضح اور ہویدا کر دیا ہے۔ اور اپنے اقوال وافعال کے ساتھ اس واقعہ (حضرت موسےٰ علیہ السلام پہ قانون مکتوبی اور روایات لسانی کا نازل ہونا اور اس کا سلسلہ) کی نظیر کو اس امت میں حتی اور عیانی کر دیا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ روضہ خوان اس باب میں بہت سی روایات کو عربی زبان میں ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ زبان عربی روضہ خوانوں کی جماعت میں سے اکثر کے نزدیک صحت سند اور متن خبر کے قوی ہونے کے بہترین اسباب میں سے ہے۔ کیونکہ ان اخبار میں سے بعض نہایت فصیح وبلیغ ہیں۔ جو کہ روضہ خوانوں کی زبانوں میں دائر ہیں۔ اور روضہ خوان ان اخبار کو تمام قوتِ قلب کے ساتھ بالائے منابر پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان اخبار میں سے اکثر کے لئے ایک مخصوص راوی معین کر کے اس راوی کا نام لیتے ہیں۔ اور مجالس ماتم کو ان اخبار وحکایات کے ساتھ تازہ رونق دے کر دلوں کو رقیق بناتے اور تڑپاتے ہیں، آنکھوں کو رلاتے اور نالوں کو بلند کرتے ہیں۔ لیکن گذشتہ متطاولہ سالوں میں علماء بقدر قوت وبضاعت اور ہر ممکن ہمت

صرف کرنے کے ساتھ اس چیز کے درپے ہوئے کہ ان اخبار (جو روضہ خواں پڑھتے ہیں) کے ماخذ اور اس کتاب کو تلاش کریں جس سے روضہ خوانوں کا یہ گروہ روایات کو لیتا ہے اور ان کی اپنی بنی ہوئی ہے۔ اور اہلِ اطلاع وغیرہ اور اربابِ فن و بصیرت کی ایک جماعت اس ماخذ اور کتاب کے تلاش کرنے کے درپے ہوئی۔ لیکن اب تک اس ماخذ اور کتاب کا کوئی نشان نہ ملا۔ یہاں تک کہ مؤلفین کی اس جماعت کی کتب میں بھی جو اس مقام میں اخبار ضعیفہ کو نقل کرنے میں نہایت چشم پوشی سے کام لیتے ہیں (نہایت مسامحہ کرنے والے مؤلفین کی کتب میں بھی وہ بعض روایات نہ ملیں جو روضہ خوان حضرات پڑھتے ہیں) اور روضہ خوانوں کی جماعت سے ان روایات کے ماخذ کے متعلق مکرر سوال ہوا تو کبھی تو انہوں نے بعض علماء جیسے سید جزائری اور اس قسم کے دوسرے مؤلفین جو اس (نقل روایات) میں تسامح کرنے والوں کی صنف سے ہیں، کی کتاب کا حوالہ دے دیا۔ لیکن عمر طویل صرف کرنے اور بہت مشقت اٹھانے کے باوجود کہ کہیں سے وہ کتاب مل جائے جس کا حوالہ روضہ خوان پیش کرتے ہیں۔ لیکن معلوم ہوا کہ حوالہ بے محل (غلط) تھا۔ اور کبھی روضہ خوانوں نے ایسی کتاب کا حوالہ دے دیا جس کتاب کا ذکر اہلِ فن نے نہیں کیا۔ اور کبھی ایسے عالم جلیل کی مقتل کا حوالہ دے دیا کہ کسی نے بھی اس عالم کی مؤلفات میں کسی مقتل کا نام ہی ذکر نہیں کیا اور کبھی ایسے شہروں کا حوالہ دے دیا جیسے بحرین و قطیف اور احسا کہ جن سے راہ تفحص ہی مسدود ہے۔ اور اس قسم کے اور ان جیسے رکیک اعذار پیش کرتے ہیں اور اس راز کو اجانب سے مخفی رکھتے ہیں اور چونکہ یہ تمام جماعت (روضہ خوانوں کی جماعت) معتبر لوگوں کی گنتی میں شمار ہے۔ اور ان کی بنا عمداً دروغ کہنے سے اجتناب و احتراز پر یقینی اور جزمی ہے۔ (روضہ خوانوں کی اس جماعت سے مراد روضہ خوان علماء ہیں۔ ورنہ آج کل کے اکثر ذاکرین عمداً دروغ کہنے کی کوئی پرواہ ہی نہیں کرتے بلکہ جس طرح موقع پاتے ہیں مقتضائے حال کے مطابق روایت سازی کر لیتے ہیں۔ انہیں تو عمداً دروغ کہنے کا کوئی خوف نہیں۔ بلکہ ان کا مقصد فضائل اہلبیت علیہم السلام پر مومنین کو خوش کرنا اور ان کے مصائب پر انہیں رلانا ہے۔ چاہے یہ مقصد عمداً دروغ کہنے کے ساتھ ہی کیوں نہ حاصل ہو جائے بلکہ ہم نے ایک ذاکر صاحب کے متعلق سنا ہے کہ اس نے کہا کہ ایک دفعہ میں مجلس پڑھ رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ اب ایسا موقع ہے تو وہاں میں نے اپنی طرف سے یہ بات کہدی۔ مترجم) پس بمقتضائے اخوت مسلمانی ان روضہ خوانوں کے کام کو صحت پر محمول کرنے کی وجہ سے ناچار چاہیے کہ معاذاللہ اس سلسلہ کو جو بنی اسرائیل میں تھا اور ہے، اس جگہ لائیں اور کہیں کہ روضہ خوانوں کی یہ روایات دست بدست اور سینہ بہ سینہ اس جماعت کے سلسلہ میں ان طبقات کے ساتھ پہنچی ہیں اور ان اعصار میں جو ہمارے عصر کے قریب ہیں اور اس زمانہ میں ان روایات میں سے تھوڑی تھوڑی جمع ہو گئیں۔ کبھی تو کسی کتاب میں بقول بعض روضہ خواں "والد مرحوم کے مجموعہ میں" اور کبھی استاد

سنغور کی کسی بڑی بیاض میں اور کبھی فاضل کذائی کی منقل میں۔ اور کبھی اس قسم کی کتاب کا کوئی تازہ نام رکھا جاتا ہے۔ اور کبھی اس مجموعہ سے اختلاف ترتیب کے ساتھ کسی دوسرے مجموعہ میں اور تعدد ماخذ کی وجہ سے خبر قوت پکڑ جاتی ہے۔ اور جب یہ روایات کسی ایک کتاب میں جمع ہو جائیں گی تو وہ کتاب اس امتِ محمدیہ کا مسنا ہو جائے گی۔ لیکن مسنا یہود ایک معین معہود کتاب ہے جو کہ اپنی دو تفسیروں کے دیکھنے کے بعد زیادتی اور نقصان سے مصئون و محروس ہے۔ لیکن اس امتِ محمدیہ کی مسنا کی روایت قوت و یہ نباتیہ رکھنے والی ہے۔ کیونکہ جب روضہ خوان اس روایت کو ایک مجموعہ سے دوسرے مجموعہ میں نقل کرتے ہیں تو فوراً وہ روایت نمو کرتی۔ بابرکت ہوتی ہے۔ اور اس کے واسطے تازہ شاخ و برگ طراوت اور نضارت کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ اور جب وہ روایت، منزل سے منابر تک پہنچتی ہے اور اس کے نقل کرنے کا موسم آپہنچا ہے تو اس روایت میں قوتِ حیوانیہ ظاہر ہو جاتی ہے اور وہ اپنے اوپر پر و بال پیدا کر لیتی ہے۔ کیونکہ طیرِ خیال ہر لحظہ جہاتِ مختلفہ میں پرواز کرتا ہے اور ہم نے بطور مثال ان روایات میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بایں طور کہ ہم نے ان روایات میں سے مختصر کو ذکر کیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایسی کون کون سی خبریں اور روایتیں ہیں۔ کیونکہ اس قسم کی تمام اخبار و روایات کو نقل کرنا وضع رسالہ (اس کتاب) کے مناسب نہیں ہے۔

اول:- روضہ خوان حضرات، حبیب بن عمرو سے نقل کرتے ہیں کہ وہ امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جبکہ آپ کے فرقِ مبارک پر ضربت لگی اور قبائل کے اشراف و رؤساء اور شرطۃ الخمیس آپ کے محضرِ انور میں موجود تھے۔ حبیب کہتا ہے۔

وما منھم احد الا ودمع عینیہ یترقرق علٰی سوادھا حزناً علی امیر المؤمنین علیہ السلام۔

اور کوئی بھی ان میں سے نہ تھا مگر اس کی دونوں آنکھیں امیر المؤمنین علیہ السلام پر حزن و غم کی وجہ سے آنسوؤں سے ڈبڈبا رہی تھیں

اور میں نے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے فرزندوں کو دیکھا کہ وہ سب اپنے سروں کو نیچے جھکائے ہوئے تھے۔

وما تنفس منھم متنفس الا وظننت ان شظایا قلبہ تخرج من انفاسہ۔

ان میں سے کوئی لمبی سانس بھرنے والا لمبی سانس نہیں بھرتا تھا مگر میں یہ گمان کرتا کہ اس کے دل کے ٹکڑے اس کی لمبی سانسوں سے نکل رہے ہیں

حبیب کہتا ہے کہ ان لوگوں نے اطبّاء کو جمع کیا اور اثیر بن عمرو نے گوسفند کے پھیپھڑے کو پھونکا اور اس کو اس زخم میں داخل کیا پھر باہر نکالا اور دیکھا کہ وہ پھیپھڑا مغزِ سر کے ساتھ آلودہ ہے۔ حاضرین نے اس سے پوچھا فخرس وتلجلج لسانہ۔ وہ گنگ ہو گیا اور اس کی زبان میں لکنت پیدا ہو گئی۔ تو لوگ سمجھ گئے اور حضرت کی طرف سے مایوس ہو گئے۔ پس لوگوں نے اپنے سروں کو جھکا لیا اور آہستہ آہستہ رونے لگے کہ کہیں مستورات ہماری آوازِ گریہ نہ سن لیں۔ مگر اصبغ بن نباتہ کو تابِ ضبط نہ رہی اور اپنے آپ پر قابو پانے کی طاقت نہ رکھ سکا۔ ودن ان شرق بعبرتہ مگر اس کو اپنے آنسوؤں کے ساتھ اچھو آگیا۔

پس جناب امیر علیہ السلام نے آنکھ کھولی اور کچھ کلمات کے بعد حبیب کہتا ہے میں نے عرض کی۔

یا ابا الحسن لا یہولنك ماتری وان جرحك
غیر ضائر فان البرد لا یزیل الجبل الاصم و
لفحۃ الھجر لا تجفف البحیر الخضم والصل
یقوی اذا ارتعش واللیث یضری اذا احلش

اس کے بعد حضرت نے جواب دیا۔ اور جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا نے سُنا۔ تو روئیں۔ حضرت نے ان کو بلوایا۔ سلام اللہ علیہا بی بی اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور نقل روایت کا ظاہر اس طرح ہے۔ کہ اس تمام جماعت کی موجودگی میں عالیہ بی بی آئیں اور بی بی نے عرض کی۔

انت شمس الطالبین وقمرا لھا شمین وساس
کتیبھا المترصد دارقم اجتھا المتفقل عونا
اذا شاھت الوجوہ ذلا وجعنا اذقل لموکب
الکثیر قلا (اس سجع و مقفی خبر کے آخر تک)

کہ اس خبر کے سننے سے نفس محظوظ ہوتا ہے۔ لیکن صد افسوس کہ یہ خبر کوئی اصل نہیں رکھتی۔ اور شریف ثقہ جلیل عاصم بن حمید کی روایت، حبیب بن عمرو کی خبر اور جراح (اثیر بن عمرو) کے آنے پر مشتمل ہے۔ اور ان کلمات میں سے اس میں کوئی چیز نہیں۔

دوم۔ خبر طولانی جو کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے مدینہ طیبہ سے نکلنے کی کیفیت میں ہے۔ اور جو کہ روضہ خوانوں کی اس جماعت میں دائر ہے۔ اور فاضل دربندی نے اس کو اپنی کتاب اسرار الشہادت میں اپنے بعض شاگردوں سے روایت کیا ہے۔ کہ اس شاگرد نے اس روایت کو کسی مجموعہ میں دیکھا۔ جس کو لوگ بعض روضہ خوانوں کی طرف نسبت دیتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن سنان کوفی سے روایت کی گئی ہے۔ اور اس نے اپنے پدر سے اور اس نے اپنے جد سے کہ وہ اہل کوفہ کا قاصد تھا۔ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط لے آیا۔ اور اس نے حضرت سے اس خط کا جواب چاہا۔ تو حضرت نے تین روز کی مہلت مانگی اور تیسرے دن عازم سفر ہوئے۔ اس (قاصد) اہل کوفہ نے دل میں کہا۔ کہ جا کر بادشاہ حجاز کی جلالت شان تو دیکھوں۔ کہ وہ کس طرح سوار ہوتے ہیں۔ آیا تو دیکھا کہ حضرت سید الشہداء کرسی پر بیٹھے ہیں، بنی ہاشم آپ کے اردگرد ہیں۔ اور لوگ کھڑے ہیں۔ گھوڑوں پر زینیں کسی ہوئی ہیں۔ اور چالیس محمل جو کہ سب حریر و دیبا کے ساتھ ڈھانپے ہوئے حاضر ہیں۔ اس کے بعد اس (قاصد) نے سواری کی کیفیت کو عجیب شرح کے ساتھ نقل کیا ہے۔ کہ جس کی ہر سطر چند دروغ پر مشتمل ہے۔ اور یہ شخص (قاصد) گیارہ محرم کی عصر تک اہل بیت علیہم السلام کے ہمراہ تھا۔ کہ ابن سعد نے حکم دیا۔ تو اس کی تعمیل میں اشقیاء نے اسیروں کے سوار ہونے کے لئے شتران بے کجاوہ کو حاضر کیا۔ اور

۵ پائی جاتی۔ اور اسی طرح ابوالفرج نے کتاب مقاتل الطالبین میں اثیر بن عمرو کے معالجہ کو ذکر کیا ہے لیکن اس میں یہ شرح اور حاشی نہیں ہیں۔

اس مقام میں بھی اس نے اس روایت کو تازہ شرح دی ہے۔ پس اس وقت اس کو اہل بیت علیہم السلام کا اس روز مدینہ طیبہ سے اس جلالت و عظمت کے ساتھ سوار ہونا یاد آگیا۔ پس وہ قاصد رو دیا۔ تا آخر خبر کہ انسان اس روایت کے جعل کرنے کی کیفیت سے متعجب ہوتا ہے۔ اور اس سے زیادہ عجیب یہ بات ہے۔ کہ آقا دربندی جیسے فاضل نے اس روایت کو اپنی کتاب میں ضبط کیا۔ حالانکہ انہوں نے دیکھا ہے۔ کہ ارشاد مفید علیہ الرحمۃ میں مروی ہے۔ کہ جب حضرت سید الشہداءؑ علیہ السلام نے مدینہ سے نکلنا چاہا۔ تو آپ نے اس آیۃ کو پڑھا۔ فخرج منها خائفاً يترقب قال رب نجني من القوم الظلمين پ۲۰ ع۶ اور جب مکہ معظمہ میں وارد ہوئے تو اس آیۃ کو تلاوت فرمایا۔ ولما توجه تلقاء مدين قال عسى ربي ان يهدني سواء السبيل پ۲۰ ع۶ اور سیرت اور وضع قطع جو کہ اس بے اصل خبر میں مذکور ہے۔ وہ جابروں اور بادشاہوں کی وضع قطع ہے۔ جو کہ سیرت امامت کے ساتھ انتہائی مبائنت رکھتی ہے۔

سوئم۔ خبر طولانی جو کہ اس جماعت (روضہ خوان حضرات) کی زبان ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ شب عاشور جناب زینب سلام اللہ علیہا ہم و غم اور اعداء سے خوف کی وجہ سے اپنے اقربا اور انصار کے حال کو معلوم کرنے کے لئے خیام کے درمیان پھر رہی تھیں۔ کیا دیکھتی ہیں۔ کہ حبیب بن مظاہر نے اصحاب کو اپنے خیمہ میں جمع کیا ہوا ہے۔ اور ان سے عہد لے رہے ہیں۔ کہ کل اپنے سے پہلے بنی ہاشم میں کسی کو میدان میں نہ جانے دینا۔ اور حبیب بن مظاہر اصحاب سے طولانی شرح کے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں۔ پس وہ مخدرہ مسرور ہو کر خیمہ ابی الفضل علیہ السلام کی پشت کے پاس آئیں کیا دیکھتی ہیں۔ کہ ابی الفضل علیہ السلام نے بھی بنی ہاشم کو جمع کیا ہوا ہے۔ اور اسی قسم کا ان سے عہد لے رہے ہیں۔ کہ اپنے سے پہلے انصار میں سے کسی کو میدان میں نہ جانے دینا۔ پس وہ مخدرہ مسرور ہو کر حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی خدمت میں پہنچیں اور تبسم فرمایا۔ حضرتؑ نے ان کے تبسم سے تعجب کیا۔ اور سبب پوچھا۔ مخدرہ نے جو کچھ دیکھا تھا عرض کیا۔ تا آخر خبر کہ اس خبر کے بنانے والے کو اس فن میں پوری مہارت تھی۔

چہارم۔ روضہ خوان سوز و گداز کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ کہ روز عاشورا اہل بیت اور اصحاب کی شہادت کے بعد حضرت سید الشہداء علیہ السلام امام زین العابدین علیہ السلام کے سرہانے تشریف لائے۔ پس جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے پدر بزرگوار سے جناب کے اعداء کے ساتھ معاملہ کا حال پوچھا تو حضرت نے انہیں خبر دی کہ حالت جنگ تک پہنچ چکی ہے۔ پس جناب سجاد علیہ السلام نے اصحاب کی ایک جماعت کا نام لیا۔ اور ان کا حال پوچھا۔ تو حضرت نے جواب میں فرمایا۔ قُتِل قُتِل یہاں تک کہ امام زین العابدین علیہ السلام بنی ہاشم کا حال پوچھنے لگے۔ اور جناب علی اکبر اور ابی الفضل کا حال پوچھا۔ تو حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے وہی جواب (قُتِل) دیا۔ اور فرمایا جان لو کہ خیام میں تیرے اور تمہارے سوا کوئی مرد باقی نہیں رہا یا اس قصہ کا خلاصہ ہے۔ اور یہ قصہ بہت سے حواشی رکھتا ہے۔ اور یہ واقعہ صراحتاً دلالت کرتا ہے۔ کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو جنگ کی ابتداء سے لے کر اپنے پدر بزرگوار کے میدان میں جانے کے وقت

تک ۔ اقربا و انصار اور میدان جنگ کے حالات کی بالکل کوئی خبر نہیں تھی۔

پنجم ۔ خبر عجیب جو کہ حضرت سید الشہداء کے میدان میں جانے کے عزم کے وقت سواری کے گھوڑے کو طلب کرنے کو متضمن ہے۔ اور جس وقت کہ کوئی آدمی نہ تھا جو گھوڑے کو حاضر کرتا۔ پس مخدرہ زینب سلام اللہ علیہا گئیں اور گھوڑے کو لائیں۔ اور حضرت سید الشہداء علیہ السلام کو سوار کیا۔ اور عجیب تعداد مناجاتی اور بہن کے درمیان بہت سے مکالمات ذکر کئے جاتے ہیں۔ اور اس روایت کے مضامین عربی اور فارسی کے اشعار کے ضمن میں بھی آئے ہیں۔ اور روضہ خوان مجالس کو اس روایت کے ساتھ بارونق بناتے اور حاضرین سے آہ و فغاں کراتے ہیں۔ اور واقعی یہ رونے کا مقام ہے۔ لیکن نہ اس مصیبت پر جو مصیبت اس روایت میں مذکور ہے کہ جس کی کوئی اصل ہی نہیں۔ بلکہ اس قسم کے واضح دروغ کے جعل کرنے اور امام علیہ السلام پر افتراء باندھنے پر رونا چاہئے۔ اور جو لوگ اس روایت کے پڑھنے سے منع کرنے پر متمکن ہیں۔ ان کے منع نہ کرنے پر رونا چاہئے۔ یا تو ایسے لوگ جو اس روایت کے پڑھنے سے روکنے پر قادر ہیں عدم علم و اطلاع کی وجہ سے نہیں روکتے۔ یا یہ سمجھتے ہیں کہ بعض حالات میں اس روایت کے پڑھنے سے کوئی نقص نہیں ہے۔ اور ضعیف الحالی آدمی تو اس بات پر متمکن ہی نہیں۔ کہ اس روایت کے بیان کرنے والے بے انصاف کذاب سے کہے۔ کہ اے خداوند جبار پر جرأت و جسارت کرنے والے یہ روایت تو مقاتل معتمدہ میں موجود نہیں ہے کیونکہ صبح عاشور کے اول میں صفوف لشکر کے آراستہ ہونے کے بعد حضرت سید الشہداء علیہ التحیۃ والثناء ایک شتر پر سوار ہوئے۔ اور آپ نے اتمام حجت کے لئے ایک خطبہ بلیغہ کو پڑھا۔ اس کے بعد اونٹ سے اترے اور ایک خاص گھوڑے کو طلب کیا۔ اور اس پر سوار ہوئے جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنے اور اپنے اوصیاء کی سواری کے لئے خریدا تھا۔ اور اس کو مرتجز کہتے تھے۔ جو کہ السنۃ عوام میں ذوالجناح کے نام سے مشہور ہوا۔ اور جناب سید الشہداء علیہ السلام کسی وقت بعض حوائج کے لئے اس گھوڑے سے اترتے تھے جیسے کسی شہید کے سرہانے بیٹھنا یا کسی شہید کی لاش کو اٹھانا یا نماز ادا کرنا یا لباس کی تبدیلی یا کسی کو وداع کرنا اور پھر دوبارہ اسی گھوڑے پر سوار ہو جاتے تھے۔ لیکن روضہ خوان حضرات جواب میں کہتے ہیں۔ اور اس بات میں کوئی حرج نہیں جانتے۔ کہ وہ گھوڑا حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی آخری وداع میں فرار کر گیا۔ اور اس وقت کوئی شخص نہ تھا جو اس کو لاتا۔ اور اس بات کا بھی جواب دیا جا سکتا ہے۔ کہ بروایت معتبر جناب امام حسین علیہ السلام جناب ابی الفضل کے ساتھ اکٹھے میدان میں گئے۔ اور شیخ مفید نے کتاب ارشاد میں مقاتلہ سید الشہداء علیہ آلاف التحیۃ والثناء کی شرح میں "قضیہ مالک بن النسیر" اور شہادت عبداللہ بن الحسین علیہ السلام اور آپ کے بدن مبارک میں بہت سے زخموں کے لگنے کے بعد روایت کی ہے۔ کہ جناب کے ساتھ آپ کے اہل میں سے تین یا چار آدمی تھے۔ جو دشمنوں کو آپ سے دفع کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ آدمی بھی شہید ہو گئے۔ الخ۔ اور بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ آپ کے غلاموں یا محبتوں میں سے تھے۔

ششم۔ روضہ خوان مغموم کرنے والی عبارات کے ساتھ حزن واندوہ کے اظہار کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ کہ جناب زینب علیہا السلام حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی قتلگاہ میں حضرت کے سرہانے آئیں۔

ورأته يجود بنفسه رمت بنفسها عليه وهي تقول انت اخي انت رجانا انت كهفنا انت عمادنا الخ اور اسی روایت کے آخری حصہ کی کچھ مقدار اقسام دروغ میں گزری ہے۔

عالیہ بی بی نے دیکھا کہ حضور کا آخری وقت ہے۔ اور بی بی نے اپنے آپ کو حضور پر گرا دیا۔ درحالانکہ کہتی تھیں۔ ہائے میرے بھائی۔ ہائے ہماری امید کے سہارے ہائے ہمارے ملجا ہائے ہماری حفاظت کا مقام۔

ہفتم۔ خبر لطیف اور سبکی ہے۔ لیکن مقدار کے ساتھ جو دروغ کو ساتھ کچھ زیادہ موکد کر دیتے ہیں۔ روضہ خوان حضرات اس خبر کی سند کو بے چارے ابوحمزہ ثمالی تک منتہی کرتے ہیں۔ ایک دن ابوحمزہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے گھر میں آیا۔ اور اس نے دق الباب کیا۔ ایک کنیز باہر آئی۔ جب اسے پتہ چلا کہ ابوحمزہ ہے۔ تو اس کنیز نے خدا کی حمد کی۔ کہ اللہ نے اس کو ادھر بھیجا ہے۔ کہ وہ حضرت کو تسلی دے گا۔ جبکہ آج دو مرتبہ آپ پر غشی طاری ہوئی ہے۔ پس ابوحمزہ داخل ہوا۔ اور اس نے حضرت کو ان الفاظ کے ساتھ تسلی دی۔ کہ "اس خاندان میں شہادت، عادت اور موروثی ہے۔ آپ کے جد اور عم، پدر، برادر تمام شہید ہوئے" تو آپ نے جواب میں اس کی تصدیق فرمائی۔ اور فرمایا لیکن اسیری اس خانوادہ میں موروثی نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کی اسیری کے کچھ حالات بیان کئے۔ اگر اس خبر کی کوئی اصل ہوتی۔ تو یہ خبر مجالس مصیبت کے لئے بہت بافائدہ تھی۔

ہشتم۔ ایک خبر ہے۔ جو پہلی خبر سے زیادہ سوزناک ہے۔ جسے استاد فن کے سوا اس ترتیب کے ساتھ بنانے کی کوئی طاقت نہیں رکھتا۔ اور روضہ خوان حضرات نے اس روایت کی سند ہشام بن الحکم مظلوم تک پہنچائی ہے۔ اور اس روایت کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ہشام نے کہا کہ جس زمانہ میں حضرت صادق علیہ السلام بغداد میں تھے۔ تو میں نے حسب الامر ہر روز آپ کی خدمت عالیہ میں رہنا اپنے اوپر لازم کیا ہوا تھا۔ تو مجھے حضور کے کسی شیعہ نے مجلس عزا میں شرکت کی دعوت دی۔ تو میں نے عذر پیش کیا۔ کیونکہ مجھے حضور کی خدمت اقدس میں حاضر رہنا ہے۔ اس نے کہا۔ امام علیہ السلام سے اجازت لے لے۔ میں نے کہا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں آپ کے حضور میں اس مطلب کا نام بھی لوں۔ کیونکہ حضور ضبط نہیں کر سکیں گے۔ اس نے کہا۔ بغیر اجازت کے آجائیے۔ میں نے کہا دوسرے دن جو میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوں گا۔ تو آپ مجھ سے پوچھیں گے۔ (کل کہاں گئے تھے) تو میں کیا جواب دوں گا۔ ہشام کہتا ہے۔ آخر کار وہ مجھے لے گیا۔ اس کے بعد (دوسرے دن) میں حضرت کی زیارت سے مشرف ہوا۔ تو آپ نے مجھ سے پوچھا۔ حضرت کے تکرار کے بعد میں نے عرض کر دی۔ (یعنی میں مجلس عزا میں گیا تھا) تو آپ نے فرمایا۔ کیا تیرا گمان ہے کہ میں وہاں نہیں تھا۔ یا میں ایسی مجالس میں حاضر نہیں ہوتا ہوں۔ تو میں نے عرض کی جناب میں نے آپ کو وہاں نہیں دیکھا۔ فرمایا جس وقت تو حجرہ سے نکلا تھا۔ تو تو نے مقام کفش کے ساتھ کوئی چیز نہیں دیکھی تھی۔ ہشام نے عرض کی۔ ایک کپڑا وہاں پڑا تھا۔ فرمایا میں تھا۔ میں نے عبا کو اپنے سر پر ڈالا ہوا تھا۔ اور اپنا منہ زمین

کی طرف جھکایا ہوا تھا۔ چونکہ مجھے (صاحب کتاب) یہ روایت اچھی طرح یاد نہیں۔ اس لئے ہو سکتا ہے۔ کہ میں نے اس میں تحریف کی ہو۔ یہ خبر مفصل ہے۔ اور بہت ہی گریہ لانے والی ہے۔ کاش کہ کوئی اصل رکھتی ہوتی۔ اور اس میں صدق کا احتمال ہو سکتا ہوتا۔ اور بہتر یہ ہے۔ کہ ہم روایات موضوعہ مجعولہ کی اسی مقدار پر اکتفا کریں اور اس تتمہ (ضمیمہ) کو ایک عجیب خواب کے ذکر کے ساتھ ختم کریں۔ جو کہ روضہ خوان حضرات کے لئے ایک بلیغ موعظہ اور نافع نصیحت ہے۔ اور اس خواب کی صورت یہ ہے۔ چنانچہ ہم نے (صاحب کتاب) اس کو کتاب دار السلام میں نقل کیا ہے۔ کہ ایک فاضل سید جو کہ معتبر روضہ خوانوں میں سے تھا۔ اس نے ایک شب کو خواب میں دیکھا کہ گویا قیامت برپا ہو گئی ہے۔ اور مخلوق خدا نہایت وحشت و حیرت میں ہے۔ اور ہر شخص اپنی ہی حالت میں مشغول ہے۔ اور ملائکہ ان کو حساب کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اور ہر آدمی کے ساتھ دو دو موکل فرشتے ہیں۔ اور جب میں نے اس پریشان کن حالت کو دیکھا۔ تو میں اپنے کام کی عاقبت کے اندیشہ میں پڑ گیا۔ کہ اس امر عظیم کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اس وقت اس جماعت (موکلین ملائکہ) سے دو نفر نے مجھے محضر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ چونکہ انجام کار خطرناک تھا۔ میں نے اس حکم کی بجا آوری میں مسامحہ کیا۔ تو وہ مجھے قہراً و جبراً کھینچ لے گئے ایک موکل فرشتہ میرے سامنے تھا۔ اور دوسرا میرے پیچھے اور میں ان دونوں کے درمیان خائف اور ہراساں چلا جا رہا تھا۔ کہ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک بہت بڑی عماری ہے۔ جو کہ ایک جماعت کے دوش پر ہے۔ جو کہ میری دائیں جانب سے چلی جا رہی ہے۔ مجھے الہام الٰہی سے پتہ چلا کہ اس عماری میں سیدۂ زنانِ عالم صلوٰۃ اللہ علیہا ہیں۔ اور جب میں اس عماری کے قریب پہنچا۔ تو میں نے فرصت کو غنیمت کو سمجھ کر دونوں موکل فرشتوں سے فرار کیا۔ اور میں نے اپنے آپ کو اس عماری کے نیچے پہنچا دیا پس میں نے اس عماری کو محکم قلعہ اور محفوظ مقام پایا۔ کیونکہ مجھ سے پہلے گناہگاروں کی ایک جماعت نے وہاں پناہ لی ہوئی تھی۔ اور میں نے موکلین فرشتوں کو دیکھا۔ کہ عماری سے دور دور جا رہے تھے۔ اور عماری کے نزدیک آنے کی ان میں طاقت نہ تھی۔ اور اس اندازہ کے مطابق وہ عماری سے دور ہمارے ساتھ چلے آ رہے تھے۔ اور ان فرشتوں نے اشارہ کے ساتھ ہم سے التماس کیا۔ کہ ہم واپس آ جائیں۔ لیکن ہم نے ان کی بات کو قبول نہ کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اشارہ سے ہمیں تہدید کی۔ چونکہ ہم نے اپنی پناہ گاہ کو محکم پایا تھا اس لئے ہم انہیں تہدید کرتے تھے۔ اور مضبوط دل کے ساتھ ہم چلے جا رہے تھے۔ کہ اچانک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی جانب سے ایک قاصد پہنچا اور اس قاصد نے اس معظمہؑ سے جناب رسالتمآب کی طرف سے کہا کہ امت کے گنہگاروں کی ایک جماعت نے آپ کی پناہ لی ہے۔ آپ انہیں روانہ کریں۔ کہ ہم ان کا حساب لیں۔ پس اس مخدرہؑ نے اشارہ فرمایا۔ اور موکل فرشتے ہر طرف سے پہنچ گئے۔ اور ہمیں موقف حساب میں کھینچ کر لے گئے۔ تو ہم نے وہاں ایک بہت بلند منبر دیکھا۔ جس کے بہت سے زینے تھے۔ اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ اس منبر پر تشریف فرما تھے۔ اور امیر المومنین علیہ السلام اس کے پہلے زینہ پر کھڑے خلائق کا حساب لینے میں مشغول تھے۔ اور خلائق نے

آنحضرتؐ کے سامنے صف باندھی ہوئی تھی۔ جب حساب کی باری مجھ پر آئی۔ تو آپ نے مجھے مخاطب کیا۔ اور بطور سرزنش و توبیخ مجھ سے فرمایا۔ کہ تو نے میرے فرزند حسینؑ کی توہین و ذلت میں مضامین کیوں پڑھے؟ اور تو نے حسینؑ کی طرف ذلت اور توہین کو کیوں منسوب کیا؟ پس میں اپنے جواب میں متحیر ہوا۔ اور اس کے سوا میں نے وہاں کوئی چارہ نہ دیکھا۔ پس میں نے انکار کیا۔ کہ میں نے ایسے مضامین نہیں پڑھے پس نے دیکھا کہ میرا زکو دردیں پہنچا ہے گویا لوہے کی میخ اس میں گڑ گئی ہے۔

تو میں ملتفت ہوا کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک مرد ہے۔ جس کے ہاتھ میں نامۂ اعمال ہے وہ اس نے مجھے دے دیا۔ میں نے اس کو کھولا۔ تو دیکھا۔ کہ میری مجالس کی صورت اس نامۂ اعمال میں تھی۔ اور جس جگہ جس وقت جو کچھ میں نے پڑھا تھا۔ وہ سب کچھ وہاں لکھا تھا۔ اور اس میں وہ فقرہ بھی تھا۔ جس کے متعلق مجھ سے جناب امیر المومنین علیہ السلام نے سوال کیا۔ پس اس وقت ایک اور حیلہ میرے دل میں آیا۔ وہ یہ کہ میں نے کہا۔ کہ ان مجالس و مضامین کو مجلسی نے بحار کی دسویں جلد میں ذکر کیا ہے۔ تو جناب امیر المومنینؑ نے حاضرین خدام میں سے ایک سے فرمایا۔ جا اور مجلسی سے وہ کتاب لے آ۔ پس میں ملتفت ہوا۔ تو دیکھا کہ منبر کی دائیں جانب بہت سی صفوف ہیں۔ جن میں سے پہلی صف پہلو کے منبر کے ساتھ ہے۔ اور آخری صف کو خدا ہی جانتا ہے۔ کہ وہ کہاں منتہی ہوتی ہے۔ اور ہر عالم نے اپنے سامنے اپنی مؤلفات کو رکھا ہوا ہے۔ پہلی صف میں پہلے شخص مجلسی مرحوم ہیں۔ جب حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے قاصد نے انہیں پیغام پہنچایا۔ تو مجلسی نے دوسری کتب کے درمیان سے اس کتاب کو اٹھایا۔ اور اس کو دی۔ اس قاصد نے وہ لی اور اس کو لایا۔ تو حضرتؑ نے اشارہ فرمایا۔ اس نے وہ کتاب مجھے دے دی۔ جب میں نے وہ کتاب لی۔ تو میں بحر تحیر میں پڑ گیا۔ کیونکہ اس حیلہ اور بہانہ سے میری غرض تو اس مہلکہ سے چھٹکارا حاصل کرنا تھی۔ پس میں نے اس کتاب کے چند اوراق کو فضول اور بیکار الٹایا پلٹایا۔ اس وقت میرے دل میں ایک اور حیلہ آیا۔ پس میں نے کہا۔ میں نے ان مضامین کو حاجی ملا صالح برغانی کی مقتل میں دیکھا ہے۔ پھر آپ نے ایک خادم کو فرمایا۔ کہ جاؤ اور اس (ملا صالح) کو کہدو کہ وہ کتاب لے آئے۔ خادم گیا۔ اور اس نے اس سے کہا۔ اور وہ چھٹی یا ساتویں صف میں چھٹا یا ساتواں شخص حاجی مذکور الذکر تھا۔ اس نے کتاب کو اٹھایا۔ اور امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں لایا۔ پس حضرتؑ نے مجھے حکم دیا۔ کہ میں اس کتاب سے وہ توہین آمیز فقرہ تلاش کروں۔ پس میں دوبارہ خائف اور مضطرب ہوا۔ اور راہ چارہ میری ہر طرف سے بند ہو گئی۔ پس میں خائف دل کے ساتھ کتاب کے اوراق کو فضول الٹانے میں مشغول ہوا۔ یہاں تک وہ سید فاضل کہتے ہیں۔ کہ میں خواب سے بیدار ہوا۔ تو میں نے اپنی صنف کی ایک جماعت (ذاکرین و روضہ خوان) کو جمع کیا۔ اور جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ وہ سب کچھ انہیں کہہ سنایا۔ پھر سید فاضل نے کہا۔ لیکن میں پس اپنے میں روضہ خوانی کی شروط کو قائم کرنے کی طاقت نہیں دیکھتا۔ لہذا میں اس (روضہ خوانی) کو ترک کرتا ہوں۔ اور جو شخص میری تصدیق کرتا ہے اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ بھی اسے چھوڑ دے۔ باوجودیکہ اس سید فاضل کو اس روضہ خوانی کے ذریعہ

بہت سی رقوم سالانہ حاصل ہوتی تھیں۔ لیکن پھر بھی اس نے ان رقوم سے روگردانی کی۔ اور روضہ خوانی کو چھوڑ دیا۔

تنبیہ چہارم:۔ ان چند شبہات کے ذکر میں جو اس جماعت (روضہ خوان) کی جرأت کے موجب ہیں۔ بلکہ یہ شبہات بعض ارباب تالیف کی جرأت وجسارت کا سبب ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے ایسی اخبار وحکایات کو نقل کرنے میں جرأت سے کام لیا ہے۔ جو بے اصل وماخذ ہیں اور ایسی اخبار کو جن میں احتمال صدق نہیں ہوتا یا ان میں احتمال صدق نہایت ضعیف ہوتا ہے۔ بلکہ انہوں نے دروغ بنانے اور ایسی اخبار وحکایات کو جعل کرنے میں جرأت سے کام لیا۔ جو چند ایسے مصائب کو متضمن ہیں۔ جو وارد نہیں ہوئے۔ اور اس سے ان کی غرض مومنین کو رلانا اور مجالس تعزیہ کو رونق دینا تھی۔ اور یہ تنبیہ روضہ خوانوں کے ان اوہام کے جواب میں بھی ہے اور جو ان حضرات کی جرأت کے اسباب ہیں۔ ان میں سے عمدہ دو چیزیں ہیں۔ **اوّل۔** وہ جو بعض دروغ پردازوں سے نقل ہوا ہے۔ کہ جو اخبار واحادیث ابکاء کی مدح اور شیعوں کو رلانے کی ترغیب میں وارد ہوئی ہیں۔ ان میں یہ بات ذکر نہیں کی گئی۔ کہ روضہ خوان کس قسم کے ساتھ مومنین کو رلائیں۔ اور کیا کچھ بیان کریں۔ اور کیا پڑھیں۔ اور ان چیزوں کے ذکر نہ کرنے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو چیز بھی رلانے کا سبب اور دلوں کے تڑپانے کا موجب اور آنکھوں سے اشک لانے کا وسیلہ بنے۔ وہ ممدوح اور مستحسن ہے۔ اگرچہ دروغ ہی کیوں نہ ہو۔ پس ان اخبار کے مقتضا کے مطابق یہ کہنا چاہیئے۔ کہ جو بہت سی اخبار واحادیث دروغ کہنے کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں۔ اگرچہ وہ احادیث واخبار جس قدر بھی معتبر ہوں۔ ان میں جو دروغ کہنے کی مذمت کی گئی ہے۔ اس سے مراد تعزیہ داری اور ذکر مصیبت کے مقام کے علاوہ دوسرے مقامات ہیں۔ اور اس کی نظیر یہ ہے۔ جو بعض لوگوں نے غنا کے بارے میں کہا ہے۔ اور اسی بیان مذکور کے ساتھ انہوں نے غنا کے ساتھ پڑھنے اور سُر لگانے کو سید الشہداء کے مراثی میں بلکہ قرآن مجید کی تلاوت میں جائز کیا ہے۔ اور اس بیان مذکور کے ساتھ بہت سے گناہان کبیرہ کو مباح بلکہ مستحب کہا جاسکتا ہے۔ اور فاسق وفاجر لوگوں کے لئے ان گناہوں اور معاصی کبیرہ کی طرف ایک وسیع راستہ کھولا جائیگا کیونکہ جو اخبار واحادیث قلب مومن میں ادخال سرور اور قضاء حوائج اور اجابت خواہش اور مومن کی حاجت کو پورا کرنے میں سعی وکوشش کرنے کی فضیلت ومدح میں وارد ہوئی ہیں۔ وہ احادیث واخبار، ابکاء مومنین کو رلانے کی اخبار واحادیث سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ پس جس فاسق نے عورت کو دیکھا۔ اور اس کے منہ پر بوسہ دینے کی خواہش کی۔ یا اس عورت کے سینہ پر ہاتھ لگانا چاہے۔ یا کام کو نازک جگہ تک پہنچانے کی خواہش کی تو ادخال سرور اور قضاء حاجت وغیرہ کے مستحب ہونے کی اخبار واحادیث کے مقتضی کے مطابق اس عورت پر روا اور جائز ہو جائے گا۔ کہ ان باتوں کو قبول کرے اور اپنے آپ کو اس فاسق کے سپرد کر دے اور ان ثوابوں کو اپنے والدین کی روح کو پہنچائے۔ اور اسی طرح لواط اور اس کے مقدمات اور معاصی شہوانی میں سے اس قسم کی دوسری چیزوں

میں ہو جائے گا۔ اور کسی ذی شعور آدمی پر پوشیدہ نہیں۔ کہ اس قسم کا سلسلۂ سخن، دین و مذہب کی ضروریات کے خلاف ہے۔ اور آدمی کو آئین اسلام اور ملت سے خارج کر دینے کا سبب ہے۔ اور اس اصل شبہ کا جواب فقہ کے اندر کتاب مکاسب میں مشروح ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس کا اجمالی جواب یہ دیا جا سکتا ہے۔ کہ مستحب چاہے جتنا بھی بڑا ہو حرام کے ساتھ معارضہ نہیں کر سکتا۔ چاہے حرام امر لوگوں کی نظروں میں بہت ہی محقر کیوں نہ ہو۔ اور طاعتِ الٰہی کو ایسے امر کے وسیلے سے نہیں بجا لایا جا سکتا۔ جو امر اللہ تعالےٰ کے غضب اور سخط کا سبب ہو۔ اور نہ ہی آدمی اس کے ساتھ خداوند تبارک و تعالےٰ کے نزدیک متقرب ہو سکتا ہے۔ بلکہ تمام مستحبات کا مورد و محل وہ فعل ہے۔ جو بالذات جائز اور مباح ہو۔ پس اگر وہ فعل حرام ہو۔ اور کسی ایسے مفسدہ عظیمہ کا حامل ہو۔ جس مفسدہ کی وجہ سے معصومین علیہم السلام نے خصوصی طور پر اس کام کے کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اگر وہ کام کسی ایسے مستحب امر کے مقدمات سے ہو۔ جس کی بجا آوری اس حرام فعل کے کرنے کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ تو اس مستحب کے بجا لانے کا کوئی محل و مقام نہیں رہتا۔ اور یہ مطلب تمام اہل ادیان کے اذہان میں مرکوز ہونے سے بعید نہیں۔ کیا کوئی متدین عامی آدمی یہ احتمال کر سکتا ہے۔ کہ حضرت ابی عبد اللہ علیہ السلام کی زیارت کے لئے کربلا معلی میں جانا غصبی گھوڑے پر سوار ہونے یا غصبی کشتی میں بیٹھنے یا غیر کے گھر یا باغ سے گزرنے "جبکہ مالک نے ان میں سے گزرنے سے منع کیا ہوا ہو" یا اس قسم کے دیگر محرمات میں منحصر ہو جائے۔ تو کیا وہ جانا ان اخبار کی وجہ سے جائز بلکہ مستحب ہو سکے گا۔ جو حضرت کی زیارت کی فضیلت میں وارد ہیں۔ جبکہ وہ اخبار ابکاء سے سو گنا زیادہ ہیں۔ ہرگز نہیں۔ کہ وہ متدین عامی اس قسم کا توہم فاسد کر سکے۔ اور ان گناہانِ کبیرہ کے ارتکاب کو اس مستحب کے پانے کے احتمال کی وجہ سے جائز قرار دے سکے اور حاصل مقصود یہ ہے۔ کہ ابکاء مومن باجماع علماء ایسے ہی ہے جس طرح نیکی پر مومن کی اعانت کرنا یا اس کی کسی حاجت کو پورا کرنا ہے۔ چنانچہ استاد اعظم شیخ مرتضیٰ اعلی اللہ مقامہ نے نقل فرمایا ہے۔ کہ چاہئے کہ آدمی اولاً اس وسیلہ اور سبب کے جواز اور اباحت کو معلوم کر لے۔ جس کے ذریعہ ابکاءِ مومن و اعانت اور قضاءِ حاجت مومن محقق ہوتے ہیں۔ تاکہ اس مستحب امر کو ان تینوں کاموں کی اخبار استحباب میں داخل کر سکے۔ اور اس طرح نہیں ہو سکتا اور ان اخبار کے ذریعہ وسیلہ کو اگرچہ وہ حرام ہو اسے مباح کر لے۔ جیسے کہ ظلم یا چوری اس وجہ سے حلال ہو جائے۔ کہ اس کے ذریعہ مومن کی اعانت ہوتی ہے۔ کہ چوری یا ظلم کا مال اس کے قرضہ کی ادائیگی یا اس کے امر تزویج کی انجام دہی میں صرف ہوتا ہے۔ اور اس قسم کی ضروریات میں اور اس دروغ پرداز (جس نے گزشتہ شبہ پیش کیا ہے) کے اس رشتہ سخن "جس کو اس نے بنایا ہے" پر جو قبیح مفاسد مترتب ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔ کہ ناچار ایسے ہونا چاہئے۔ کہ جو حرام فعل، مومنین کو رلانے کا وسیلہ ہے۔ وہ دروغ کہنے کی طرح جائز ہو۔ کیونکہ اس باب میں دروغ کہنے اور باقی تمام محرمات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور جو دروغ اس مقام (ذکر مصائب) میں بنایا گیا ہے۔

وہ اس جگہ آئے گا۔ اور یہ شبہ مذکورہ اگرچہ قابلِ ذکر نہ تھا۔ لیکن ممکن ہے کہ یہ عوام میں سے کسی بیچارے کے ذہن میں داخل ہو جائے۔ لہٰذا لازم تھا کہ اس شبہ کے مفاسد کو لوگ جان لیں۔ اور یہ بھی جان لیں کہ مراثی اور تلاوتِ قرآن اور ان جیسی دیگر چیزیں جو قربات و طاعات میں سے ہیں، میں دروغ کہنے اور غنا پڑھنے کی معصیت بہت بڑی اور اس کا عقاب بہت سخت ہے۔ (یہاں مصنف علام نے ایک حکایت ظریفہ ذکر کی ہے جسے لکھنا ہم مناسب نہیں سمجھتے۔ ظفر)

دوم۔ استقرارِ سیرت: (علماء نے اپنی مؤلفات میں فضائل و قصص اور مصائب کے ابواب میں اخبار ضعیفہ کو نقل کرنے اور روایات غیر صحیحہ کو ضبط کرنے میں کونسی سیرت اختیار کی ہے) اور ان مقامات میں علماء نے کیا کچھ مسامحہ کیا ہے خصوصاً مقام اخیر (ذکر روایاتِ مصائب) میں علماء کا تسامح مشاہد اور محسوس ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا (کتاب پڑھنے والے سے خطاب ہے) کہ شیخ مفید طاب ثراہ کتاب ارشاد میں تمام ان ابواب کو جو حالات ائمہ علیہم السلام سے متعلق ہیں تمام اصحاب اخبار کی طرز پر اصل سند اور راوی کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ لیکن سوائے مقتل (ابی عبداللہ علیہ السلام کے باب کے) شیخ مفید نے باب مقتل کے تمام واقعات کو ایک رشتہ میں منسلک کر دیا ہے۔ اور کلبی و مدائنی اور ان دو کے علاوہ دیگر اصحاب سیر روایات کو نقل کیا ہے۔ حالانکہ ابوالحسن مدائنی اہل سنت کے معروف علماء میں سے ہیں۔ اور کلبی بھی اسی طرح۔ اگرچہ بعض لوگ اسے شیعہ جانتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں ارباب سیر و تاریخ کی سلک میں منسلک ہیں۔ اور اسی طرح شیخ مفیدؒ کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی کیا ہے۔ اور اس مقام میں علماء کی سیرت کی تائید احادیث کا وہ حصہ کرتا ہے جسے لوگ اخبار تسامح کہتے ہیں اور اس کا حاصل مضمون یہ ہے کہ معصومینؑ نے فرمایا ہے کہ جو شخص جو کسی عمل کو سنے یا اسے پتہ چلے کہ اس عمل کیلئے معصومینؑ نے ثواب مقرر کیا ہے اور ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ پس اگر اس عمل کو اس ثواب کے حاصل کرنے کی امید میں بجا لائے تو یقیناً وہ ثواب اسے ملے گا۔ اگرچہ نفس الامر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس عمل کے متعلق کچھ نہ فرمایا ہو۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ جس شخص نے اس قسم کی چیز کو دوسرے آدمی کیلئے نقل کیا یا ایسے عمل کو معصومینؑ کی طرف منسوب کیا یا ایسے عمل کو کسی آدمی نے کسی کتاب میں دیکھا تو وہ ان اخبار میں داخل ہو جائے گا۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے عمل والی روایت اس تک پہنچی ہو یا اس نے وہ سنی ہو۔ پس اگر اس نے وہ عمل کیا تو اسے اس کا ثواب مل جائے گا۔ اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ہر عمل بخبر ہر جگہ اس جگہ اور اس چیز کے مناسب ہو گا۔ مثلاً کسی ایسی ضعیف خبر پر عمل کرنا جو کسی مخصوص نماز سے متعلق ہو اس نماز کا بجا لانا ہے۔ اور اگر مخصوص روزہ سے متعلق ہو تو اس روزہ کا رکھنا ہے۔ اور اگر صدقہ معینہ سے متعلق ہو تو اس کا صدقہ دینا ہے۔ اور اگر کسی مومن کو افطاری دینے سے متعلق ہو تو اس کو افطاری کھلانا ہے اور اگر کوئی ایسا بخبر ہو جس میں بعض ماکولات کی فضیلت ہو تو اس ماکول کا کھانا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اور ابواب فضائل و قصص اور مصائب میں اخبار ضعیفہ پر عمل کرنا۔ ان کی طرف توجہ دینا اور یاد کرنا۔ ان کا ضبط کرنا اور لکھنا اور نقل کرنا ہے پس اس مقام میں کوئی خبر جس قدر بھی ضعیف ہو علماء کی سیرت معلومہ اور ان اخبار معتبرہ تسامح کے مطابق ہو اس کا نقل کرنا جائز اور اس کے کہنے والے، پڑھنے والے اور لکھنے والے پر کوئی حرج اور

اعتراض نہیں۔ بلکہ اگر وہ خبر درست ہوئی اور واقعیت رکھتی ہوئی تو اس کے ذریعہ سے ذخیرہ شدہ ثوابوں میں سے ثواب ملیگا۔ اور یہ کلام (کلام مذکور) جو کہ محض خود ان لوگوں کی کہی ہوئی ہے۔ بہت سے ایسے خدشات کی حامل ہے جنکی تفصیل منجر بتطویل ہے۔ اور یہ کلام ہرگز مسلم اور مکمل نہیں یہاں تک کہ وہ روضہ خوانوں کی اس جماعت کے عمل فاسد کو بھی شامل ہو جائے۔ کیونکہ کلام اس میں مفید اور ان روضہ خوانوں کیلئے متمسک صحیح ہوگی کیونکہ یہ کلام جس بیان کے ساتھ ذکر کی گئی ہے ایک ایسے مغالطہ پر مبنی ہے۔ جب وہ مکشوف ہو جائے گا تو پھر روضہ خوانوں کی اس جماعت کے بازار کساد اور سوق فساد سے کسی دوسرے درد کی دوا نہ چاہی جائے گی۔ اور اس بات کی توضیح ایک مقدمہ کے ذکر کرنے پر موقوف ہے۔ اور وہ یہ کہ علماء عظام جو کہ عصر ائمہ علیہم السلام اور رواۃ و محدثین کے اس عصر سے جو ائمہ معصومینؑ کے عصر کے قریب تھا سے دور ہیں اور موجودہ اخبار و احادیث کتب میں زیادہ نقیں اور حدیث سالم کو غیر سالم سے اور راست گو راوی کو دروغ گو راوی سے تمیز دینے کے عمدہ اسباب مفقود تھے اور نہ ہی ان اسباب تک رسائی ہو سکتی تھی تو علماء عظام نے مجبوراً ان اسباب کے ذریعہ اس کام کیلئے جو باقی رہ گیا تھا اپنی قوت و میسور کی مقدار کے مطابق ایک میزان درست کیا۔ اور اس میزان کے لحاظ سے جملہ احادیث و اخبار کو چند اقسام پر منقسم کیا۔

اوّل صحیح۔ اور وہ، وہ خبر ہے جس کے راویوں کا تمام سلسلہ شیعہ اثنا عشری عادل ہو۔

دوئم حسن۔ اور وہ، وہ خبر ہے جس کا تمام سلسلہ اثنا عشری ممدوح ہو یعنی لوگوں نے ان کی مدح اور تعریف کی ہو لیکن وہ راوی حدِ عدالت تک نہ پہنچے ہوں۔ جس طرح کہ فلاں آدمی اچھا ہے یا صادق ہے یا زاہد یا عابد ہے۔ اور اس قسم کی دیگر اوصاف یا اس سلسلہ میں سے بعض راوی اس طرح ہوں (ممدوح ہوں اور حدِ عدالت تک نہ پہنچے ہوئے ہوں) بشرطیکہ باقی ماندہ راوی صنفِ اول (جو راوی خبر صحیح میں ذکر کئے گئے ہیں جو سب کے سب حدِ عدالت تک پہنچے ہوئے ہوں) سے ہوں۔

سوئم۔ موثق۔ اور وہ، وہ خبر ہے جس کے راویوں کا سلسلہ عادل ہو۔ لیکن مذہب میں غیر امامی ہوں۔ جیسے سُنّی۔ زیدی۔ کیسانی۔ واقفی۔ فطحی اور ناؤسی یا بعض راوی اس طرح ہوں (عادل غیر امامی) لیکن تمۃ امامی عادل ہو۔ یا ایک احتمال کی بنا پر امامی ممدوح ہو۔

چہارم یہ کہ اس کے تمام راویوں کا سلسلہ یا ان میں سے بعض اگرچہ ایک نفر ہی فاسق ہو۔ یا اس کا حال نامعلوم ہو یا کتب رجال میں اس راوی کا نام ذکر ہی نہ کیا گیا ہو۔ یا خبر کیلئے بالکل سندی سلسلہ ذکر نہ کیا گیا ہو۔ یا راویوں کے سلسلہ سے ایک راوی یا زیادہ اول سند میں یا وسط میں یا اس سند کے آخر میں مفقود ہوں اور معلوم نہ ہو سکے کہ وہ شخص کون ہے۔ یہ تمام اقسام اس اصطلاح کے مطابق خبر ضعیف میں داخل ہیں اور تمام اخبار ان چار اقسام سے باہر نہ ہوں گی۔ بعض علماء قسم پنجم کے قائل ہیں۔ اور وہ، وہ ہے کہ جس کے راویوں کا تمام سلسلہ ممدوح غیر امامی ہو یا ان میں سے بعض شرط سابق کے ساتھ ہوں تو انہوں نے اس خبر کا نام قوی رکھا ہے۔

بہر حال علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ سنت "جو کہ ادلۂ اربعہ میں سے ایک ہے" سے حاصل ہونے والی فقہ میں واجب اور حرام کے اثبات کیلئے دلیل ان چار اخبار میں سے کونسی خبر ہوگی بعض علماء نے تو صرف نوعِ صحیح پر اقتصار کیا ہے بعض نے حسن پر اور بعض نے موثق پر اور بعض نے ان ہر دو حسن اور موثق کو خبرِ صحیح کے ساتھ ملحق کیا ہے۔ اور بعض علماء نے اس خبر ضعیف کو بھی اس پر بڑھایا ہے۔ (یعنی قسم چہارم خبرِ ضعیف بھی اثبات واجب و حرام کیلئے دلیل ہو سکتی ہے) بشرطیکہ علماء نے اس خبرِ ضعیف کے مورد میں اس پر عمل کیا ہو۔ پس علماء کے عمل کی وجہ سے اس خبرِ ضعیف کا ضعف قوت حاصل کریگا۔ اور جماعت علماء کی موافقت کی وجہ سے اس خبر کی کمزوری قوی ہو جائے گی۔ لیکن غیر واجب اور حرام میں پس ضعیف کے ساتھ عمل کرنے میں علماء شریک ہیں۔ اگرچہ اس خبر کے مورد میں کوئی عامل اور جابر (اس خبر کے ضعف کا اپنے عمل سے جبران کرنے والا) نہ پایا جائے۔ اور علماء ابواب مستحبات بلکہ مکروہات میں اس وتیرہ پر عمل کرتے ہیں اور اسی طرح فضائل و مصائب اور قصص میں۔

اور جب ہم نے علماء کی سیرت میں تامل سے مطالعہ کیا اور ان کے عمل کے موارد میں غور کی تو معلوم ہوا کہ اس مقام میں جس چیز کی ان کی طرف نسبت دی گئی ہے وہ راست ہے۔ بلکہ علماء کی ایک جماعت نے اس کے متعلق تصریح کی (کہ فضائل و مصائب میں ضعیف روایات پر عمل کیا جا سکتا ہے) لیکن مطلقاً اور عموماً نہیں کہ جس طرح بادی النظر میں علماء کے کلمات میں وہم ہوا ہے اور بعض اذہانِ غیر مستقیمہ میں یہ بات داخل ہوئی ہے بایں طور کہ ابواب مذکورہ (فضائل و مصائب اور قصص) میں جو خبر بھی جس سے سنی جائے چاہے سننے والا کہنے والے کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو اور اس کو جاننے کے بعد چاہے وہ کہنے والا فاسق بے مبالات ہو یا نہ ہو علماء اس پر اسی طرح عمل کرتے ہیں جس طرح کہ سابقاً ذکر ہوا ہے۔ اور نیز جو کتاب بھی ان علماء کے ہاتھ میں آ جائے چاہے اُس کے مؤلف کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں اس کا مؤلف بغیر اصل کے کہنے اور لکھنے والا ہو یا نہ ہو۔ بعض اکاذیب واضحہ اس میں دیکھے ہوں یا نہ دیکھے ہوں۔ اس حال میں اس کتاب سے نقل کر لیتے ہیں۔ اور ابواب مذکورہ میں اس کتاب کی اخبار کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ بلکہ ان اخبار کے ساتھ متشبث ہوتے ہیں جو کتابوں کی پشت اور مساجد و مشاہد کی دیواروں میں ثبت ہوتی ہیں۔ ہرگز نہیں کہ اس قسم کا اطلاق اور عموم ان کے کلمات میں ہو یا ان کی سیرت اور طریقہ مرسومہ سے اس قسم کا اطلاق اور عموم حاصل ہو بلکہ علماء کی بنا اور رفتار اسی قانون اور دستور العمل پر ہے جو انہیں شرع کی جانب سے پہنچا ہے۔ اور سابقاً اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ کہ چاہئے کہ ناقل روایات کو نقل نہ کرے مگر ثقہ سے چاہے یہ نقل بنقلِ لسانی اور تلقی زبانی کے مقام میں ہو۔ یا کسی کتاب سے لینے کے مقام میں ہو۔ اور یہ بات بھی گذری ہے کہ اس مقام (مقام نقل) میں ثقہ سے مراد چاہے وہ ناقل ہو یا مؤلف ہو" وہ شخص ہے جو کذب سے بچنے والا ہو۔ بلکہ اسیا راست گو ہو جو کہ خلط اور بے ضبط اور کثیر النسیان والسہو نہ ہو۔ اور جب علماء کسی خبر کو اس قسم کے شخص سے سنیں گے یا اس کتاب میں دیکھیں گے

اگر اس خبر کے راوی آخر تک ان اوصاف گزشتہ کے ساتھ متصف ہوں گے تو وہ خبر حجت شرعی اور دلیل فقہی ہو گی۔ ہر شخص تمام موارد میں اپنے طریقہ کے مطابق اس پر عمل کرے گا۔ اور اگر اس خبر کے تمام راوی یا ان میں سے بعض ان علماء کو معلوم نہ ہوں یا اس سننے والے شخص اور کسی کتاب سے اس خبر کے لینے والے کے نزدیک اس خبر کا راوی ان اوصاف کے ساتھ متصف نہ ہو اگرچہ اس شخص ثقہ کے نزدیک احتمال ہو کہ ناقل یا مؤلف ثقہ ہو یا وہ شخص اس ناقل یا مؤلف کو جانتا ہی نہ ہو، اگرچہ جائز ہے کہ مؤلف کتاب اس ناقل کو جس سے خود نقل کر رہا ہے جانتا ہو اور اسے ثقہ سمجھتا ہو۔ مشہور علماء متاخرین کے نزدیک یہ تمام اقسام اصطلاح جدید میں "ضعیف" ہیں۔ (یہ تمام اقسام خبر ضعیف میں داخل ہیں) اور یہی اقسام روضہ خوانوں کی اجازت کا مورد و محل ہیں کہ یہ لوگ باب فضائل و مصائب میں انہی پر عمل کرتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ علماء کا کسی خبر کو نقل نہ کرنا مگر ایسے شخص سے جس پر وہ اطمینان صدق رکھتے ہیں اور علماء کا خبر کو نہ لینا مگر ایسی کتاب سے جو اس قسم کے شخص کی ہو (جس شخص پر انہیں اطمینان صدق ہو) اصطلاح جدید کے ساتھ یہ بات اس عالم کے نزدیک اس خبر کے ضعف کے ساتھ منافات نہیں رکھتی جس خبر کو وہ عالم نقل کرنا چاہتا ہے۔

اور حاصل کلام یہ ہے کہ علماء، راوی اول سے یعنی جس سے وہ خبر کو سنتے ہیں اگرچہ یہ بات ان اعصار میں بہت کم ہے۔ یا اس کتاب کے مؤلف سے کہ جس کتاب سے کسی خبر کے نقل کرنے کا قصد کریں یہ بات نہ ہوئی اور نہ ہی ہو گی کہ علماء اس راوئ اول یا مؤلف کتاب سے کسی خبر کو لیں اور بیان کریں اور اپنی کتاب میں لکھیں۔ مگر جبکہ وہ اس کی وثاقت سے مطمئن ہو جائیں اور خبر بھی اس کی وجہ سے کوئی عیب نہ رکھتی ہو۔ اور اگر خبر اس سلسلہ میں ضعف رکھتی ہو جو اس راوی کے بعد ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ علماء درست کار جن کی رفتار خطوط مستقیمہ اور موازین عدلیہ میں ہے وہ علماء اس کتاب سے روایات و اخبار کو نقل نہیں کرتے جس کے مؤلف کو نہ جانتے ہوں اور نیز اس کتاب سے بھی نقل نہیں کرتے جس کا مؤلف بے مبالات ہو۔ اور خبر موہون اور غیر موہون میں فرق نہ رکھتا ہو۔ اور نہ ہی مقام نقل میں اخبار کے لئے کوئی تمیز رکھتا ہو۔ تو علماء ایسے آدمی سے اخبار کو نقل نہیں کرتے

اور ہمارے اس دعوے کے شواہد حسیہ میں سے یہ بات ہے کہ عالم جلیل متبحر شیخ حر عاملی مذاق اخباریہ کی وجہ سے اس اصطلاح جدید کی کوئی اعتنا نہیں کرتے تھے۔ اور اکثر اخبار موجود کو معتبر بلکہ قطعی جانتے تھے۔ اور جملہ کتب اخبار مرحوم مذکور کے پیش نظر تھیں۔ جن میں سے بعض کتب کے مؤلفین کو نہ جانتے تھے۔ اور بعض کتب کو جن کے مؤلفین کو جانتے تھے

ذاتی اخبار یہ رکھنے کے باوجود ان کتب کو بے اعتبار اور موہون سمجھتے تھے۔ اور انہوں
نے کتاب ھدایہ اور کتاب امل الآمل کے آخر میں ان تمام کتب کے اسامی کو لکھا
ہے۔ اور اپنی اکثر مؤلفات میں بالکل اُن کتب سے اخبار و روایات کو نقل نہیں کرتے تھے
اور کسی امر مکروہ یا مستحب کے اثبات کے لئے چاہے وہ امر حقیر ہو شیخ حر عاملی نے ان
کتب کی روایات کے ساتھ استشہاد نہیں کیا۔ مگر مرحوم نے ان کتب میں سے بعض کو اواخر
عمر میں جان لیا (کہ یہ کتب قابلِ اطمینان ہیں) اور ان پر بنائے نقل رکھی۔ مرحوم مذکور جبکہ
ذاتی اخبار یہ رکھنے کے باوجود اس قسم کا طریقہ اختیار کرتے تھے تو مجتہدین کا طریقہ اور سلوک
بہت زیادہ سخت ہونا چاہیے۔

ہاں کبھی یہ ہوتا ہے کہ کتاب کہنہ صحیح شدہ جو کہ علماء کی نظر سے گزری ہوتی ہے۔ دستیاب ہو جاتی
ہے جس کے مطالعہ سے اس کے مؤلف کی وثاقت[له] کا اطمینان بلکہ اس کی جلالت ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا اکثر
ہوتا ہے کہ علماء اس سے اخبار کو نقل کرتے ہیں۔ لیکن نہ ہمیشہ اور نہ ہی سب علماء کیونکہ بہت سی ایسی اخبار
جو اس اصطلاح جدید میں ضعیف ہیں۔ لیکن موہون نہیں ہوتیں بلکہ بعض قرائن کے لحاظ سے نہایت
معتبر ہوتی ہیں جیسے کتاب شریف کافی کی نصف اخبار کے قریب اور کتاب من لایحضرہ الفقیہ
کی بہت سی اخبار اور کتاب نہایہ شیخ طوسی کی اخبار جو کہ بے سند ہیں اور اصطلاح میں انہیں
علماء مرسل کہتے ہیں۔ اور یہ اخبار خبر ضعیف کی گنتی میں مندرج ہیں۔ اور اسی طرح بہت سی
ان کتب کی اخبار جو معتمد مؤلفین کی ہیں۔ جیسے ابن شہر آشوب، قطب راوندی اور
ابن طاؤس اور اس قسم کے اور مؤلفین جن کی منقولہ اخبار، اخبار ضعاف کی قسم میں
سے ہیں لیکن موہون نہیں۔ ان مذکورہ کتب سے اخبار و روایات کو ابواب گزشتہ (فضائل
و مصائب اور قصص) میں نقل کرنا جائز اور علماء کے اذن کا مورد ہے۔ اور اخبار کی اس قسم
میں کوئی بحث نہیں ہے۔ بلکہ بحث تو اخبار موہونہ اور کتب غیر معتمدہ میں ہے۔ جو سابقاً
علماء کے درمیان قابلِ قبول تھیں۔ اور بزرگ علماء کی نظر سے گزری تھیں۔ اور علماء نے
ان کی کوئی اعتناء نہیں کی تھی۔ اور نہ ہی مراجعہ کیا تھا۔ یہاں تک کہ علامہ مجلسی اور ان
کے عصر سے پہلے اور ان کے عصر سے بعد کے محدثین جیسے علماء۔ یہ ایسے علماء نہیں
جنہوں نے ان کتب اور اخبار کو نہ دیکھا ہو۔ اور ان کتب پر واقف نہ ہوئے ہوں۔

له مضبوطی۔ استواری۔ قابل اعتماد ہونا۔

زعفرجن کے آنے اور حضرت قاسم کی شادی کا قصہ علماء کی نظر سے مخفی نہیں رہا۔ یہ ہر دو واقعات روضۃ الشہداء کاشفی میں ہیں اور ان میں سے دوسرا واقعہ (حضرت قاسم کی شادی) کتاب منتخب شیخ طریحی میں ہے اور یہ کتاب موہون اخبار پر مشتمل ہے۔ جیسے دشمنوں کا جناب عبدالعظیم حسنی کو ملک رے میں زندہ دفن کرنا اور اس کتاب میں غیر موہون اخبار بھی پائی جاتی ہے۔ کہ کبھی علامہ مجلسی قدس سرہ اس قسم کے اخبار کو اس عبارت کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ "میں نے اپنے اصحاب میں سے بعض کی مولفات میں دیکھا ہے" اور علامہ مجلسیؒ نے اُس قسم کی موہون اخبار سے اعراض فرمایا ہے کہ جن میں سے حضرت قاسم کی شادی کا قصہ بھی ہے۔ جس کو کتاب روضۃ کاشفی سے پہلے شیخ مفید قدہ کے عصر سے علامہ مجلسیؒ کے عصر تک کسی کتاب میں نہیں دیکھا گیا بحمداللہ ان ہر دو کی اخبار کی مولفات ہر طبقہ میں فعلاً موجود ہیں اور بالکل اس شادی کا نام بھی ان کتب میں نہیں لیا گیا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اسقدر عظیم قضیہ اور اس طرح آشکارا اور واضح قصہ، محقق اور مضبوط ہو۔ اور علماء کی اس پوری جماعت کی نظر سے نہ گزرا ہو۔ یہانتک کہ ابن شہر آشوب جیسے کو بھی پتہ نہ ہو جنہوں نے تصریح کی ہے کہ مناقب کی کتاب کی ہزار جلد ان کے پاس تھی اور اس کے علاوہ ان تمام گزشتہ متعدد کتب کے مطابق جو فن حدیث وانساب اور سیر میں تالیف کی گئی ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے لئے کوئی دختر قابل تزویج بے شوہر ہو۔ یہانتک کہ یہ واقعہ قطع نظر اس سے کہ صحیح اور سقیم ہو صرف اس کے وقوع کا نقل کرنا ممکن ہو اور زبیدہ، شہربانو اور قاسم ثانی جو ملک ری اور اس کے اطراف کی خاک میں مدفون ہیں۔ اور ان کے واقعات السنۂ عوام میں دائر ہیں۔ پس یہ واقعات، خیالات واہیہ میں سے ہیں۔ چاہئے کہ ان واقعات کو کتاب رموز حمزہ اور باقی کتب مجعولہ کی پشت پر لکھا جائے اور ان واقعات کے کذب ہونے کے شواہد بہت ہیں۔

اور تمام علماء انساب اس بات پر متفق ہیں کہ قاسم ابن الحسن علیہ السلام کی کوئی اولاد نہ تھی بہرحال ان دو واقعات کی یعنی بے بنیادی میں نظیر اور بزرگان فن حدیث کا ان سے اعراض زیادہ ہے اور یہ چیز دبے بنیادی میں اس کی نظیر کا زیادہ ہونا اور بزرگان فن حدیث کا اس سے زیادہ اعراض کرنا) اس واقعہ کے ضعف اور بے اصل ہونے کی زیادہ وضاحت کرتی ہے اور اگر اس کے علاوہ لوگ معارضہ کریں کہ علماء اخیار نے اس کے خلاف کو نقل کیا ہے تو یہ چیز بھی اس واقعہ کے ضعف پر زیادتی ہے اور اگر اس کے علاوہ اس خبر بے اصل کا مضمون امور عادیہ کے خلاف ہو اور بحسب عادت یہ نہیں ہو سکتا کہ اس واقعہ کو باور کیا جائے۔ جیسے کہ مخالفین کے لشکر کی تعداد پانچ لاکھ تھی۔ بلکہ چھ لاکھ سوار اور دو کروڑ پیادہ تھے۔ اور خبر معتبر کے مطابق اس لشکر میں کوئی شامی یا حجازی نہ تھا۔ اور سب کے سب کوفے سے تھے۔ حالانکہ لشکر کی اتنی بڑی تعداد شدآمد اور تردد کے لئے طولانی مدت میں بھی میسر نہ ہو سکی یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ چند روز کے اندر ہی پسر مرجانہ کیلئے میسر ہو جاتی۔ حالانکہ ابھی تو پسر مرجانہ نے استقرار تمام ہی پیدا نہ کیا ہوا تھا۔ پھر مصارف لشکر اور گھوڑوں کے لئے ماکول، چارا کا جمع کرنا اور اُن کی

نگہداشت بھی بسبب عادت محال ہے البتہ اس روایت کی سستی اور کمزوری انتہا کو پہنچ جائے گی۔ اور جب اس قسم کی اخبارِ ضعیفہ بے اصل و ماخذ ان اسباب وہن و ضعف کے ساتھ بعض "اغراضِ فاسدہ" جیسے کثرت تشنیع و اطلاع کا اظہار اور مطالب تازہ کو لانا اور مقاتل کی کتب سابقہ پر برتری حاصل کرنا" کی وجہ سے کسی کتاب میں جمع ہو جائیں گی۔ تو وہ کتاب اس مذہب کے لیے "دو دستا" بن جائے گی جس کا نتیجہ واضح اور ثمرہ ظاہرہ، مذہب اور ملت جعفریہ پر وہن عظیم اور ضعف ہوگا اور اس کے ذریعہ مخالفین کے ہاتھ میں تمسخر و استہزا اور خندہ کے اسباب آجائیں گے اور مخالفین باقی احادیث اور منقولاتِ امامیہ کا بھی اخبارِ موہونہ اور قصص کاذبہ پر قیاس کریں گے۔ اور یہ کام اس حد تک پہنچا کہ ان مخالفین نے اپنی کتب میں لکھا ہے کہ "تشیع بیت کذب ہے" اور اگر کوئی شخص منکر ہو تو ان مخالفین کو اس دعویٰ کے اثبات کے لئے کتاب اسرار الشہادۃ کا میدان میں لے آنا کافی ہے اس کے نظائر اس حد تک پہنچے کہ مثلاً اگر مخالفین ہمارے بزرگانِ دین (مجتہدین) سے پوچھیں کہ شیخ جلیل علی بن الحسین مسعودی جو کہ قم میں سے ہیں اور کلینی کے عصر میں تھے انہوں نے حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے ہاتھ سے مقتولین کی تعداد میں نہایت مبالغہ کیا ہے کتاب اثبات الوصیۃ میں ہے کہ انہوں نے کہا ہے۔ وروی انہ قتل بیدہ ذالک الیوم الفاو ثمانمائۃ۔ ترجمہ:۔ اور روایت کی گئی ہے کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے روزِ عاشور کو ایک ہزار اور آٹھ سو آدمی کو قتل کیا۔ انتہی پس ان کی اس نقل کے ساتھ ایک ہزار اور آٹھ سو آدمی قتل ہوئے اور ابن شہر آشوب نے کتب کی اس کثرت اور اپنے تبحر و اطلاع کے باوجود اور محمد بن ابی طالب نے، چنانچہ بحار میں نقل کیا گیا ہے، ان دونوں مذکور حضرات نے حضرت سید الشہداء کے مقتولین کی تعداد ایک ہزار نو سو پچاس تک پہنچائی ہے اور اس کتاب (اسرار الشہادۃ) میں جو کہ مسعودی سے تقریباً ایک ہزار سال بعد میں تالیف کی گئی "حضرت سید الشہداء کے مقتولین کی تعداد تین لاکھ اور ابی الفضل کے مقتولین کی تعداد پچیس ہزار تک اور باقی تمام اقرباء و انصار کے ہاتھ سے مقتولین کی تعداد پچیس ہزار تک پہنچائی گئی ہے تو پھر اگر مخالفین کہیں۔ کہ روایات کے اس تعارض کا کیا حکم ہے؟ پھر جواب میں دوسری کتاب (اسرار الشہادۃ) کے کذب صریح کے اعتراف کے بغیر کوئی چارہ نہیں دیکھیں گے۔ سبحان اللہ۔ ان افترائات اور اکاذیب کے نقل کرنے سے کیا غرض تھی۔ اگر اس سے مقصود جناب سید الشہداء علیہ السلام کی شجاعت بشری کا بیان کرنا ہے تو اس مطلب حق کا ثابت کرنا اس قسم کے اباطیل کے ساتھ تمسک کرنے کا محتاج نہیں ہے کیونکہ اگر سید الشہداء علیہ السلام اس روز (روزِ عاشورا) میں سو آدمی کو قتل کر دیتے۔ تو بھی آپ اشجع الناس تھے۔ وہ سراجِ منیر اور چراغِ عالم افروز جس کو خداوند منان نے بندوں کے لئے مہیا فرمایا ہے۔ اس کی بتی کا تیل اور روشنی کے نور کی مدد، عالمِ غیب اور اس شجرۂ مبارکہ سے ہوتی ہے جس کی صفت لا شرقیۃ و لا غربیۃ ہے۔

وہ سراج منیر اس بات کی طرف محتاج نہیں کہ اسکی امداد گندیدہ سیاہ الفاظ کے ساتھ کی جائے۔ چاہیئے تھا کہ مولف اسرار الشہادۃ اس کافر صلیب پرست سے نکتہ گوئی سیکھتے۔ جمیز کارکرن انگلیسی نسل نے ایک کتاب تاریخ چین میں بزبان اردو لکھی ہے۔ جو کہ اہل ہند کی حالیہ متعارف زبان ہے اور اس نے وہ کتاب طبع کرائی ہے اس کی دوسری جلد ص۱۱ میں جہاں کہ شجاعت کے ذکر کی مناسبت تھی۔ اس جگہ یہ کلام مذکور ہے جس کی عین عبارت کا ترجمہ یہ ہے "چونکہ رستم کی بہادری اور شجاعت مشہور زمانہ ہے لیکن چند ایسے مرد گذرے ہیں کہ جن کے مقابلہ میں رستم کا نام قابل بیان نہیں۔ چنانچہ حسین بن علی (علیہما السلام) کہ جن کی شجاعت تمام بہادروں پر رتبہ تقدم لے گئی۔ کیونکہ وہ شخص جو میدانِ کربلا کی ریگ گرم پر بھوک و پیاس کی حالت میں ہو۔ جن مردوں کا کام اس انتہا تک پہنچا ہوا ہو۔ ان کے مقابلہ میں وہی شخص رستم کا نام لے گا جو تاریخ سے واقفیت نہ رکھتا ہوگا۔ قلم میں کیا طاقت کہ حسین (علیہ السلام) کا حال لکھ سکے۔ اور زبان میں کیا طاقت کہ بہتر آدمیوں کی بیس ہزار فوج شامی خونخوار کے مقابلہ میں ثابت قدمی کی تعریف کرے اور ہر ایک کی شہادت کو بیان کر سکے۔ نازک خیالی میں اس قدر رسائی کہاں کہ ان بہتر آدمیوں کے دلوں کی حالت کا تصور کر سکے کہ ان کے سروں پر کیا مصیبت آئی جس وقت کہ عمر سعد نے ان کو دس ہزار فوجی سواروں کے گھیرے میں لے رکھا یہاں تک کہ شمر ملعون نے سر اقدس کو تن سے جدا کیا۔ مثل مشہور ہے کہ ایک کا علاج دو ہوتے ہیں یعنی اگر ایک آدمی کا احاطہ دو آدمی کر لیں۔ تو ضروری ہے کہ وہ دو اس پر غالب آئیں گے۔ اور اس سے زیادہ مبالغہ نہیں ہو سکتا۔ کہ کسی شخص کے حق میں یہ کہا جائے کہ فلاں شخص کو دشمن نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے۔ مگر حسین (علیہ السلام) اور بہتر جاں نثاروں کو آٹھ قسم کے دشمنوں نے سخت تکلیف پہنچائی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود ان لوگوں نے ثابت قدمی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ چنانچہ چاروں طرف سے یزید کی دس ہزار[1] فوج تھی۔ کہ جن کے نیزہ و تیر کی بارش جھکڑوں کے تحت سیاہ طوفان کی طرح تھی۔ پانچواں دشمن آفتاب عرب کی وہ گرمی اور حرارت تھی۔ کہ جس کی نظیر زیر فلک امکانی صورت پیدا نہیں کر سکتی۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عرب کی تمازت و گرمی میں شعلہ زن اور گرم تنور کی گرم راکھ کی طرح جلانے والی اور آتش فگن تھی۔ بلکہ اسے دریائے تہار کہا جا سکتا ہے جس سے بیٹے بنی فاطمہ کے پیروں کے آبلے تھے۔ واقعی دو اور دشمن ان تمام دشمنوں سے زیادہ ظالم تھے۔ ایک پیاس۔ دوسری بھوک جنگی خواہش وفا باز ساتھی کی طرح ایک لحظہ جدا نہیں ہوتی تھی۔ اور ان دو دشمنوں کی وجہ سے جس قدر وقت گذرتا تھا۔ زبانیں تشنگی کی وجہ سے چاک چاک ہوئی جاتی تھیں۔ پس جن لوگوں نے اس قسم کے معرکہ میں ہزاروں کفار کا مقابلہ کیا ہو۔ ان پر بہادری اور

[1] تعداد میں اختلاف شاید اس لئے ہے کہ اول تعداد (بیس ہزار) سے مراد تمام لشکر ہو اور دوم دس ہزار سے مراد یہ ہو کہ وہ لوگ باری باری مشغول جنگ رہتے تھے۔

[2] غیر عرب میں نہیں پائی جا سکتی۔ چھٹا دشمن میدان کربلا کی تپتی ہوئی ریگ تھی جو تمازت آفتاب

شجاعت ختم ہے۔ اس نصرانی ہندی نویس کے کلام تین سے محل حاجت تمام ہوا۔ اس نصرانی ہندی نویس کا کلام جو کہ سفید کاغذ کے پرشک کے پسندیدہ خال کی طرح ہے اور ضروری ہے۔ کہ اس کی تعریف میں کہا جائے۔ بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را۔ جس نے امور محسوسہ معلومہ کے ذریعہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی شجاعت بلکہ تمام انصار کی شجاعت کو زمانہ کے تمام بہادروں پر ثابت کر دیا۔ بغیر اس کے کہ اس انگریز نے ان امور کے ساتھ تمسک کیا ہو۔ جو سستی اور کمزوری میں خانۂ عنکبوت کی طرح اور بے ثباتی میں پانی پر بلبلے کی طرح ہیں۔ شجاعت، قوتِ قلب اور صفِ کارزار میں ثباتِ قدم کا نام ہے اور یہ شجاعت صفاتِ نفسانیہ میں سے ہے۔ جس کی معرفت انہی آثار و علامات کے ذریعہ ہوتی ہے۔ جو بیان کئے گئے ہیں۔ اور اس شجاعت کی معرفت زیادتی مقتولین پر موقوف نہیں ہے۔ جو کہ ان کتابوں اور بے اصل و بے پایہ اوراق کی طرف مراجعت کی محتاج ہو۔ کہ کسی حاشیہ پر کسی آدمی کے متعلق یہ کہا جائے کہ اس کے مقتولین کی تعداد کس قدر ہے۔ تو پھر یہ چیز اس چیز کی مانند ہوگی۔ جس کو غرقی نے اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ پکڑا ہوا ہو۔ اور ایسے شخص نے (جو مقتولین کی زیادتی پر نازاں ہے اور اسے شجاعت سمجھتا ہے) علماء کو بلکہ پورے عالم کو مفتضح اور رسوا کیا ہے۔ اور بالجملہ مطلب مذکور (لشکر یزید کی تعداد کی زیادتی کا ذکر جو صاحب کتاب اسرار الشہادۃ نے کیا ہے) اور اس قسم کی دیگر باتیں جن کا احصاء نہیں ہو سکتا۔ ان کے کذب ہونے کے اعتراف کے ساتھ بہتر تو یہ تھا کہ فقہاء، راسخین اور حارسانِ شہرستان۔ دین مبین۔ ملت احمدی کے قلعہ متین اور طریقہ علوی کی بہترین حفاظت کرتے اور اس قسم کے ننگ و عار کو ملتِ احمدی اور طریقہ علوی سے نکال دیتے اور ملتِ جعفری کے پاک و پاکیزہ دامن کو اس قسم کی کثافتوں اور گندگیوں کی وجہ سے ملوث ہونے سے پاک رکھتے اور اس جیسی کتب (جیسے کتاب اسرار الشہادۃ) کے نشر کرنے اور ان سے روایات کو نقل کرنے سے لوگوں کو منع فرماتے اور ایسے روضہ خوانوں کو پڑھنے کی اجازت نہ دیتے جو صحیح اور سقیم روایت کے درمیان تمیز دینے کی قوت نہیں رکھتے اور با اصل اور بے اصل روایت کو نہیں جانتے کہ ان کی طرف رجوع کریں اور اگر خود فقہاء راسخین مجالس اور ماتمکدوں کو منعقد کریں تو ایسے روضہ خوانوں کو دعوت نہ دیں اور اگر دوسروں کی مجلس میں بلائے جائیں تو وہاں نہ جائیں اور اگر نادانستہ وہاں حاضر ہو بھی جائیں تو جب روضہ خوان مجلس پڑھنے میں مشغول ہوں تو فقہاء دین محض اعلائے کلمۃ الحق اور فعلِ منکر سے نہی کرنے کے لئے کسی کے اطلاع کرنے کے بغیر اپنی جگہ سے اٹھ جائیں۔ کیونکہ اس جماعت (روضہ خواں حضرات) کی تنبیہ اور اپنی باتیں ان سے قبول کرانے اور روضہ خوانی کی درست کام پر برقرار رکھنے کے لئے اس میں بہت بڑا فائدہ ہے نہ اس طرح کہ فقہائے دین ایسے روضہ خوانوں کی مجالس میں بیٹھیں اور ان کی باتیں توجہ سے سنیں اور مجلس سے فراغت اور دعا کے بعد مجلس پڑھنے والے کو کلمہ احسنت اور طیب اللہ فاک واللہ تیرے منہ کو پاکیزہ رکھے کہیں اور جس جگہ کہ ان کے لئے چاہیئے تھا کہ وہ فرماتے فضّ اللہ فاک واللہ تیرے منہ کو پھاڑے وہاں اس کے بجائے اس روضہ خوان کی تمجید و توصیف کریں بلکہ اس کے علاوہ اسے مجلس خوانی کے لئے دعوت بھی دیں! اور جو کچھ روضہ خوان بیان کرے یا اس مجلس اور منبر میں پڑھے اگرچہ وہ خود ساختہ دروغ ہی

کیوں نہ ہوں جن کو وہ بالائے منبر پڑھ رہا ہے اگر اکہ کبھی نقہائے شیعہ نے اپنے سکوت و تقریر اور ان پر اعتراض نہ کرنے کی وجہ سے
ان کی جعلی روایتوں کا اضافہ فرمادیں تو پھر ایسی جعلی روایات اسی جماعت (روضہ خوان حضرات) کی اخبار صحیحہ میں
داخل ہو جائیں گی۔ بایں طور کہ جب وہ روضہ خوان کہیں دوسری جگہ کسی مجلس میں اس خبر بے اصل اور حدیث مجہول کو پڑھے
اور کسی ایسے اخوند بدبخت کی اجل آئی ہوئی ہو دینی فضیحت اور رسوائی قریب ہو جو اس فن میں فی الجملہ خبر اور بصیرت
رکھتا ہو تو اگر وہ اس روضہ خوان پر اعتراض کرے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے تو یہ روضہ خوان اس بیچارے اخوند کو ایک
ایسی دھمکی دے گا کہ اسے بات کہنا ہی بھول جائے گی اور جو کچھ اس نے سمجھا تھا اسے بھی فراموش کر دے گا اور یہ روضہ خوان
نہایت جلادت وقوت اور دلیری کے ساتھ اسے کہے گا۔ تو بہتر جانتا ہے یا فلاں (مجتہد) جس کا علو مقام آج کل اس طرح ہے
اور اس طرح ہے فلاں میں نے ان کی محضر شریف اور موجودگی میں یہ روایت پڑھی انہوں نے کوئی بات نہ فرمائی۔ مجھ پر
کوئی اعتراض نہ کیا تو کیا ہے تو تقشر منبر پڑھتا ہے۔ تو منقولات میں کیوں تصرف کرتا ہے اور اس قسم کے کلمات
کے ساتھ اس بیچارے اخوند دل سوختہ کو رسوا کرے گا۔ یہ تمام کی تمام ان دو کلموں کی شرح ہے کہ جن کی
طرف اس رسالہ (لؤلؤ ومرجان) کے خطبہ میں اشارہ ہوا ہے کہ تمام خرابی سرچشمہ (فقہائے دین ومجتہدین)
کی طرف سے ہے کیا خوب تھا کہ اس مذہب کے علماء جن کا قول مسموع اور حکم مطاع ہے۔ اپنے
ہاتھ سے علماء سلف کا طریقہ نہ جانے دیتے۔ اور اس مرحلہ میں نہایت تشدد اور سخت کوشش کے
ساتھ اہل علم، (طالبین احادیث) جامعین، حافظین اور احادیث کے ناقلین کو ان کی اپنی حالت پر نہ چھوڑتے
اور اس رشتہ دین کے استحکام کو اپنے بڑے مقاصد میں سے قرار دیتے۔ اور کذاب ووضاع اور بے اصل روایات بیان
کرنے والے اور اخبار منکرہ کے نقل کرنے والے کو علماء سلف کی جماعت کی طرح اپنی زبان کے
ساتھ اور رسائل علمیہ میں لکھنے سے منع کرتے اور اگر وہ روضہ خوان ان کی اطاعت نہ کرتے تو ان کو پھٹکار
دیتے اور دوسروں کو اس قسم کے روضہ خوانوں کی مصاحبت اور ان کی سخنان منبریہ کے سننے
سے منع کر دیتے۔ شیخ نجاشی نے اپنی رجال میں عبداللہ بن زید جو کہ ابو طالب انباری کے نام
سے مشہور ہے۔ کے حالات میں کہا ہے کہ وہ ہمارے اصحاب میں سے شیخ تھے اور نقل حدیث میں ثقہ
تھے۔ اور حدیث کے عالم تھے۔ اور وہ اپنے پہلے زمانہ میں واقفی (ایک مذہب کی طرف نسبت ہے)
میں سے تھے۔ اس کے بعد نجاشی نے اپنے شیخ ابو عبداللہ حسین بن عبداللہ غضائری سے نقل کیا ہے
کہ ابو غالب زراری جو کہ بزرگان علماء اور ثقۃ الاسلام کلینی کے راویان میں سے ہیں
نے کہا کہ میں ابو طالب کو جانتا ہوں۔ وہ اپنی بیشتر عمر میں واقفی رہے اور واقفیوں سے
مختلط رہے۔ اس کے بعد پھر وہ واقفی مذہب سے لوٹ آئے اور امامی (شیعہ) ہو گئے۔

اور ہمارے اصحاب علماء نے ان پر جفا کی ہے۔ (ثقہ نہیں سمجھا) حالانکہ ان کی عبادت اور خشوع بہت اچھا تھا۔ ان کا خشوع بہت اچھا تھا اور ابو القاسم بن سہل واسطی عدل کہتا ہے۔ کہ میں نے کسی ایسے آدمی کو نہیں دیکھا۔ جس کی عبادت بہت اچھی اور اس کا زہد بہت محکم تھا اور اس کا لباس بہت نظیف اور اس کی تنہائی ابو طالب سے زیادہ ہو۔ اور ابو طالب شہر واسط کی عامہ خلق سے خائف تھے۔ کہ کہیں وہاں کے لوگ اس کی نماز کو نہ دیکھ لیں۔ اور اس کے عمل کا انہیں پتہ نہ چل جائے پس ابو طالب اپنے آپ کو کنیسوں، گرجوں اور غیر آباد مکانوں میں منفرد رکھتا تھا پس اگر مقامات مذکورہ میں انہیں کوئی شخص دیکھ لیتا۔ تو ان کو نماز اور دعا کی بہترین حالت میں پاتا۔ اور اہل بغداد میں سے ہمارے علماء اس کی طرف غلو کی نسبت دیتے ہیں حسین بن عبید اللہ غضائری نے فرمایا۔ کہ ابو طالب وارد بغداد ہوا۔ تو میں نے جس قدر بھی سعی کی۔ کہ ہمارے اصحاب مجھے اجازت دیں۔ کہ میں اس سے ملاقات کروں۔ اور اس سے حدیث سنوں۔ مگر ہمارے اصحاب (علماء) نے مجھے اجازت نہ دی۔ ابو طالب کے متعلق اس قسم کی بہت سی حکایات ہیں۔ اور علماء مذہب کی اس قسم کی حفاظت وحراست کرتے تھے۔ اور یہ بات بھی ہے۔ کہ علماء کا اس (ابو طالب) کو تنگ کرنا کبھی بے محل بھی تھا۔ یہ تمام باتیں اختلافات علمیہ کی وجہ سے تھیں۔ جیسے کہ بعض علماء کے اعتقاد کے مطابق دائرۂ غلو بہت وسیع تھا۔ یہاں تک کہ نبی یا امام صلوات اللہ علیہما سے سہو ونسیان کی نفی کرنے کو غلو جانتے تھے یا موضوع میں اشتباہ تھا جس طرح کہ کسی ایسی بات کی کسی آدمی کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔ جو اس کے کفر یا فسق کا سبب ہوتی ہے۔ اور یہ نسبت بعض کے نزدیک اصل رکھتی ہے۔ اور بعض دوسروں کے نزدیک بے اصل ہوتی ہے۔ تو ان دونوں میں سے ہر ایک مثاب وماجور ہے۔ اور ان علماء نے اغراض نفسانیہ کی وجہ سے خدمت دین کی وہ لوگ تنگ گیری نہیں کرتے تھے۔ اور ہماری بحث اس قسم کے مطالب میں نہیں ہے۔ جو قابل خلاف واشتباہ ہوں علماء کے درمیان ہمیشہ ان میں نزاع رہا ہو بلکہ ہماری گفتگو تو ان مطالب میں ہے جو تمام علماء کے درمیان مشترک ہیں۔ اور کسی کو ان میں خلاف نہیں جیسے دروغ کہنا اور دروغ بنانا۔ اور اس قسم کی وہ چیزیں جو اس دروغ کے حکم میں ہیں۔ چنانچہ سابقاً اس چیز کی طرف اشارہ ہوا ہے اور یہ بات (دروغ کہنا دروغ بنانا) حق حدیث کے سمجھنے یا موضوع میں اشتباہ ہونے کے ساتھ کوئی ربط نہیں رکھتی اور ہماری غرض تو اس باب (دروغ کہنا۔ دروغ بنانا) کو بند کرنا ہے جو کہ تمام موارد میں ہر ایک کے نزدیک بند ہونا بھی چاہئے۔ خصوصاً اس مقام میں (روضہ خوانی میں) کیونکہ یہاں دروغ، حرام ہونے کے علاوہ مذہب کے ضعف اور ملت کی رسوائی کا سبب بھی ہے۔ جو کہ اس جماعت (روضہ خوان) کو ان کی اپنی حالت پر چھوڑنے کی وجہ سے روز بروز تزاید اور ترقی میں ہے اور اصل دروغ کا قبیح بالمرہ اٹھ چکا ہے جیسے کہ وہ شعر جو کہ ابو الحسن تہامی شاعر جس نے ۴۱۶ھ میں وفات پائی ہے اس نے یہ شعر اپنے فرزند کے مرثیہ میں ایک طولانی قصیدہ کے ضمن میں بنایا ہے اور وہ یہ ہے۔ یا کوکبا ما کان اقصر عمرہ ؛ وکذاک عمر کواکب الاسحار۔ اے ستارے تیری عمر کس قدر کوتاہ تھی

اور سحر کے ستاروں کی عمر اسی طرح ہوتی ہے۔ روضہ خوان حضرات صریحاً اس شعر کو حضرت سید الشہدا علیہ السلام کی طرف
منسوب کرتے ہیں کہ آپ نے یہ شعر جناب علی اکبر کے سرہانے پڑھا اور خود میں نے بعض کتب بحولہ جدیدہ میں دیکھا
ہے۔ کہ اس کتاب کے مؤلف نے جناب علی اکبر کی شہادت کے واقعہ میں اس شعر کو قصیدہ کے دیگر چند بیت
کیا تھا حضرت سید الشہدا علیہ السلام کی طرف نسبت دی ہے۔ اور وہ مؤلف جناب ابی الفضل کے لئے جنگِ صفین
اور نہروان میں ایسے عجیب واقعات کا ذکر کرتا ہے جن میں سے ایک کلمہ بھی درست نہیں ہے۔ حالانکہ ان غزوات
میں جناب ابی الفضل کا بالکل کوئی ذکر ہی نہیں ہے سوائے کتاب مناقب خوارزمی کے کہ اسمیں چند کلمات ہیں۔ کہ
ایک روز حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے لباس کو بدلا اور حضرت ابی الفضل العباس کے لباس کو بھی بدلوایا۔ اور
عجیب بات یہ ہے کہ روضہ خواں اس واقعہ کے نقل کرنے کے ساتھ ایک ایسا دوسرا واقعہ نقل کرتے ہیں۔ کہ انسان کی
فکر جس قدر بھی عمیق اور گہری ہو ان دونوں واقعات کے جمع کرنے میں حیران رہ جاتی ہے اور اس واقعہ کا خلاصہ
یہ ہے کہ ایک روز امیر المومنین علیہ السلام بالائے منبر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کو پیاس لگی
اور آپ نے پانی مانگا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے قنبر کو حکم دیا کہ وہ پانی لائے۔ حضرت عباس اُس وقت
طفل تھے جب انہوں نے بھائی کی پیاس کو سنا تو اپنی مادرِ گرامی کے پاس دوڑ کر آئے اور بھائی کے لئے ایک جام میں پانی
لیا اور اس جام کو اپنے سر پر رکھا اور پانی اس جام سے گر رہا تھا۔ پس اسی طریقہ سے وارد مسجد ہوئے۔ جب پدر بزرگوار جناب
امیر المومنین علیہ السلام کی نظر ان پر پڑی تو رو پڑے اور فرمایا۔ آج اسی طرح اور روزِ عاشور اُس طرح اور حضرت
نے جناب ابی الفضل کے کچھ مصائب کو ذکر کیا۔ الخ۔ یہ قصہ البتہ کوفہ میں تھا۔ اور اگر یہ قصہ مدینہ میں ہوتا۔ تو
حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اوّلِ خلافت میں ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے تو حضرت کے لئے مسجد
اور منبر میسر نہ تھے اور اس زمانہ (اول خلافت امیر المومنین علیہ السلام میں) میں حضرت ابی عبد اللہ علیہ السلام کی عمر
شریف تیئیس سال سے زیادہ تھی اور ایسی مجلس عام میں آپ کا اظہارِ تشنگی کرنا اور اثنائے خطبہ میں تکلم کرنا جو کہ مکروہ ہے
با تمام امامت کے ساتھ حرام ہے۔ امامت تو بڑا رتبہ ہے اثنائے خطبہ میں تکلم کرنا عدالت کے اوّل درجہ کے بھی
منافی ہے بلکہ انسانیت کی رسومِ متعارفہ کے ساتھ بھی کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اور جنگِ صفین، حضرت امیر المومنین
کے ظاہری خلافت پر متمکن ہونے سے دو تین سال بعد میں ہوئی تھی۔ اگر جناب ابا لفضل اُس روز طفل تھے۔ (جس دن
حضرت سید الشہداء کو پانی پلایا۔ علیٰ زعمہم) تو ان کے یہ تمام واقعات جنگ صفین پر کس طرح محقق تھے۔ ایک بچے کا اسی
آدمیوں کو ہوا میں پھینکنا۔ کہ جن اسی آدمیوں کو پھینکا تھا۔ ابھی ان سے پہلا واپس نہیں آیا تھا اور جو بھی ان میں گرا اسے
شمشیر کے ساتھ دو ٹکڑے کر دیتے۔ اس طرح سے یہ چیز خوارقِ عادات میں سے ہے کہ ایسا واقعہ تو آپ کے پدر
بزرگوار امیر المومنین علیہ السلام سے بھی ظاہر نہیں ہوا تھا اور وہ تو بعض اخبارِ گذشتہ کے مطابق حافظہ نہیں رکھتا۔ اور اب

معلوم ہوتا ہے کہ زر و سیم جمع کرنے کی حرص نے ادراک کو بھی اُن سے لے لیا۔ اور اسی حرص نے اُن سے حیا و شرم کا پردہ بالکل اُٹھا لیا۔ ان روضہ خوانوں اور اسی قسم کے بے یقین نے علم نسب کو اصل سے خراب کر دیا اور انساب ہاشمیین کے علاوہ کہ سابقہ عالموں نے جتنی بھی تکالیف اُٹھائیں اور مشقتیں برداشت کیں اور عمر صرف کی۔ اُن سب کو بے اصل بنا دیا۔ اور ذریت طاہرہ خصوصاً حضرت ابی عبداللہ علیہ السلام کے لیے شرکا بھی بنا دیئے ہیں۔ یہ روضہ خوان بعض ذریت کو مدینہ میں چھوڑتے ہیں (جیسے مخدرہ عالیہ جناب صغرا بنت الحسینؑ) اور بعض کے لئے کربلا میں شادی کی نسبت دیتے ہیں۔ اور بعض ذریت کا حضرت جبرئیل کے کلام "صغیرھم یمیتھم العطش" کی صداقت کی وجہ سے کربلا میں تشنگی کی وجہ سے قتل ہونا بیان کرتے ہیں اور بعض کو قتل گاہ میں شبیہ عبداللہ بن الحسن علیہ السلام بنا کے شہید کرتے ہیں اور اسی طرح ان کی تعداد خدا جانتا ہے کہ ان کا حساب کہاں تک پہنچتا ہے بہر حال یہ رشتہ سخن تمام ہونے کے قابل نہیں ہے بر فرض یہ مجبور لفظے کی مجلات میں لکھ بھی دیئے جائیں تو چنداں فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ ان سے کئی گنا زیادہ تازہ بنائے جاتے ہیں اور اگر ان اوراق میں مطالعہ اور تدبر کے ساتھ کوئی جن کے متعلق اُمید ہے کہ سوائے واقعیات کے جنہیں کوئی چیز نہیں ہوگی" کو واقعہ ظاہر ہو گیا اور نصیحت حاصل کی گئی یا علماء میں سے کسی عالم میں روح اور منع کا شوق پیدا ہو گیا۔ تو خدا وند منان کا شکریہ بجا لانا چاہیئے۔ وہ ہر شخص جو درد دین رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ خلوات میں اسلام کی مظلومی اور غربت پر روئے اور حق تعالے سے تعجیل ظہور حضرت حجت علیہ السلام کی صمیم قلب سے دعا کرے اور ہم اس فصل کو چند فروع کے ذکر کے ساتھ پورا کرتے ہیں۔

اوّل۔ دروغ کو دوسرے آدمی سے چاہے وہ ثقہ ہی ہو نقل کرنیکے عدم جواز میں اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل۔ یہ کہ خبر کو اس بات کے بیان کئے بغیر نقل کرنا کہ وہ دروغ ہے چنانچہ یہ بعض ان آدمیوں کا طریقہ ہے جو اپنی حفاظت ظاہری کے مقام میں ہیں۔ لیکن وہ اس خبر دروغ کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ جس میں سوز و مصائب ہوں تو اس روایت مجعولہ کو نقل کرتے ہیں۔ اور جو روایت اہل مجلس کو رلائے اُس کو نقل بھی کرتے ہیں اور اس روایت کی نسبت کسی دوسرے ناقل کی طرف دے دیتے ہیں اور کہتے ہیں فلاں شخص نے اس طرح پڑھا یا فلاں کتاب میں اس طرح لکھا ہوا ہے ایسے لوگ روایت کو نسبت دینے میں تو صادق ہوتے ہیں لیکن دروغ کو اس لباس سے ظاہر اور اُس کو نشر کرتے ہیں۔ اور وہ اس سے نتیجہ حاصل کرتے ہیں۔ اس قسم کے دروغ کا حکم یہ ہے کہ وہ حرام ہے کیونکہ کذب کے نتیج میں اس قسم کے دروغ اور اُس قسم کے دروغ کے درمیان جسے وہ اپنی طرف سے خود کہتا ہے کوئی فرق نہیں۔ اور شیخ اعظم استاد الاساتید شیخ مرتضیٰ طاب ثراہ نے رسالہ تسامح میں فرمایا ہے۔ "ولا یبعد عدم الجواز لا مع کونھا کاذبۃ" اخبار کاذبہ کی نقل کا جواز بعید نہیں۔ مگر جب کہ یہ بیان کیا جائے کہ وہ اخبار دروغ ہیں۔ (یعنی بیان کرتے وقت اگر یہ کہا جائے۔ کہ جو میں بیان کر رہا ہوں۔ یہ خبر دروغ ہے۔ تو اُس وقت اس کا بیان کرنا بوجہ جائز ہے) اور کتاب امالی ابو علی پسر شیخ طوسی قدس اللہ روحہما میں خبر مروی ہے۔

کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھ سے (یعنی میری طرف نسبت دیکر) کسی حدیث کی روایت کرے اور وہ جانتا ہو کہ وہ حدیث دروغ ہے تو پس وہ روایت کرنیوالا بھی دروغ گو لوگوں میں سے ایک ہے اور مجلسی قدس سرہٗ نے بحار میں کہا ہے کہ یہ خبر دلالت والی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس چیز کا نقل کرنا جائز نہیں ہے جس کے متعلق آدمی جانتا ہو کہ یہ دروغ ہے چاہے وہ اس خبر کی نسبت اس آدمی کی طرف بھی دے جس نے اس خبر کو روایت کیا ہے **دوم** یہ کہ ناقل بیان کرے کہ یہ (جسے میں بیان کر رہا ہوں) دروغ ہے یا اس کا دروغ ہونا سننے والوں کو معلوم ہو ظاہراً شیخ معظم متقدم نے اس رسالہ (یعنی رسالہ تسامح) میں اسکے جواز کا حکم دیا لیکن علامہ مجلسی رحمہ اللہ نے کتاب عین الحیات میں فرمایا ہے جاننا چاہیئے کہ جو چیزیں مذموم ہیں بلکہ ان میں حرمت کا شبہ ہوتا ہو تو ان کا نقل کرنا دروغ ہے جیسے حمزہ کا قصہ اور باقی دروغ قصے۔ چنانچہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ سے منقول ہے۔ کہ روایتوں میں سے بدترین روایت روایت دروغ ہے الخ اور ان (مجلسی علیہ الرحمۃ) کے کلام کی مؤید انشاء اللہ تعالیٰ وہ آیات و اخبار آئیں گی جو جھوٹی خبر اور جھوٹے قصوں کو توجہ سے سننے کی مذمت میں ہیں بلکہ مطلقاً خبر متقدم (بدترین روایت دروغ ہے علامہ مجلسی کے کلام کی مؤید ہے) واللہ العالم **سوم**۔ ان اوقاف کے متولی جن کے منافع حضرت سید الشہداء صلوات اللہ علیہ کی مجلس عزا قائم کرنے اور روضہ خوانی کرنے کے لئے معین کئے گئے ہیں۔ ان متولی حضرات کے لیے ضروری ہے کہ اپنی ملکیت کی نگہداشت رکھیں اور اس کی طرف ملتفت ہوں اور اعیان موقوفہ کے منافع کو شرع انور کے قانون اور واقفین کے دستور العمل کے مطابق محل مذکور میں صرف کریں اور مجلس عزاء مصیبت کے بجائے محفل عیش و معصیت برپا نہ کریں کیونکہ گناہ و خیانت کے ساتھ آلودہ ہونے اور مال حلال کو سبیل معصیت میں صرف کرنے کے علاوہ تمام مال یا اس کے ان منافع کیساتھ جو اس نے غیر محل میں صرف کئے۔ مشغول الذمہ بھی ہوں گے اور چونکہ روز قیامت اس نے اپنے حساب کے ان اوقات میں پہنچنا ہے جن کا حساب اس کو دنیا میں کرنا چاہیئے تھا۔ کہیں اس طرح نہ ہو کہ واضح ہو جائے کہ اس کا نامۂ عمل سیاہ ہے اور اس کا حاصل کیا ہوا ثواب ان چیزوں کیوجہ سے کہ جو اس کے نامۂ عمل میں جمع ہو گئی ہیں تباہ ہے اور اگر حساب انتہا تک پہنچے تو وہ اپنی حسنات کو واقفین کے عمل میں دیکھے گا اور اگر وہ حسنات سے تہی دست ہے تو اس جماعت (واقفین) کے گناہ کا بار اپنے دوش پر اٹھائیگا۔ اور پوشیدہ نہ رہے کہ ان منافع کو غیر محل میں صرف کرنے کے واسطے بعض واضح افراد اور معلوم موارد ہیں کہ جن میں شبہ کاری اور عذر خواہی کی کوئی جگہ نہیں ہے جس طرح کہ وہ لوگ جو غنا پڑھنے والے روضہ خوان کو دعوت دیتے ہیں اور اسے اجرت دیتے ہیں اور اس کی اس قسم کی پڑھائی پر قناعت کرتے ہیں اور مجلس عزا کو چھوڑ دیتے ہیں اور وہ گریہ جو وجد و طرب کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اس کو اس گریہ کے عوض میں کرتے ہیں جو مصیبت میں سوز قلب کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اس وجد و طرب والے گریہ کو واقف کی روح کے لیے ہدیہ بھیجتے ہیں یا ایسے دروغگو روضہ خوان کو دعوت دیتے ہیں جو اہل دیانت اور اس فن سے واقف لوگوں کے نزدیک دروغگوئی کے ساتھ مشہور ہوتا ہے اور مجلس عزا کی

انجام دہی اسی کے دروغوں سے کرتے ہیں اور ان کے علاوہ دیگر معاصی جو اس مجلس کے برپا کرنے کی وجہ سے شان حاصل ہوتے ہیں اور طاعت کو عصیان کیساتھ اور ثواب کو عقوبت کے ساتھ مبدل کرتے ہیں۔ اور چونکہ اس کی شرح وضیح رسالہ (لؤلؤ و مرجان) کے مناسب نہ تھی۔ اس لیے ہم نے اس سے اعراض کیا ہے اور بعض افراد مشتبہ ہیں جن کے لئے کوئی میزان بیان نہیں کیا جا سکتا جس شخص میں ورع دین ہے وہ ضرورت کے وقت اہل علم سے اپنی دیانت اور بصیرت کیساتھ دریافت کرے اور اپنی تکلیف (وظیفہ) کو سمجھے اور جو آدمی روضہ خوانی کے لیے کسی وقت کا متحمل ہے اسی کی طرح وہ وصی ہے کہ جو حسب الوصیت میت کے ثلث مال سے روضہ خوانی کرانا چاہیے اور اسی طرح وہ نذر کرنے والا آدمی ہے جو اپنی حاجت کے پورا ہونے سے پہلے یا بعد کسی روضہ خوان کی چند مجلسیں کرائے اور وہ لوگ بھی اسی طرح ہیں جن کے پاس بلاد خارج سے لوگ اس لیے کوئی مال بھیجتے ہیں کہ وہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی عزا کو قائم کریں۔ پس یہ تمام جماعت اس مجلس کی رعایت میں جس طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔ متولی مذکور کے ساتھ شریک ہے ورنہ (یعنی اگر انہوں نے مجلس عزا کی رعایت نہ کی) وہ تمام کے تمام متولی کی معصیت میں مبتلا ہوں گے۔ خداوند تبارک و تعالیٰ اپنی عنایت غیبیہ کیساتھ تمام کی چشم دل کو سرفراز فرمائے۔ چہارم وہ کتابیں جو جھوٹے قصوں اور اس کے علاوہ جعلی باتوں کے ذکر میں تالیف کی گئی ہیں وہ جس قدر بھی ہوں دو قسم پر ہیں۔ **اول** یہ کہ تمثیل اور بعض مطالب علمیہ کی توضیح اور صفات نفسانیہ کی تکمیل کے لیے لکھی گئی ہیں جیسے کتاب کلیلہ و دمنہ، رسالہ مقالات حیوانات، کتاب اخوان الصفا، درۃ التاج قطب شیرازی اور ان کے علاوہ ان جیسی اور کتب۔ پس ان کے بیان کرنے اور لکھنے کے جواز کا حکم پہلے گزرا ہے اور جب ان کا لکھنا جائز ہوا تو جمیع اقسام کیساتھ ان کے ذریعہ معاملہ جائز ہے۔

دوم۔ یہ کہ ان کتب کی تالیف مطلب حق کے افادہ کیلئے نہ ہو پس وہ کتب اکثر احکام میں جیسے تالیف کا حرام ہوا انکا نشر کرنا، طبع کرانا وغیرہ۔ ان کی کتابت، خریدنا اور بیچنا غرضیکہ ایسی کتب ان تمام احکام میں کتب ضلال کیساتھ شریک ہو جائیں گی اور ان کیساتھ معاملہ بہر عنوان حرام ہوگا اور جو کچھ ان کے مقابلے میں دیا جائیگا۔ وہ دینے والے اور لینے والے پر حرام ہوگا لیکن اگر ان کی جلد میں کوئی قابل قدر نفع ہوا یا بعض صورتوں میں ان کا کاغذ عمدہ ہوا تو ان کی حفاظت اور نگہداشت اگر ان میں دروغ ہونے کے علاوہ کوئی مفسدہ ہوا اور نہ ہی کوئی مصلحت اور فائدہ نہ ہوا کہ جس فائدہ کے لحاظ سے اس مفسدہ سے چشم پوشی کیجا سکے تو وہ کتابیں اس کتاب کیطرح ہونگی جو زید کے پدر ظاہری کی اخبار رقیت کے واسطے تالیف کی گئی ہے اور الغرض اس صورت میں ایسی کتب کتب ضلال میں داخل ہونگی۔ پس انکی نگہداشت جائز نہ ہوگی ضروری ہے کہ ایسی کتب کو تلف کر دیا جائے اور اگر انمیں کوئی مفسدہ نہ ہو جیسے کتاب رموز حمزہ اور الف لیلیٰ اور ان کے علاوہ دیگر کتب پس انکے تلف کرنیکا وجوب اور انکی حفاظت کی حرمت معلوم نہیں ہے بلکہ ظاہر ان کی حفاظت کرنا جائز ہے اگرچہ قیمتی جلد کے سوا کسی اور فائدہ کی حامل نہ ہو اور ایسی کتب اہوال میں داخل نہیں ہیں پس اگر کوئی شخص اس قسم کی کتاب کو تلف کرے تو اسکی جلد کی قیمت کا ضامن ہوگا اور علامہ مجلسی قدہ نے کتاب عین الحیات میں اس کلام کے ذکر کرنے کے بعد جو فرع اول میں ذکر کی گئی ہے فرمایا ہے بلکہ راست قصے جو خود باطل ہوں جیسے شاہنامہ اور اسکے علاوہ جو

اور کفار کے قصے ان کے متعلق بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حرام ہیں اس کے بعد ان بعض علماء نے اسکی تائید میں ایک خبر نقل کی ہے جو
اس کتاب کے خاتمہ میں آئیگی اور ان کے علاوہ عالم جلیل میر محمد صالح خاتون آبادی نے بھی کتاب رد ادع النفوس میں انکی متابعت کی ہے۔

خاتمہ: اخبار کاذبہ اور جھوٹی حکایات و قصص کیطرف توجہ دینے کی مذمت میں اور اس بیان میں کہ مجالس تعزیہ داری کو سننے والوں
کی اس قسم کی باتوں کیطرف توجہ دینے میں کیا تکلیف ہے جو باتیں کہ جنکو تمام ایسے روضہ خوان بیان کرتے ہیں۔ جو بات
کہنے میں کمتجری بے مبالات ہیں۔

خدا تعالٰے یہود کی مذمت کے مقام میں بلکہ منافقین کی مذمت میں اور ان کی صفات خبیثۃ اور افعال قبیحہ کے بیان میں فرماتا ہے

سمّٰعون للکذب سمّٰعون لقوم آخرین پ ۶ع مائدہ۔ جھوٹی باتیں بہت شوق سے سنتے ہیں تاکہ کفار کے
دوسرے گروہ کو سنائیں اور ایک آیت کے فاصلہ کے ساتھ پھر فرمایا ہے۔

سمّٰعون للکذب اکّٰلون للسحت: جھوٹی باتیں بہت شوق سے سنتے ہیں اور بڑے ہی حرام خور ہیں

وہ جماعت خصوصیت کیساتھ جھوٹ کو سننے والی ہے یا جھوٹی باتوں کو بیان کرنے کے لئے سننے والے ہیں یا قبول کرنے
اور تصدیق کرنے کے طریقہ پر دروغ کیطرف توجہ دیتے ہیں بہر حال ان دو آیہ کریمہ میں سخن دروغ کیطرف توجہ دینے
ہی تہدید بلیغ ہے چاہے توجہ دینا اس دروغ کو نقل کرنے کے لئے ہو یا نہ ہو اور چاہے توجہ دینے سے مقصود
اس دروغ کا قبول کرنا ہو یا نہ ہو اور نیز خداوند عالم ان نعمتوں کی تعداد کے مقام میں جو اس نے بہشت میں متقی لوگوں کو بخشی ہیں
فرماتا ہے۔

لا یسمعون فیہا لغوا ولا کذابا۔ پ ۳۰ ع ۲ نبا۔ وہاں نہ بیہودہ باتیں سنیں گے اور نہ جھوٹ۔

بعض مفسرین کی تفسیر کی بنا پر کذاب سے مراد وہی کذب ہے پس جنتی لوگ بہشت جاوداں میں پوچ بے فائدہ بات اور
کلام دروغ کو نہ سنیں گے پس جب سخن دروغ کا نہ سننا بہشت کی ان نعمتوں سے ہوا کہ جن کے ساتھ خدائے منان
اپنے بندوں پر احسان فرمائے گا تو البتہ دروغ کا سننا نقمت ہوا اور قانون مقابلہ و مضادہ (یعنی اگر جنت والوں کو کوئی نعمت
ملے گی تو اہل دوزخ کو اس نعمت کے مقام میں اس نعمت کی ضد ملے گی جو ان کے لئے نقمت اور عذاب ہوگی) کے مطابق
دروغ کا سننا اہل دوزخ کا خاصہ ہوگا چنانچہ وہ دروغ گو لوگ جن کو دنیا میں دروغ کہنے کی عادت تھی وہ آخرت
اور موقف قیامت میں بھی اس دروغ کو ترک نہیں کریں گے۔ چنانچہ خدا تعالٰے فرماتا ہے۔

ویوم تقوم الساعۃ یقسم المجرمون ما لبثوا غیر ساعۃ کذالک کانوا یؤفکون پ ۲۱ ع ۷ روم

اور جس دن قیامت برپا ہوگی تو گنہگار لوگ قسمیں کھائیں گے کہ وہ دنیا میں ایک گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے اور یونہی لوگ دنیا میں بھی افتراء پردازیاں کرتے رہے

اور نیز خداوند عالم بعض ان منافقین کے ذکر کے بعد

"جنہوں نے دنیا میں محضر نبوی میں جھوٹی قسم کھائی تھی اور ان کے اس عذاب کے ذکر کے بعد" جو اللہ تعالی
نے ان کے لئے مہیا فرمایا ہے۔ فرماتا ہے

ویوم یبعثھم اللہ جمیعًا فیحلفون لہ کما یحلفون لکم ویحسبون انھم علی شیء الا انھم ھم الکاذبون ۲۸ع رکوع مجادلہ یعنی اس دن کو یاد کرو جس دن خدا ان سب کو دوبارہ اٹھائیگا تو یہ لوگ جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اسی طرح اس دن خدا کے سامنے بھی

اور نیز اہل دوزخ کی ان باتوں کے متعلق فرماتا ہے جو وہ روز قیامت کریں گے

ثم لم تکن فتنتھم الا ان قالوا واللہ ربنا ما کنا مشرکین انظر کیف کذبوا علی انفسھم وضل عنھم ما کانوا یفترون پ۷ ع انعام

پھر انکی کوئی شرارت باقی نہ رہے گی بلکہ وہ تو یہ کہیں گے قسم ہے اس خدا کی جو ہمارا پالنے والا ہے ہم کسی کو اس کا شریک نہیں بناتے تھے۔ اے رسولؐ بھلا دیکھو تو یہ لوگ اپنے اوپر کس طرح جھوٹ بولنے لگے اور یہ لوگ دنیا میں جو کچھ افترا پردازی کرتے رہے وہ سب غائب ہو گئی۔

اور نیز جسطرح کہ اللہ تعالےٰ نے اہل دوزخ کا کلام نقل فرمایا ہے جبکہ ملائکہ عذاب ان پر آتش کو پیش کریں گے تو وہ کہیں گے کہ کاش ہم دنیا میں واپس جاتے اور اپنے پروردگار کی آیات کی تکذیب نہ کرتے اور اہل ایمان میں سے ہوتے۔ خدا فرماتا ہے۔ ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ وانھم لکاذبون پ۷ ع انعام۔ اگر یہ لوگ دنیا میں لوٹا بھی دئے جائیں تو بھی جس چیز سے منع کئے گئے ہیں اس کو کریں گے اور اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔

اور نیز دروغ کیطرف توجہ دینے کی مذمت اور قبیح پر آیہ شریفہ فاجتنبوا قول الزور دلالت کرتی ہے۔ (ترجمہ) قول زور سے اجتناب کرو جیساکہ فصل دوم کے مقام دوم میں گذرا ہے کہ قول زور سے مراد دروغ ہے اور بعض لغویین نے بھی تصریح کی ہے اور اگر اس سے مراد مطلق کلام باطل ہو تو جسطرح فحش وغنا اور غیبت وبہتان کو شامل ہوگی اسی طرح دروغ بھی ان میں داخل ہوگا اور اجتناب اس وقت تک متحقق نہ ہوگا جب تک کہ دروغ کی تمام اقسام سے دوری نہ کی جائے چاہے دروغ کا کہنا ہو یا لکھنا یا توجہ دینا۔ اور اگر کوئی شخص دروغ نہ کہتا ہو لیکن اس کی طرف توجہ دیتا ہو تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے دروغ سے اجتناب کیا ہے اور اسی جہت سے ہے جو کہ بزرگان فقہاء نے اس آیت کیساتھ حفاظت کتب ضلال کی حرمت پر استدلال کیا ہے کہ ان کتب میں اکثر دروغ ہیں اگرچہ ان کتب کے رکھنے والا دروغ بیان کرنیوالا اور اس کا موثق نہ ہو اور اس بناء پر کہ زور کا معنی دروغ ہو اس آیہ شریفہ والذین لا یشھدون الزور پ۱۹ ع فرقان اور وہ لوگ جو زور کے پاس نہیں کھڑے ہوتے۔ کیساتھ ہو سکتا ہے کہ استشہاد کیا جائے۔ کیونکہ وہ لوگ جو مجالس دروغ میں حاضر ہوتے ہیں ان کی دو صنفیں ہونگی ایک صنف وہ جو دروغ بیان کرنے کے لئے حاضر ہوتی ہے اور دوسری وہ صنف جو دروغ سننے کے لئے حاضر ہوتی ہے۔ اور شاید اس آیہ کی دلالت صنف دوم (یعنی جو لوگ دروغ سننے کے لئے حاضر ہوتے ہیں) پر ظاہر تر ہے بلکہ تونے جان لیا ہے کہ زور جس معنی میں بھی ہو دروغ کو شامل ہے اور شیخ صدوق علیہ الرحمتہ نے کتاب اعتقادات میں روایت کی ہے کہ لوگوں نے حضرت صادقؑ سے قصہ خوانوں کے متعلق پوچھا کہ کیا ان کی طرف توجہ دینا حلال ہے؟ حضرت نے فرمایا حلال نہیں ہے اور فرمایا کہ جس شخص نے سخن گو کے کلام کی طرف توجہ دی ہے۔ پس بتحقیق اس نے اس کی پرستش کی۔ پس اگر سخن گو اللہ تعالےٰ کی طرف سے بات کرتا ہے۔ (یعنی راست اور حق کہتا ہے) تو توجہ دینے والے نے خدا کی پرستش کی ہے۔ اور اگر سخن گو ابلیس کی طرف سے بات کرتا ہے یعنی جھوٹی اور باطل باتیں کرتا ہے تو پس اس توجہ دینے والے نے ابلیس کی پرستش کی ہے۔

وہ قسمیں کھائیں گے اور خیال کرتے ہیں کہ وہ راہ صواب پر ہیں، آگاہ ہو یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں

اور شیخ عیاشی نے اپنی تفسیر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے خدا تعالیٰ کے اس قول واذا رأیت الذین یخوضون فی آیاتنا (پ ۷ ع ۱۴ - سورہ انعام) اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں بیہودہ بحث کر رہے ہیں کی تفسیر میں فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے بارے میں گفتگو کرنا اور قرآن میں مخاصمہ کرنا ہے۔ یعنی آیات میں خوض سے مراد یہ ہے۔ اس وقت آپ نے پڑھا فاعرض عنہم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ (پ ۷ ع ۱۴ - انعام) پس تم ان کے پاس سے ٹل جاؤ۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اس کے سوا کوئی اور بات کرنے لگیں۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا۔ قصہ خوان انہی لوگوں میں سے ہیں۔ چاہیے کہ آدمی ان کی مجالست سے اعراض کرے اور ان کی باتوں کی طرف توجہ نہ دے۔ اور روضہ خواں اگر خداوند عالم اور رسول خدا و ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم پر دروغ باندھے گا تو وہ صنف اول (جو لوگ مجالس دروغ میں دروغ بیان کرنے کیلئے حاضر ہوتے ہیں) میں داخل ہو جائیگا اور اگر حکایات کاذبہ کو بیان کریگا تو صنف ثانی (جو لوگ مجالس دروغ میں دروغ سننے کیلئے حاضر ہوتے ہیں) میں داخل ہوگا۔ اور شیخ صدوق رحمۃ اللہ نے کتاب صفات الشیعہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے ایک طولانی خبر روایت کی ہے۔ کہ جناب نے احنف بن قیس کیلئے اپنے خاص اصحاب کی صفات کو ذکر فرمایا اور ان صفات کی گنتی میں فرمایا و مجوا اسماعہم ان یلجہا خوض خائض۔ حاصل ترجمہ یہ ہے کہ انہوں (اصحاب خاص) نے اپنے کانوں کو بند کیا ہوا اور اس بات سے روکا ہوا ہے کہ ان میں یاوہ گو لوگوں کا دروغ اور ان کی باطل باتیں داخل ہوں۔ اور مجلسی رحمہ اللہ نے کتاب عین الحیوۃ میں راست بیہودہ قصوں کو ان کی طرف توجہ دینے کی مذمت میں دروغ بیقوں کے ساتھ ملحق کیا ہے۔ اور بعض علماء نے ان (راست بیہودہ قصے) کی حرمت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ چنانچہ بعض کتب امامیہ میں مسطور ہے اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت نے فرمایا۔

ذکر علی بن ابی طالب علیہ السلام عبادۃ ومن علامات المنافق ان ینقبض عن ذکرہ ویختار استماع القصص الکاذبۃ واساطیر المجوس علی استماع فضائلہ ثم قرء علیہ السلام واذا ذکر اللہ وحدہ اشمأزت قلوب الذین لا یؤمنون بالآخرۃ واذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون فسئل صلوات اللہ علیہ عن تفسیرھا - قال اما تدرون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کان یقول اذکروا علی ابن ابی طالب علیہ السلام فی مجالسکم فان ذکرہ ذکری وذکری ذکر اللہ فالذین اشمأزت قلوبہم عن ذکرہ واستبشروا من ذکر غیرہ اولئک الذین لا یؤمنون بالآخرۃ ولہم عذاب مھین

علی بن ابی طالب علیہ السلام کا ذکر عبادت ہے۔ اور منافق کی علامات میں یہ بات ہے کہ وہ ذکر علی سے نفرت کرتا ہے اور فضائل علی کے سننے پر جھوٹے قصوں اور مجوس کے افسانوں کے سننے کو اختیار کرتا ہے۔ پھر حضور نے یہ آیت پڑھی۔ واذا ذکر اللہ تا آخر۔ پارہ ۲۴ ع ۲ سورہ زمر پس امام علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کیا تم نہیں جانتے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنی مجالس میں علی بن ابی طالب کا ذکر کیا کرو۔ پس تحقیق علی کا ذکر میرا ذکر ہے۔ اور میرا ذکر اللہ کا ذکر۔ پس وہ لوگ جن کے دل ذکر علی سے تنگ ہوتے ہیں۔ اور وہ لوگ ذکر غیر سے خوش ہوتے ہیں۔ وہ وہ لوگ ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کیلئے ذلیل وخوار کرنے والا عذاب ہے۔

اور نیز عقائد شیخ صدوق میں مروی ہے کہ لوگوں نے حضرت صادق علیہ السلام سے خداوند عزوجل کے اس قول والشعراء یتبعہم الغاوون کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا ھم القصاص یعنی وہ قصے پڑھنے والے ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ اگر سائل نے اس آیہ میں شعراء

کا معنی پوچھا تھا جس طرح کہ ظاہر ہے اور بعض دیگر اخبار میں معصومین علیہم السلام نے تصریح فرمائی ہے کہ شعراء سے مراد شعراء معنی نہیں ہے۔ پس اس حالت میں ھُم کی ضمیر سے مراد شعراء ہوں گے۔ یعنی شعراء سے مراد قصہ خواں لوگ ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ شاعر اور ناظم کی طرح دروغ بناتے ہیں۔ پس غاوون سے مراد "جو کہ شعراء کی متابعت کرتے ہیں" وہ لوگ ہیں جو ان لوگوں کے دروغوں اور قصوں کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ اور نیز دروغ کی طرف توجہ دینے کی مذمت اور قبح پر وہ آیات و اخبار دلالت کرتی ہیں جن میں اثم و عدوان اور گناہ و عصیان پر اعانت کرنے سے نہی فرمائی گئی ہے۔ کیونکہ اگر توجہ دینے والا نہ ہوتا تو دروغ گو کمتر دروغ کہتا۔ پس توجہ دینے والا معصیتِ دروغ کے ارتکاب میں دروغ گو کی اعانت کر رہا ہے۔ خصوصاً اگر وہ مستمع دروغ گو کی ان باتوں کی وجہ سے اس کی مدح کرے جو اس نے کہی ہیں اور شیخ صدوقؒ نے کتاب معانی الاخبار میں حماد بن عثمان سے روایت کی ہے۔ کہ اس نے کہا میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے قولِ زُور کے متعلق سوال کیا۔ یعنی آیہ شریفہ واجتنبوا قول الزور کی تفسیر کے متعلق سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ (یعنی دروغ گو کی مدح کرنا) بھی اُسی (قول زُور) سے ہے۔ یعنی کسی مرد کا کسی دوسرے مرد کو جو غنا پڑھ رہا ہو اَحسنتَ کہنا قولِ زُور میں داخل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آنحضرت کی غرض مثال پیش کرنا ہے۔ پس دروغ گو روضہ خوانوں کی مدح اس طریقہ سے کرنا جو کہ شائع ہے کہ لوگ مجلس سے فراغت کے بعد اسے کہتے ہیں احسنتَ یا طیّب اللہ فاک یہ بھی قولِ زُور میں داخل ہے۔ اور نیز اس کی مذمت اور قبح پر زبان کے اکثر گناہوں جیسے غیبت، غنا، سبّ، بہتان، استہزاء اور اس قسم کے دیگر گناہ" کا استقراء دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ غیبت، شرع میں حرام ہے۔ اس کی طرف توجہ دینا حرام ہے۔ اور غنا پڑھنا حرام ہے۔ اس کی طرف توجہ دینا حرام ہے۔ خداوند عالم کے اولیاء یا کسی مومن کو سبّ کرنا کفر یا معصیت ہے۔ اس کی طرف توجہ دینا بھی حرام ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

وقد نزل علیکم فی الکتاب ان اذا سمعتم آیات اللہ یکفر بھا ویستھزء بھا فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلھم۔ (پ ۵ ع ۱۴ ۔ نساء)

(مسلمانو) حالانکہ خدا تم پر اپنی کتاب قرآن میں یہ حکم نازل کر چکا ہے کہ جب تم سن لو کہ خدا کی آیتوں سے انکار کیا جاتا ہے۔ اور ان سے استہزا کیا جاتا ہے تو تم ان کفار کے ساتھ مت بیٹھو۔ یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں بحث کرنے لگیں۔ ورنہ تم بھی اس وقت ان کی طرح ہو جاؤ گے۔

اور اس آیہ مبارکہ کے لئے ایک ایسا دانی بیان ہے جس سے تمام معاصی کا اس میں داخل ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جو شخص کسی گناہ کا مرتکب ہوا تو اس نے آیات الٰہیہ میں سے کسی آیہ کے ساتھ استہزاء کیا۔ چونکہ یہ بات ایک ایسی تفصیل رکھتی ہے جو کہ رسالہ (لؤلؤ و مرجان) کے مناسب نہ تھی۔ اس لئے ہم نے اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ آیات الٰہیہ کے ساتھ استہزاء کا سننا اور غنا، غیبت، تہمت اور سبّ مومن حرام ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کذب خصوصاً اگر خداوند عالم اور رسولِ خدا اور آپ

کے خلفاء صلوات اللہ علیہم پر ہو تو وہ گناہانِ کبیرہ سے محسوب ہو اور اس کا کہنا تو حرام ہو۔ اور اس کی طرف توجہ دینا جائز ہو اور جو کچھ کتاب جعفریات میں حسن معاشرت کے باب میں حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ اس طرح تھے کہ جب کوئی مرد آپ کے حضور شریف میں کوئی دروغ کہتا تو آپ تبسم کرتے۔ اور فرماتے کہ وہ ایک بات کہہ رہا ہے پس اس روایت کے ظاہری معانی نہ لینے چاہئیں یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت کی طرف اس بات کی نسبت دی جائے کہ آپ کے حضور مبارک میں لوگ گناہ کرتے تھے۔ اور آپ منع نہیں فرماتے تھے۔ پس شاید اس دروغ سے مراد وہ دروغ ہے جو امور عادیہ میں اور بے مفسدہ تھا کہ جو سہواً کہا گیا۔ جیسے کہ کسی آدمی نے کسی خبر کو سنا اور اسے درست نہ سمجھا یا کسی خبر کے بعض اجزا کو اس نے فراموش کر دیا۔ یا اس خبر کو غلط سمجھا تھا۔ اور چونکہ وہ خبر محل حاجت نہ تھی۔ اور تکلیف اس طرف متوجہ نہ تھی۔ اور وہ خبر کوئی مفسدہ بھی نہ رکھتی تھی۔ لہٰذا اس آدمی کو منع کرنا حضور پر لازم نہ تھا۔ اور اس کی نظیر وہ ہے جس کو شہید ثانی نے کتاب شرح اور دیگر علماء نے ابی موسیٰ محمد ابن مثنیٰ عنزی سے نقل کیا ہے کہ ابی موسیٰ نے کہا ہم ایک ایسی قوم ہیں۔ کہ ہمارے لئے شرافت ہے ہم عنزہ سے ہیں۔ یعنی اس قبیلے سے ہیں۔ شاید یہ وہی قبیلہ ہو کہ جو اب عنزہ کے نام سے مشہور ہے" اس نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ نے ہماری طرف منہ کر کے نماز ادا کی اور یہ دروغ ہے کیونکہ حضرت نے ان کے قبیلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا نہیں کی۔ لیکن اس نے دروغ حرام نہیں کہا۔ بلکہ اشتباہ کیا ہے۔ کیونکہ عنزہ کا ایک دوسرا معنی بھی ہے۔ اور وہ دستی عصا ہے جس کے نیچے لوہا ہو یعنی اس قسم کی لاٹھی کو بھی عنزہ کہا جاتا ہے۔ اور حضرت نے ایسی لاٹھی کو اپنے پاس رکھا اور کبھی جو کسی صحرا میں نماز بجا لاتے۔ تو اس عصا کو استحباب سترہ کی وجہ سے اپنے سامنے نصب فرماتے اور اس ابو موسیٰ نے کسی خبر میں دیکھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ الی عنزہ یعنی حضرت نے عنزہ کی طرف۔ منہ کر کے نماز ادا کی یعنی اس لاٹھی کی طرف منہ کر کے اور ابی موسیٰ نے عنزہ کو قبیلہ سمجھا پس روایت کو اس طرح نقل کر دیا۔ اور اس نے نا سمجھی کی وجہ سے اس بات پر فخر کیا۔ یہ بات پوشیدہ نہ رہے۔ کہ جو کچھ ہم نے اس خاتمہ میں کہا ہے۔ وہ عام خلق کیلئے دروغ سننے کے حکم کے بیان میں تھا کہ عام لوگوں کے لئے اس دروغ کے سننے میں اپنے آپکو ضرر پہنچانے کے سوا اور کوئی مفسدہ نہیں ہے۔ عام خلق کے دروغ کو سننے کی وجہ سے کوئی دوسرا مفسدہ پیدا نہیں ہوتا لیکن وہ لوگ جو بندگانِ خدا کے پیشوا (مجتہدین) اور خداوند عزوجل اور ائمہ کی طرف مخلوق کی رہنمائی کرنے والے ہیں۔ اور بندوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ گفتار و رفتار اور سیرت و کردار میں ان کی پیروی کریں۔ اور ان سے حلال و حرام اور طاعت و عصیان کو سیکھیں۔ پس ان پیشواؤں کے مجالس تعزیہ داری میں روضہ خواں کے بے اندازہ دروغوں کو سننے میں دیگر کئی مفاسد مترتب ہوتے ہیں۔ خصوصاً ایسے دروغوں کے سننے میں جو ائمہ طاہرین علیہم السلام کی سیرت اور کردار و گفتار سے متعلق ہوں۔ ان مفاسد میں سے ایک یہ کہ پیشوا دانا کا دروغ گو لوگوں کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ جو دروغ کی طرف توجہ دینے والا ہے۔ پس وہ پیشوا ہر دو معصیتوں میں مبتلا ہو گیا۔ دروغ گو بھی ہوا اور دروغ کی طرف توجہ دینے والا بھی۔ کیونکہ ہم نے دروغ کی اقسام میں توضیح کی ہے کہ کذب۔ اصل لغت میں اگرچہ لفظ و سخن کی صفات میں سے ہے لیکن شرع میں اس کا حکم ان افعال میں بھی جاری ہے جو زبان کے علاوہ دیگر اعضاء و جوارح سے صادر ہوتے ہیں۔ جیسے ہاتھ و آنکھ اور سر وغیرہ اور اسی طرح کذب کا حکم سکوت اور تقریر میں بھی جاری ہے۔ چنانچہ اس کی مثال گذری ہے۔ اور یہ مقام بھی اسی قسم سے ہوگا کیونکہ دانا مطلع مسموع القول آدمی جب یہ سنے کہ روضہ خواں نے خبر دروغ بیان کی ہے۔ یا اس نے کسی بے اصل خبر کو امام علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور جبکہ اس (دانا مطلع) کیلئے اس منکر بے ضرر چیز سے منع کرنا بھی میسر تھا اس حالت میں وہ ساکت ہو۔ اور اس نے روضہ خواں کو منع نہ کیا جبکہ اس خبر دروغ کے سننے سے اس کی حالت بھی منقلب نہ ہوئی۔ تو لامحالہ اس نے اپنا راستہ دروغ گو روضہ خواں

سے نہیں بدلا کیونکہ نیت ترتیب مراتب فعل منکر سے نہی کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس دانا مطلع نے اس خبر دروغ کو دروغ نہیں سمجھا بلکہ اپنے سکوت کیساتھ اس خبر کی نقل کا امضاء کر دیا ہے۔ پس وہ اس طرح ہے کہ گویا اس نے وہ دروغ خود کہا ہے لہذا روضہ خواں اس دانا مطلع مجتہد کے سکوت کیساتھ تمسک کریگا اور جو آدمی اس پر انکار کریگا اور اس کی طرف دروغ کی نسبت دیگا اس کیلئے اس مجتہد کے سکوت کو اپنی خبر دروغ کی صحت کی دلیل بنائیگا۔ اور وہ روضہ خوان اس منکر کو مخذول و محجوج اور شرمندہ کریگا اور اسکے علاوہ اور بھی مفاسد ہیں۔ جن کے ذکر کرنے میں دیگر مفاسد پائے جاتے ہیں۔ اجمالاً متمکنین حضرات یعنی وہ علماء اور مجتہدین جن کا علم قابل قبول سمجھا جاتا ہے، کا سکوت روضہ خوانوں کے اس بے انصاف طائفہ کی بے حیائی اور جرأت کا سبب ہوگیا ہے۔ یہاں تک کہ مقامات مقدسہ اور عتبات عالیات خصوصاً صاحب الحرم حضرت سید الشہداء روحنا وارواح العالمین لہ الفداء کے حرم میں اکثر اوقات خصوصاً اسحار میں جو کہ گریہ و نالہ اور استغفار کے اوقات ہیں مختلف اقسام کے عجیب و غریب دروغ بیان کرتے ہیں۔ اور کبھی مطربہ آوازوں کے ساتھ اس حضر نور کو تاریک بناتے ہیں۔ اور ملائکہ رحمت کی افواج کو "اخبار گذشتہ کے مطابق" وہاں سے باہر نکالتے ہیں۔ اور بندگان خدا کو عبادت و انابت اور تضرع کی حالت سے محروم کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے والوں کے زمرہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی شخص ان کو منع نہیں کرتا۔ اور کبھی لوگ اس قبہ سامیہ کے نیچے دعا کے قبول نہ ہونے سے تعجب کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ ان حالات کی وجہ سے نہ وہ قبہ رہا ہے۔ اور نہ حرم اور نہ ہی کوئی فرشتہ وہاں رہا ہے۔ بلکہ وہ بعض لوگوں کا ملعب اور بعض کے لئے خوش طبعی کا مقام اور بعض کیلئے مکسب بن گیا ہے۔ کہ کبھی وہ مال دنیا کے سرمایہ سے اور کبھی آبرو دینیہ کے سرمایہ سے مال و جاہ حاصل کرتے ہیں۔ اور اس جماعت یعنی (روضہ خوانوں) کی خرابی دوسروں تک بھی پہنچ رہی ہے۔ طولانی جھوٹے قصوں کو نقل کرنے والے نقال اور کلاشی کے فرش کو روضہ مطہر صحن مقدس میں ڈال رہے ہیں۔ خود معلوم و واضح دروغوں کو بیان کرنے میں تین گھنٹے تک مشغول رہتے ہیں۔ اور اوباش و اطفال و لوگوں کی ایک جماعت ان کے ارد گرد جمع ہو جاتی ہے۔ اور اگر یہ محفل کثیف ہو کر جبار منتقم جل جلالہ کی ناراضگی اور لعنت کا محل ہے۔ آبادی سے دور کسی صحرا میں بھی منعقد ہوتی۔ تو مسلمانوں پر اس کا متفرق کرنا اور اس عمل قبیح سے منع کرنا لازم تھا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ صحن شریف میں جہاں کہ پاؤں کے نیچے ہزار ہا مومنین اور اخیار کی قبریں ہیں۔ اور یہ مقام عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کا، مومنین کے لئے دعا کرنے قرآن پڑھنے۔ ملائکہ کے بالا معراج اور ان کی آمد و رفت کا مقام اور مجاورین کے گریہ و نالہ نماز میں مشغول ہونے اور زائر کے لئے استغفار کرنے کا محل ہے۔ لیکن نہ اس طرح کہ زائرین خود اس منکر قبیح (دروغ بیانی و غناخوانی) میں مشغول ہو۔ یا اس کام میں اس قسم کے روضہ خوان کا معین و مددگار ہو۔ یا اس طرح کے قبیح امر کو اس قسم کی انجمن الٰہی میں دیکھے۔ اور اسے ایسے چھوڑ دے۔ اور اس کے قبیح کی طرف بالکل ملتفت نہ ہو کیونکہ چاہیئے تو یہ تھا کہ زائر اس کام سے متاثر اور غمگین ہوتا اور ایسے کام سے لوگوں کو منع کرتا پس یہ ضروری ہے کہ ارباب دانش و بصیرت مصائب حضرت ابی عبد اللہ علیہ السلام کی مجالس کو جدید طریقہ پر ترتیب دیں اور وہ مصائب جو آپ کے وجود مبارک پر پہنچے ہیں اور زائر یا مجاور یا خادم آپ کے علم کے حامل، متعبدین، ناسکین یا مومنین، اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں سے مختلف اقسام کے ساتھ شب و روز جمع کئے گئے ہیں دل میں تڑپ رکھنے والے دینداروں کو دیں تاکہ وہ اہل تقویٰ و دیانت اور غیرت و حمیت والوں میں پڑھیں اور لوگوں کے دلوں کو تڑپائیں اور انہیں رلائیں اور خدا تعالیٰ سے سلطان ناشر عدل و امان باسط فضل و احسان اور قامع کفر نفاق۔ عدوان کے ظہور کی تعجیل کی دعا کریں۔ اللھم عجل فرجہ و سہل مخرجہ وصلّ علیہ وعلیٰ آبائہ

الغر البرؒ

التماس سورۃ فاتحہ: استاد مولانا
سید قاسم علی شاہ مرحوم (جنڈ)
1998ء
مولوی صاحب غلام قاسم جنڈ۔

پیشکش

مکتبۃ المبلغ

دار التبشیر

دار العلوم محمدیہ سرگودھا

التماس دعاء: ملک زائر عباس اعوان
جنڈ (اٹک)

(شاہی برقی پریس سرگودھا)